معارف القرآن

15

تصنیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

معارف الفرقان

سورۃ النباء سے سورۃ التین تک

جِلد 15

تصنیف

اُستاذُ العُلماء شیخ الحدیث والتفسیر

حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدظلہ

سابق اُستاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی بی روڈ مناواں لاہور کینٹ

رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876

☼ سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼ پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور
☼ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼ سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور
☼ امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼ صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ
☼ متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼ خطیب ٹاؤن ہال لاہور

ضابطہ

نام کتاب۔۔۔

معارف الفرقان جلد⑮

اپنی بات	۶	قدرت کی کاریگری اور صناعی	۶۴
النبـاء	۱۰	طامۃ الکبریٰ سے کیا مراد ہے؟	۶۵
قیامت	۱۰	دوزخ اور جنت کن کا ٹھکانہ ہو گا؟	۶۶
زمین کی تخلیق	۱۱	قیامت کب آئے گی؟	۶۷
نیند، لباس، معاش، آسمان، سورج	۱۷	عبس	۷۰
بارش اور سورج کی حدت کا فائدہ	۲۳	عمرو بن مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان	۷۰
فیصلے کے دن گروہوں کی آمد	۲۵	قرآنی آیات کی عظمت	۷۳
آسمان کا کھلنا، پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا	۲۷	انسانی ناشکری پر اظہار تعجب	۷۵
جہنم کی ہولناکیاں	۳۰	انسانی پیدائش کے مراحل	۷۷
متقی لوگوں کے لیے کامیابی وفائز المرامی	۳۹	انواع واقسام کی نعمتوں کا تقاضا	۷۹
قیامت: روح اور فرشتوں کی صفیں	۴۳	قیامت کا ہولناک منظر	۸۷
قیامت کے دن کفار کی حسرت	۴۷	جنتیوں اور دوزخیوں کے چہرے	۸۸
النازعـات	۵۰	التکویر	۹۱
فرشتوں کی قسمیں	۵۰	قیامت کے مناظر	۹۱
صور اسرافیل	۵۶	جبریل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۳
منکرین بعث بعد الموت کے لرزتے دل	۵۷	الانفطـار	۱۰۹
کفار کا بعث بعد الموت سے انکار	۵۸	ہنگامہ روز محشر کی خوفناکی	۱۰۹
فرعون کو پیغام ہدایت	۶۱	انسان، رب کریم، فرشتوں کی ڈیوٹی	۱۱۴
خدائی کے دعویدار کو عبرتناک سزا	۶۳	غرور، تمنا، رجا کا فرق	۱۱۷

ابرار، فجار اور قیامت کا دن	۱۲۴	البروج	۱۶۱
بروز محشر انسان کی بے بسی	۱۲۷	آسمان، قیامت، جمعہ، خندقوں والے	۱۶۱
المطففین	۱۳۰	خندق والوں کا واقعہ	۱۶۸
ناپ تول میں کمی بیشی کے نتائج	۱۳۰	رب تعالیٰ کی قوت وطاقت	۱۷۱
لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ	۱۳۱	لوح محفوظ	۱۷۵
بڑے دن کی ہولناکی	۱۳۶	الطارق	۱۷۸
فجار کے لیے سجین، سجین کی ہولناکی	۱۳۸	محافظ، خالق، معاد، مکر، مہلت	۱۷۸
جھٹلانے والوں کے لیے تباہی وبربادی	۱۴۰	الاعلیٰ	۱۹۴
کفار دیدارِ خداوندی سے محروم	۱۴۱	صحف ابراہیم وموسیٰ کے مضامین	۱۹۴
علیین کیا ہے؟	۱۴۳	**الغاشیہ**: قیامت، جہنم، جنت، منکرین	۲۴۱
نعمت ہائے جنت اور شراب نوشی	۱۴۵	الفجر: فجر، لیال عشر، جفت وطاق	۲۵۷
دنیا میں کافروں کا استہزا	۱۴۷	امم سابقہ کے اعمال اور عبرتناک انجام	۲۶۹
الانشقاق	۱۴۹	کافر کے پراگندہ خیالات	۲۷۷
قیامت کے احوال	۱۴۹	**البلد**: مکہ مکرمہ، نبی مکرم ﷺ اور انسان	۲۸۹
نیک بخت کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں	۱۵۱	الشمس: تزکیہ نفس باعث فلاح	۳۰۹
بدبخت کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں	۱۵۲	**اللیل**: انسانی مساعی میں اختلاف	۳۲۲
شفق، رات اور چاند کی قسم	۱۵۴	الضحیٰ: فضائل مصطفیٰ ﷺ	۳۳۸
مخالفین اسلام کے ایمان نہ لانے پر تعجب	۱۵۷	**الشرح**: رفعت مصطفےٰ ﷺ	۳۷۸
کافروں اور مؤمنوں کی سزا وجزا	۱۵۹	التین: انسانی تخلیق	۴۰۱

اپنی بات

بِسمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی اَشرَفِ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ وَعَلَی آلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ وَعَلَی اَصحَابِہٖ وَاَتبَاعِہٖ اِلَی یَومِ الدِّین

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان، فضل اور کرم ہے جس نے ہمیں ہمہ وقت اپنے دین کی مشغولیات میں مصروف رکھا ہوا ہے، قرآنِ کریم کے ساتھ وابستگی، حدیث نبوی شریف کی مشغولیت کسی سعادت عظمیٰ سے کم نہیں ہے، یہ مولا کریم کا کرم اور ذات ذوالمنن کا اِحسان عظیم ہے جس نے ہمارے جیسے سراپا خطا و مجسمہ آثام کو یہ توفیق بخشی کہ معارف الفرقان کے نام سے ہزاروں صفحات اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کر دیے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ تفسیر معارف الفرقان کا آغاز آج سے پانچ سال پہلے ہوا تھا، وقفے وقفے سے یہ تفسیر شائع ہوتی رہی اور کچھ کچھ ہاتھوں میں پہنچتی رہی، چونکہ جتنا مواد تیار ہوتا تھا اسی قدر شائع بھی ہوتا تھا، اس لیے جہاں تک ہم پہنچا سکتے تھے پہنچاتے رہے، چودہ جلدوں کی تکمیل پر ہم نے ملک بھر میں اس کی اطلاع کر دی کہ تفسیر معارف الفرقان کے نام سے سوالاً جواباً ایک نئی کاوش منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے، تو الحمدللہ ملک بھر سے اہل علم و عرفاں نے ہماری اس صدا پر لبیک کہتے ہوئے تفسیر معارف الفرقان بڑی تعداد میں طلب کی، یہاں تک کہ ہمیں پھر اس سلسلہ کو موقوف کرنا پڑا، کیونکہ بہت عرصہ پہلے شائع ہونے والی جلدیں بیچ میں سے کم ہو گئی تھیں، کچھ ایسے دوست تھے جن کو اس بات کی پیشگی اطلاع دی گئی کہ تفسیر کی اگرچہ چودہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، مکمل سولہ جلدوں میں آرہی ہے مگر بیچ میں سے فلاں جلد کم ہو گئی ہے، ساتھیوں کو اشاعت کے بعد روانہ کی جائے گی، چنانچہ احباب نے ہمارے اس کہے پر اعتماد کیا اور جو کچھ ہمارے پاس موجود تھا اس کا تقاضا کیا کہ ہمیں ہر صورت میں روانہ کر دی جائے۔

جب ملک بھر میں تفسیر معارف الفرقان احباب کے ہاتھوں میں پہنچی تو انہوں نے ارتجالاً مسرت کا اظہار کیا، سوشل میڈیا پر اس کا اظہار بھی کئی دوستوں نے کیا، جس سے حوصلہ افزائی ہوئی، ہمت بڑھی، قلبی مسرت اور شادمانی ہوئی کہ دوستوں نے اس فقیرانہ متواضع کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور دل سے قبول کیا۔

اگرچہ ایک آدھ جگہ سے گلہ شکوہ بھی ہوا کہ ہم جس مقام کی تفسیر دیکھنے کے خواہش مند تھے وہ اس تفسیر میں ہے ہی نہیں، اس پر ہمیں قدرے شرمندگی ہوئی کہ واقعی شکوہ کناں کا شکوہ اپنی جگہ بجا ہے، مگر ہم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے ہوئے تشفی کروائی کہ ہم نے دو تفسیریں بیک وقت لکھنا شروع کی تھیں، ایک کا نام معارف الفرقان رکھا، دوسری کا مطالعہ قرآن، مطالعہ قرآن سوالاً جواباً تھی، جس کی آٹھ جلدیں شائع ہوئیں، ان آٹھ جلدوں میں قرآن کریم کی چیدہ چیدہ اور چنیدہ آیات کی تفسیر کی گئی، جن میں تسلسل کا خیال نہیں رکھا گیا تھا، معارف الفرقان میں صرف پہلی جلد ہی سورۃ الفاتحہ کے ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل تھی۔

مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، ۲۰۱۷ء میں مجھے ایک خوفناک حادثہ پیش آگیا، جس کے باعث میری پسلیاں ٹوٹ گئیں، میری ہانس کی ہڈی فریکچر ہوگئی، جس نے پانچ ماہ تک چارپائی کے ساتھ لگائے رکھا۔

اگرچہ اس عرصہ میں میں اپنے لیپ ٹاپ (کمپیوٹر) پر دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے ساتھ دھیرے دھیرے کام کرتا رہا، پھر کچھ عرصہ بعد دونوں ہاتھوں نے کام شروع کیا تو تسلی ہوگئی، مگر کام ایک عرصہ تک اس طرح کرنے کی ہمت نہ ہوئی جس طرح برق رفتاری سے ہوا کرتا تھا، چنانچہ ایسا حوصلہ پست ہوا کہ دو تفسیروں کی بجائے ایک ہی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کرلیا، معارف الفرقان پر ہی دل جم گیا۔

اب مطالعہ قرآن کے نام سے جو آٹھ جلدیں شائع ہوئی تھیں ان پر معارف الفرقان کے اسٹیکرز چھپوا کر چسپاں کروادیے، اسٹیکرز بیرونی جلد اور اندرونی سرورق پر چسپاں ہوگئے مگر ہیڈر کے اوپر جہاں مطالعہ قرآن لکھا تھا، جہاں جلد نمبر لکھا تھا وہ جوں کا توں اسی طرح رہنے دیا گیا، اسے مطبوعہ کتاب سے تبدیل کرنا ہمارے بس میں نہیں تھا، لیکن معارف الفرقان کی جلد اول کے بعد ہم نے مطالعہ قرآن کی باقی جلدوں کو اسی سیریل کا حصہ بنادیا، جس سے کتابی حسن وجمال میں کمی واقع ہوئی۔

پہلے پہل مطالعہ قرآن میں چیدہ اور چنیدہ مقامات کی تفسیر لکھی گئی تھی، جو بندہ کی زیر ادرت شائع ہونے والے ماہ نامہ آب حیات میں شائع ہوتی رہی، پھر وہ سلسلہ موقوف کر دیا گیا تھا، پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ ایک دوست نے یہ تفسیر منگوائی اور اسے دیکھتے ہی عش عش کر اٹھے، مگر ساتھ ہی ناصحانہ کلمات سے نوازتے ہوئے کہا کہ کیا ہی مزید اربات ہوتی اگر یہ تفسیر چنیدہ مقامات کی بجائے تسلسل سے لکھی جاتی، جس پر فوراً فیصلہ کیا کہ اب ایسا ہی ہو گا، چنانچہ اس وقت تک میں اٹھائیسویں پارے تک پہنچ گیا تھا، سورۃ المجادلہ کی تفسیر شروع ہو چکی تھی، چنانچہ میں نے سورۃ المجادلہ سے ہی اس کو تسلسل دے دیا۔

معارف الفرقان کی جلد نمبر ۱۲، جلد ۱۳، جلد ۱۴، جلد ۱۵ اور جلد ۱۶ الحمدللہ اسی نہج پر پیش کی گئی ہیں، اب ایک مشکل اور درپیش ہے کہ مجھے پہلے والی ان دس جلدوں کو بھی اسی طرح پیش کرنا ہے جس طرح یہ آخری جلدیں پیش کی گئی ہیں، اس کے لیے نئے سرے سے ان تمام مقامات کی تفسیر پیش کی جائے گی جو پہلی بار چھوڑ دی گئی تھیں، چونکہ پہلے سوالاً جواباً تفسیر الگ سے پیش کرنا تھی اور معارف الفرقان کے نام سے الگ پیش کرنا تھی، مگر قدرت کو شاید منظور ہی ایسا تھا، اللہ تعالیٰ دستگیری اور یاوری فرمائے تو ان شاء اللہ اس نقص کو بھی دور کر دیا جائے گا۔

جلد ۱۵ اور جلد ۱۶ کی تیاری کے دوران دوالمناک سانحات رونما ہوئے، میرے والد گرامی قدر ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۹ء جمعۃ المبارک کو عین وقت جمعہ اللہ کو پیارے ہو گئے، چند ماہ بعد میرے چھوٹے بھائی حاجی ہارون الرشید عباسی ایک ناگہانی حادثے کا شکار ہو کر ۳ مارچ ۲۰۲۰ء کی شب کو خالق حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون

کچھ ان سانحات کی وجہ سے مصروفیات بڑھیں اور کچھ اس طرح ہوا کہ جلد ۱۵ کا مواد جو ۳۰ ویں پارے پر مشتمل تھا اتنا پھیل گیا کہ سمیٹے سمیٹا نہ جاسکا، میری چاہت اور ارادے کے باوجود ۱۵ جلدوں پر تفسیر مکمل نہ ہو سکی، ۱۶ جلدوں پر پھیل گئی، پھر ان میں مضامین کا سلسلہ اس قدر طویل ہو گیا کہ ایک ہزار سے زائد صفحات ہو گئے اس لیے پندرہ کی بجائے جلدیں سولہ ہو گئیں۔

اب آپ کے ہاتھوں میں سورۃ النباء سے سورۃ التین تک کے مضامین پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے، سولہویں جلد میں ان شاء اللہ سورۃ العلق سے سورۃ الناس تک کے مضامین اور تفسیر پیش کی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس فقیرانہ، متواضع کاوش کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول اور منظور فرمائے، آمین

خادم ا ال م، محمود الرشید حامی عفی عنہ

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک سوا بارہ بجے شب

النباء

قیامت

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ{۱}عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ {۲} الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ{۳}كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ {۴} ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ{۵}النبأ.

جواب ترجمہ: یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟ اس زبردست واقعے کے بارے میں، جس میں خود ان کی باتیں مختلف ہیں۔ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔ دوبارہ خبردار! انہیں بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔

جو کفار اور مشرکین قیامت کا انکار کرتے تھے اور انکار کے طور پر ایک دوسرے سے اس بارے میں سوالات کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر حیرانی کا اظہار کیا کرتے تھے ان کے جواب میں اور قیامت کے قائم ہونے کی خبر میں اور اس کے دلائل میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوالات کر رہے ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے کہ یہ قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں ایک دوسرے سے سوالات کرتے ہیں جو بڑا بھاری دن ہے اور نہایت دل دہلا دینے والا امر ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور ابن زید رحمہ اللہ نے اس نباء عظیم (بہت بڑی خبر) سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا مراد لیا ہے۔ مگر حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر ٹھیک بات یہی ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے جیسے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن زید رحمہ اللہ کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

پھر اس آیت الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ جس میں یہ لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اس کے بارے میں مختلف محاذوں پر ہیں ان کا اختلاف یہ تھا کہ مومن تو مانتے تھے کہ قیامت ہو گی لیکن کفار اس کے منکر تھے، پھر ان منکروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے کہ تمہیں عنقریب اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور تم ابھی ابھی معلوم کر لوگے، اس میں سخت ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

صاحب بصیرتِ قرآن لکھتے ہیں قریش مکہ میں سے کچھ لوگ بتوں کو اپنا سفارشی ماننے کے باوجود کسی حد تک اللہ کی ذات اور آخرت کا ایک دھندلا سا تصور رکھتے تھے۔ لیکن عقیدہ کی گندگیوں نے انہیں اور ان کی عقلوں کو اس طرح اپاہج بنا کر رکھ دیا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ ان کے سامنے ان آیات کی تلاوت کرتے جن میں قیامت کے ہولناک دن کا ذکر ہوتا تو وہ نہ صرف ان کا مذاق اڑاتے بلکہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے کہ ہم اور ہماری عقلیں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر چورہ چورہ ہو جائیں گی اور ہمارے جسم کے ذرات کائنات میں بکھر جائیں گے تو ان ذرات کو کون جمع کر کے پھر سے انسان بنا دے گا؟

اور سات آسمان، بلند و بالا پہاڑ، زمین اور اس میں بسنے والی مخلوق، چاند، سورج اور ستارے یہ پورا نظام کائنات کس طرح ختم ہو سکتا ہے؟ ہمیں قیامت کا گمان تو ہے مگر اس پر یقین نہیں آتا، کوئی کہتا کہ اصل میں زندگی تو بس اسی دنیا کی زندگی ہے ہم اسی زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مر کھپ جاتے ہیں، ہمیں جو موت آتی ہے وہ دراصل گردشِ زمانہ کا نتیجہ ہے۔ (بصیرت قرآن)

زمین کی تخلیق

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ (النباء)

جواب ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (زمین میں گڑی ہوئی) میخیں

اور تمہیں (مرد و عورت کے) جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا۔ (سورۃ النباء)

کافر لوگ زندگی کے بعد مرنے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور یہ کچھ وہ اس وجہ سے کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جب انسان کی روح اس کے جسم سے نکل جائے گی، انسان سپر دِ پاتال ہو جائے گا، مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا، ایک مردے کی مٹی دوسرے مردے کی خاک کے ساتھ مل جائے گی، تیز ہواؤں کے جھونکے، تند و تیز آندھیوں اور بگولوں کی طاقت ان ذرات کو کہیں سے کہیں پہنچا دے گی تو یہ کیونکر اور کیسے پتا چلے گا کہ کون سا ذرہ کس کا ہے۔

جب ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی، نشان تک کسی کا نہیں رہے گا تو پھر دوبارہ یہ حشر و نشر کا معاملہ کیسے ہو گا؟ وہ اپنے طور پر یہ سب کچھ سمجھے ہوئے تھے، وہ اللہ کی قدرت پر اس طرح ایمان و ایقان نہیں رکھتے تھے کہ رب العالمین ان ذرات کو، ان ریزوں کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے۔

ان اجسام و اجساد کو ملیامیٹ کرنے اور ان کے ذرات کو اڑانے اور پھر انہیں اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے یکجا کرنے پر بھی قادر ہے، ان آیات میں ان کفار اور مشرکین کے ان خیالات کا جواب دیا گیا ہے۔

کافر اور مشرک اللہ کی قدرت اور طاقت کو شاید کوئی انسانی قوت و طاقت سمجھے ہوئے تھے، حالانکہ انسانی علم و قدرت کمزور اور ناقص ہے، جب کہ اللہ کی قدرت اور علم کامل اور اکمل ہے، زمین کو اس نے اپنی قدرت سے ایک پانی کے بلبلے سے بچھایا، فرش بنایا، اس میں دیو ہیکل اور فلک بوس پہاڑ گاڑ دیے، جو کیلوں اور میخوں کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر فرش زمین پر چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے کے لیے بے شمار مخلوقات پیدا فرمائیں، انسان بھی ان مخلوقات میں سے ایک ہے، پھر اس انسان کی طرح طرح کی ضروریات کو اسی رب نے اپنی قدرت سے پیدا کیا، جب یہ سب کچھ وہ یہاں کر سکتا ہے، بغیر کسی نمونے اور مثال کے ان چیزوں کو وجود دے سکتا ہے تو ایک چیز کو ملیامیٹ کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔

زمین کو بچھانے کے لیے یہاں اللہ نے لفظ مہاد استعمال فرمایا ہے، اہلِ علم و عرفان نے اپنی کتابوں میں اللہ کی قدرت وصناعی کے عجائبات یکجا کیے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الھیئۃ السنیہ میں حضرت حسان بن عطیہ رحمہ اللہ کی روایت نقل فرمائی ہے، جس کی روشنی میں صرف اس اوپر والی زمین نہیں بلکہ اس کے نیچے والی زمینوں کے بھی احوال بیان فرمائے ہیں۔

حضرت حسان بن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

الْأَرْضُ الَّتِي تَحْتَ هَذِهِ فِيهَا حِجَارَةُ أَهْلِ النَّارِ، وَالَّتِي تَلِيهَا الرِّيحُ الْعَقِيمُ، وَالَّتِي تَلِيهَا عَقَارِبُ أَهْلِ النَّارِ وَقِيلَ: وَفِيهَا عَقَارِبُ؟ قَالَ: نَعَمْ كَالْبِغَالِ، أَذْنَابُهَا كَالرِّمَاحِ، وَالَّتِي تَلِيهَا فِيهَا حَيَّاتُ أَهْلِ النَّارِ قِيلَ: وَفِيهَا حَيَّاتٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَمُ إِحْدَاهُنَّ كَالشِّعْبِ الْعَظِيمِ، وَالَّتِي تَحْتَهَا فِيهَا إِبْلِيسُ الْأَبَالِسَةِ

اس زمین سے نیچے والی زمین پر جہنمیوں کے لیے آگ کی چٹانیں ہیں، اس سے نیچے والی زمین پر ریح عقیم یعنی بانجھ ہوا ہے، اس سے نیچے والی زمین پر جہنمیوں کے لیے بچھو ہیں، جن کے اجسام خچروں کی طرح ہیں اور ڈنک نیزوں جیسے ہیں، اس سے نیچے والی زمین پر جہنمیوں کے لیے سانپ اور اژدھے ہیں، ان سانپوں کے منہ بڑی گھاٹی جتنے ہیں، اس سے نیچے والی زمین پر شیطانوں میں سے سب سے بڑا شیطان رہتا ہے۔ (العظمت، مرآۃ الزمان، کنز الدرر، الھیئۃ السنیہ)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے قرآن کریم میں مذکور سجین کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

سِجِّينٌ: صَخْرَةٌ تَحْتَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ فِي جَهَنَّمَ، تُقَلَّبُ فَيُجْعَلُ كِتَابُ الْفَاجِرِ تَحْتَهَا

ساتویں زمین کے نیچے سجین ہے، سجین ایک چٹان ہے اسے الٹا کر اس کے نیچے بدکاروں، گناہگاروں اور نافرمانوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۳ ص ۶۱، تفسیر در منثور ۶ ص ۳۲۵)

حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيدُ، فَخَلَقَ عَلَيْهَا الْجِبَالَ فَأَرْسَاهَا، فَتَعَجَّبَتِ الْمَلَائِكَةُ فَقَالَتْ: يَا رَبِّ، هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ؟ قَالَ: نَعَمْ، الْحَدِيدُ يُكْسَرُ بِهَا الْجِبَالُ. قَالَتْ: يَا رَبِّ، هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْحَدِيدِ؟ قَالَ: نَعَمْ، النَّارُ يُلَيَّنُ بِهَا الْحَدِيدُ. قَالَتْ: يَا رَبِّ، هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: نَعَمْ، الْمَاءُ. قَالَتْ: فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ؟ قَالَ: نَعَمْ، الرِّيحُ. قَالَتْ: يَا رَبِّ، هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الرِّيحِ؟ قَالَ: نَعَمْ، الْإِنْسَانُ يَتَصَدَّقُ بِيَمِينِهِ يَكَادُ أَنْ يُخْفِيَهَا مِنْ يَسَارِهِ

جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھایا تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا، اس پر فرشتوں نے تعجب کا اظہار کیا، پھر کہنے لگے یارب! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ کوئی مضبوط چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا، ہاں، لوہا ہے جس سے پہاڑوں کو توڑا جاتا ہے، فرشتوں نے پوچھا، اے رب! کیا لوہے سے زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا، ہاں، آگ ہے جس کے ذریعے لوہے کو نرمایا جاتا ہے، فرشتوں نے پوچھا اے رب! کیا تیری مخلوق میں آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا، ہاں، پانی ہے، فرشتوں نے پوچھا، اے رب! کیا تیری مخلوق میں پانی سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا، ہاں ہوا ہے، فرشتوں نے پوچھا، اے رب! کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا، ہاں انسان کا وہ صدقہ ہے جسے وہ دائیں ہاتھ سے ادا کرتا ہے اور بائیں سے چھپاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ فَقَالَ: يَا رَبِّ، مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ، فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ: فَارْتَفَعَ بُخَارُ الْمَاءِ فَخَلَقَ مِنْهُ السَّمَاوَاتِ، ثُمَّ خَلَقَ النُّونَ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَرْضُ، فَبَسَطَ الْأَرْضَ مِنْ فَوْقِهِ، فَتَحَرَّكَ

النُّونُ فَمَادَتِ الْأَرْضُ، فَأُثْبِتَتْ بِالْجِبَالِ، فَإِنَّ الْجِبَالَ لَتَفْخَرُ عَلَى الْأَرْضِ بِأَنَّهَا أُثْبِتَتْ بِهَ

اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، قلم سے تقدیر لکھوائی، قلم نے قیامت تک ہونے والے امور اللہ کے حکم سے تحریر کر دیے، اس کے بعد پھر پانی بلند ہوا، اس سے اللہ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا، پھر مچھلی کو پیدا فرمایا جس کی پشت پر زمین قائم ہے، پھر زمین کو بچھایا، مچھلی کی حرکت و جنبش سے زمین حرکت میں آگئی تھی، پھر اللہ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور انہیں زمین میں گاڑ دیا، جب اللہ نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا تو یہ زمین پر فخر کرنے لگے، انہی کی وجہ سے زمین کو ساکن کیا گیا۔ (العظمت لابی الشیخ، تفسیر طبری ۳۴،۱، الاسماء والصفات ص ۴۸، در منثور ۲۴۹،۶)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق وُضِعَ الْبَيْتُ فِي الْمَاءِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَرْكَانٍ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقَ الدُّنْيَا بِأَلْفَيْ سَنَةٍ، ثُمَّ دُحِيَتِ الْأَرْضُ تَحْتَ الْبَيْتِ، زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ شریف کو چار زاویوں کے ساتھ پانی پر رکھا گیا تھا، پھر بیت اللہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا۔ (العظمت)

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں

الْأَرْضُونَ السَّبْعُ عَلَى صَخْرَةٍ، وَالصَّخْرَةُ فِي كَفِّ مَلَكٍ، وَالْمَلَكُ عَلَى جَنَاحِ الْحُوتِ، وَالْحُوتُ فِي الْمَاءِ، وَالْمَاءُ عَلَى الرِّيحِ، وَالرِّيحُ عَلَى الْهَوَاءِ رِيحٌ عَقِيمٌ لَا تُلْقِحُ، وَإِنَّ قُرُونَهَا مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ

ساتوں زمینیں ایک چٹان پر ہیں، چٹان ایک فرشتہ کی ہتھیلی پر ہے، یہ فرشتہ مچھلی کے پر کے اوپر ہے، مچھلی پانی میں ہے، پانی ہوا پر ہے، یہ ہوا بڑی ہوا پر ہے، یہ ایسی ہوا ہے جس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی، اس ہوا کے کنارے عرش سے لگے ہوئے ہیں۔ (العظمت ۱۳۸۴، ۴، در منثور)

پہاڑوں کو قرآن کریم نے اوتاد قرار دیا، اوتاد وتد کی جمع ہے، اس کا معنٰی میخ ہے، یعنی اللہ نے پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین میں گاڑ دیا، پہاڑوں کو گاڑنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ زمین حرکت نہ کرے، پہاڑوں کو میخیں فرمایا گیا، میخ جہاں پیوست کی جاتی ہے اور گاڑی جاتی ہے وہ چیز کو ہلنے اور حرکت نہیں کرنے دیتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا، ازواج، زوج کی جمع ہے جس کا معنٰی ہے جوڑا، اس کے علاوہ بھی زوج کے کئی معانی ہیں۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا، یعنی اصناف بنایا ان میں سے کچھ مذکر ہیں اور کچھ مؤنث ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ازواجاً کا معنٰی رنگ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے اس میں ہر جوڑا داخل ہو جاتا ہے یعنی قبیح، حسین، لمبا اور چھوٹا تاکہ احوال مختلف ہو جائیں تو اعتبار واقع ہو سکے فضیلت والا شکر بجالائے اور جس پر فضیلت حاصل کی گئی وہ صبر کرے۔

زمین کی تخلیق اور قدرت کی کاریگری کا عظیم شاہکار بیان کرتے ہوئے ان منکرین، کافرین اور مشرکین سے کہا جارہا ہے کہ اگر تمہاری نظر اتنی بینا نہیں کہ وسیع زمین اور فلک بوس پہاڑوں میں اس کی حکمت کے جلوؤں کو دیکھ سکو تو آؤ! اپنی ذات میں غور کرو، اس نے تم سب کو مرد ہی پیدا نہیں کیا اور نہ سب کو عورتیں بنایا، تم خود سوچو مرد وزن دونوں کی تخلیق اسی قطرۂ آب سے ہوتی ہے، ایک ہی رحم میں نشوونما پاتے ہیں۔

خوراک بھی دونوں کی یکساں ہے، لیکن کسی کو لڑکا بنادیا اور کسی کو لڑکی، ایک باپ بننے کے قابل ہے، دوسری ماں بننے کے قابل ہے، جسے باپ بننا ہے اس کو تمام ایسے آلات، قوتیں اور صلاحیتیں بخش دی ہیں جس کے باعث وہ باپ بننے کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے، جس کو ماں بننا ہے وہ ماں بننے کی تمام جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔

اگر تمہیں جوڑا جوڑا نہ بنایا جاتا تو افزائش نسل کیسے ہوتی؟ اگر تم جوڑا جوڑا پیدا نہ کیے جاتے تو زندگی کا یہ کٹھن سفر، ہر کیف ورنگ سے محروم ہوتا، جس ذات پاک نے نسل انسانی کو مرد وزن میں تقسیم کر کے ان کی تمام صنفی ضروریات کا اہتمام کیا ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

نیند، لباس، معاش، آسمان، سورج اور بارش

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ سُبَاتاً، لِبَاساً، مَعَاشاً، سَبْعاً شِدَاداً، سِرَاجاً وَهَّاجاً، الْمُعْصِرَاتِ، ثَجَّاجاً کا مفہوم ومطلب کیا ہے؟

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا{۹} وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا{۱۰}وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا{۱۱} وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا{۱۲} وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا{۱۳} وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا{۱۴} النبأ.

جواب ترجمہ: اور تمہاری نیند کو تھکن دور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا۔ اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا۔ اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا۔ اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کیے۔ اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ (سورج) پیدا کیا۔ اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں یہ نیند جب انسان پر طاری ہوتی ہے تو ایک وقت کے لئے اس کی قوت مدرکہ اور قوت عمل کو موقوف کر دیتی ہے، اس وقفے میں انسان ایک ایسی حالت میں چلا جاتا ہے کہ جسے نہ حالت موت کہا جاسکتا ہے اور نہ حالت حیات، اس حالت میں جانے سے انسانی جسم اور اعصاب کی تمام تھکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور وہ تازہ دم ہو کر اور از سر نو پیدا ہو کر زندگی کی جدوجہد اور مشغولیات اپنالیتا ہے۔

حالت نوم کس طرح طاری ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک انسان کس طرح تازہ دم ہو جاتا ہے، اس حقیقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے اور اس کام میں انسانی ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ انسان اس بات کو جانتا ہے۔

اس حقیقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے اور اس کام میں انسانی ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ انسان اس بات کو جانتا ہے کہ یہ تازگی اس کے جسم میں کس طرح سرایت کر جاتی ہے، کیونکہ جب وہ جاگ اٹھتا ہے تو وہ نیند کی حالت کا تصور نہیں کر سکتا اور نیند کی حالت میں بھی اس کی قوت مدرکہ معطل ہوتی ہے۔

یہ ہے ہر زندہ چیز سے متعلق ایک کھلے راز کی بات جسے صرف وہ ذات جانتی ہے جس نے ان زندہ مخلوقات کو پیدا کیا اور انسانی زندگی اور اس کی سرگرمیوں کو سونے اور نیند پر موقوف کیا کیونکہ ہر زندہ مخلوق ایک محدود وقت تک ہی نیند کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے اور اگر اسے مجبوراً دیر تک مصنوعی طریقے سے بیدار رکھا جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

لیکن نیند میں جسمانی اور اعصابی ضروریات کے علاوہ بھی کچھ راز ہیں، یہ روح کے لئے بھی سکون کا ذریعہ ہے، روح کو بھی زندگی کی سخت کشمکش سے ہٹا کر اس کے لئے سکون کا ذریعہ ہے، یوں جس طرح ایک فوجی اسلحہ اتار کر قدرے سستاتا ہے اور امن و سکون کی حالت میں چلا جاتا ہے لیکن نیند کی حالت میں اسے جانا پڑتا ہے، وہ چاہے یا نہ چاہے کیونکہ نیند انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس طرح کھانا پینا، اس کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات نیند کے نتیجے میں ایسی تبدیلی آتی ہے جو معجزات سے کم نہیں ہوتی، انسان روحانی تھکاوٹ میں مبتلا ہوتا ہے، اعصاب چور چور ہوتے ہیں، روح متزلزل ہوتی ہے، اور دل پریشانی سے بھرا ہوتا ہے، اچانک ایک اونگھ سی طاری ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ اونگھ چند لمحات سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن ایک فرد کے جسم اور روح پر تازگی طاری ہو جاتی ہے اور اس کی حالت میں ایک انقلاب

آجاتا ہے اور چند لمحات کے اندر انسان اپنے آپ کو تر و تازہ بلکہ ایک نیا انسان محسوس کرتا ہے، غزوہ بدر اور غزوہ احد میں تھکے ہارے مسلمانوں پر اللہ نے ایسی ہی اونگھ طاری کر دی تھی جسے نعاس امنہ کہا گیا۔ (فی ظلال القرآن) إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ (الانفال ۱۱) اس وقت کو یاد کرو جب تمہیں ایک ایسی اونگھ نے ڈھانپ لیا، سکون طاری کرنے کے لئے صرف اللہ کی طرف سے۔

اور سورۃ آل عمران میں، ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا (آل عمران ۱۵۴) اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے اور بعض اوقات بعض دوسرے لوگوں پر بھی ایسے حالات طاری کر دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

یہ سبات یعنی زندگی کی سرگرمیوں اور عقل وروح کی تمام سرگرمیوں سے رک جانا، ہر زندہ مخلوق کی ضرورت ہے اور دستِ قدرت اور خالق کائنات کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور ایک ایسی نعمت ہے جو خالص اللہ کی داد دہش اور عطا اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم انسان کے عقل وادراک کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اے انسان ذرا اپنے ذاتی خواص پر بھی غور کرو، اور جس دستِ قدرت نے یہ خواص رکھے ہیں اس پر بھی قدرے تامل اور تدبر کرو اور اس کی معرفت حاصل کرو۔

اور ذاتِ باری کی قدرتوں میں سے ایک اہم قدرت اور تدبیر یہ ہے کہ اس نے اس کائنات کی حرکت کو بھی مخلوق کی حرکت کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے، جس طرح انسان کے اندر نیند رکھ کر اسے سکون دیا گیا ہے کہ زندگی کی کشمکش کے بعد وہ قدرے سکون میں رہے، تو کائنات کے اندر اللہ نے رات کا ماحول پیدا کر کے انسان کے لئے نیند اور سکون کا ساز گار ماحول پیدا کر دیا ہے۔

یوں اللہ کی مخلوق کے اندر باہم ساز گار ماحول پیدا ہوا اور یہ پوری دنیا زندہ مخلوقات کا ایک خاندان بن گئی، زندہ اشیاء کی یہ فیملی ان خصائص کے مطالبات پر لبیک کہتی ہے، جو اس کائنات کے

اندر رکھ دیئے گئے ہیں اور ان زندہ مخلوقات کی تمام اقسام کے اندر ایسی حرکت اور ایسی ضروریات رکھ دی گئی ہیں جو بعینہ اس پوری کائنات کے اندر رکھی گئی ہیں اور یہ تمام امور دستِ قدرت نے سرانجام دیئے ہیں اور یوں اس کائنات اور اس پوری زندہ مخلوق کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور موافقت پیدا کر دی گئی ہے۔(فی ظلال القرآن)

سُبَاتاً: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے اَجسام واَجساد کی راحت وآرام کے لیے نیند کو ذریعہ بنایا، تاکہ تم پر سکون ہو سکو۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی سے **یَومَ السَّبتِ** ہے جس کا معنٰی آرام کا دن ہے یعنی بنی اسرائیل کو کہا گیا اس روز آرام کرو اس میں کوئی کام نہ کرو، ابن انباری نے اس کا انکار کیا اور کہا، راحت کو سبات نہیں کہا جاتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا اصل معنی لمبا کرنا ہوتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے، **سَبَتَتِ المَرأَۃُ شَعرَھا** جب عورت اپنے بالوں کو لمبا کرے۔ السبات لمبا کرنا ہے، **رَجُلٌ مَّسبُوتُ الخَلق**، لمبا آدمی، جب کوئی آدمی آرام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ لمبا ہو جاتا ہے تو آرام کو سبت کہہ دیتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے، اس کا اصل معنی کاٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے، **سَبَتَ شَعرَہُ سَبتًا**۔ اس نے اپنے بالوں کا حلق کرایا گویا جب وہ سو جاتا ہے تو وہ لوگوں اور مصروفیات سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے، سبات موت کے مشابہ ہے مگر اس میں روح جسم سے الگ نہیں ہوتی۔(تفسیر قرطبی)

لِبَاساً: رات کو تمہارے لئے لباس بنایا، رات کے لباس ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح لباس آدمی کو اپنے اندر چھپا لیتا اور سکون اطمینان بخشتا ہے اسی طرح شب کی چادر بھی اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے جس سے وہ خلل انداز ہونے والی چیزوں سے محفوظ ہو کر سکون حاصل کرتا اور از سر نو میدان عمل میں اترنے کے لئے صلاحیت بہم پہنچاتا ہے۔(تدبر قرآن)

مَعَاشاً: رات کے برعکس جب دن ہوتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے، ہر چیز نظر آنے لگتی ہے، ہر سو روشنی پھیل جاتی ہے، زندگی کی رکی ہوئی گاڑی پھر حرکت کرنے لگتی ہے، بازار کھل جاتے ہیں، منڈیوں میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے، کاشت کار اپنی زمینوں میں ہل جوتتے ہیں، غرضیکہ سورج طلوع ہوتے ہی کسب معاش کے لیے جدوجہد اور تگ ودو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ (مظہری)

سَبْعاً شِدَاداً: اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط یعنی آسمان بنائے جن پر گردش زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سِرَاجاً وَّهَّاجاً: سراج سے مراد سورج ہے، اس کو وھاج کی صفت سے موصوف کیا، وھّاج کا معنٰی روشن ہے جعل فعل یہاں پیدا کرنے کے معنٰی میں ہے کیونکہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے وَھّاج، اسے کہتے ہیں جس میں وھج (روشنی) پائی جائے اس کا باب یوں ہے، وھج، یھج وھجا وو ھجانا، جوہر جب چمک رہا ہو تو اسے توھج کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا، وھاجا یعنی روشن چمکنے والا۔

الْمُعْصِرَاتِ: معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور بارش برستی ہے، معصرات ان بادلوں کو بھی کہتے ہیں جو بارش کے پانی سے لدے پھندے ہوتے اور ابھی انہوں نے برسنا شروع نہیں کیا ہوتا۔

مُعصِرَات، مُعصِرَۃٌ کی جمع ہے جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنٰی کے لئے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ معارف القرآن)

اس کے برعکس علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ علامہ خرائطی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت **وَأَنْزَلْنَا مِنَ**

الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ ایک بادل کو بھیجتے ہیں وہ آسمان سے پانی لیتا ہے، پھر وہ بادل اس پانی کو لے کر چل پڑتا ہے اور وہ ایسے برستا ہے جیسے دودھ دینے والی اونٹنی اپنا دودھ بہادیتی ہے۔(تفسیر در منثور)

ثَجَّاجاً: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلثَّجَاجُ سے مراد ہے آسمان اتنی کثرت سے پانی بہاتا ہے جیسے مشکیزوں کے منہ کھول دیئے گئے پھر ہوائیں اس کو پھیر دیتی ہیں تو وہ متفرق مقام پر پانی برساتا ہے۔(تفسیر در منثور)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ سے مراد ہیں بادل آیت مَاءً ثَجَّاجًا سے مراد ہے پانی جو اوپر سے گرایا جائے، یا اس سے مراد ہے کثیر پانی۔(عبد بن حمید، ابن جریر، تفسیر در منثور)

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ سے مراد آسمان سے نازل فرمایا، مَاءً ثَجَّاجًا سے مراد ہے ایسا پانی جو کثرت سے گرایا جائے۔(عبد بن حمید)

پانی آسمان سے گرایا جاتا ہے، آسمان کے دہانے کھولے جاتے ہیں، فرشتے ایک قطرہ سے ہر سمت جل تھل مچادیتے ہیں یا سمندروں سے بخارات اٹھا کر بادل بنائے جاتے ہیں اور پھر بادلوں سے بارش برسائی جاتی ہے، ان ساری باتوں کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر ایک بات یقینی ہے کہ ان ساری باتوں میں اللہ ہی کی قدرت کا اظہار مقصود ہے۔

سید قطب رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی یعنی قوانینِ قدرت سے ان بادلوں کو نچوڑتے ہیں اور ان کا پانی زمین پر گرتا ہے، یہ پانی کس طرح نچوڑا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ہواؤں کے ذریعہ بادلوں سے پانی نچوڑا جاتا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بادلوں کے باہم ٹکرانے سے بجلی کی پیدائش کے عمل سے پانی نکل آتا ہو، لیکن ان تمام اسباب کے پیچھے کوئی تو مسبب الاسباب ہے جو ان تمام اسباب اور اثرات ڈالنے والی چیزوں کا خالق ہے، اس سورج کو چراغ اس لئے

کہا گیا ہے کہ اس میں جلنے کا عمل اور روشنی ہوتی ہے اور یہی کام سورج کے اندر ہو رہا ہے کہ اس میں جلنے کا عمل اور روشنی بکھیرنے کا عمل ہو رہا ہے، لہٰذا سورج اور چراغ پوری طرح ایک ہی عمل کر رہے ہیں۔ (فی ظلال القرآن)

علامہ ابو الشیخ اصفہانی رحمۃ اللہ اپنی کتاب العظمت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ السَّمَاءِ كَفًّا مِنْ مَاءٍ إِلَّا بِمِكْيَالٍ، وَلَا سَفَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ كَفًّا مِنْ رِيحٍ إِلَّا بِوَزْنٍ وَمِكْيَالٍ. (العظمت)

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک ہتھیلی بھر پانی بھی اتارا تو پیمائش کے ساتھ اتارا، ایک ہتھیلی بھر ہوا بھی چلائی تو وہ وزن اور پیمائش کے ساتھ روانہ کی۔

مگر جب نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی کا عذاب آیا تو اس دن پانی اللہ کے امر وارادے سے اس قدر سرکش ہو گیا تھا کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا، پانی ہی پانی ہر طرف دکھائی دیتا تھا، سب کچھ اس میں تباہ و برباد ہو گیا تھا، صرف چند وہ لوگ بچے تھے جنہیں رب بچانا چاہتے تھے وہ اہل ایمان لوگ تھے۔

بارش اور سورج کی حِدَّت کا فائدہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا {۱۵} وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا {۱۶} (النباء)

جواب تاکہ اس سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اگائیں اور گھنے باغات بھی۔

بارش اور اس گرمی ہی سے اس کرہ ارض پر ہر قسم کے نباتات پیدا ہوتے ہیں اور ان نباتات سے وہ تمام نباتات پیدا ہوتے جن کو انسان استعمال کرتے ہیں اور وہ تمام گھنے باغات پیدا ہوتے ہیں، الفاف سے مراد وہ گھنے درخت جو ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے ہوئے ہوں اور ایک درخت کی ٹہنی دوسرے میں گھسی ہوئی ہو۔

اس کائنات کی تخلیق میں یہ اہم آہنگی، اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پیچھے ایک حکیمانہ ہاتھ کام کر رہا ہے، نہایت حکمت کے ساتھ اس کی ہر چیز اندازے کے ساتھ بنائی گئی ہے اور یہی ارادہ اس کو چلا رہا ہے اور اس حقیقت کو ہر انسان پاتا ہے، اگر وہ اپنی عقل اور اپنے شعور کو اس طرف متوجہ کرے لیکن دور جدید میں جب انسان نے علم و معرفت میں ترقی کر لی، تو اس نے معلوم کیا کہ اس کائنات کی تخلیق میں کیا کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں اور اس کی ہر ہر چیز کس طرح ایک فارمولے کے مطابق بنائی گئی ہے۔

یہ فارمولے اس قدر عجیب اور حیران کن ہیں کہ ان کو دیکھ کر عقل چکرانے لگتی ہے اور علم و معرفت رکھنے والا جدید انسان اور سائنس دان اس بات کو احمقانہ تصور کرتا ہے کہ یہ کائنات یونہی بخت واتفاق سے پیدا ہو گئی ہے اور جو لوگ اس کائنات کے کسی مدبر اور خالق کو تسلیم کرنے سے فرار اختیار کرتے ہیں، وہ لوگ دراصل محض ہٹ دھرمی اور ضد میں مبتلا ہیں اور ان کے اس رویے کو اب احترام کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور اس کائنات کے پیچھے ایک قوت مدبرہ کام کر رہی ہے جس نے ہر چیز کو نہایت ہی حساس سکیل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور کائنات کی تمام قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ اور پیوست ہیں اور قرآن کریم نے اس آیت میں اسی تنظیم، ہم آہنگی اور تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کو گہوارہ بنایا ہے اور پہاڑوں کو میخوں کی شکل دی ہے اور لوگوں کو جوڑے جوڑے بنایا، نیند کو باعث سکون بنایا اور رات کو سب کے لئے چھپنے اور آرام کرنے کا ذریعہ بنایا اور سورج کے ذریعہ گرمی اور روشنی کا انتظام کیا اور ہواؤں اور بادلوں کے ذریعہ بارشوں کا انتظام کیا، جن کے نتیجے میں سبزیاں، حیوانات اور پھل نکالے گئے۔

یہ تمام حقائق جس انداز سے بیان کیے گئے ہیں، سائنسی زاویہ سے بھی یہ باہم متوافق اور ہم آہنگ ہیں اور ان کے اندر گہرا تعلق سبب اور مسبب کا ہے اور یہ تعلق ہی بتاتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ایسا خالق ہے جو اس کے نظام کو نہایت ہی خوبصورتی اور حکمت سے ملا رہا ہے اور وہ حکیم و قدیر ہے۔

ان سائنسی اور مشاہداتی حقائق کو اگر کھلی آنکھوں سے پڑھا جائے تو اس سے انسان کو حکمت و دانش کا ایک بہت بڑا پیغام ملتا ہے اور اس کے بعد پھر وہ ایک عظیم پیغام پاتا ہے اور اس کی یہ شہ سرخی لگتی ہے کہ ایک فیصلے کا دن آنے والا ہے۔(فی ظلال القرآن)

فیصلے کے دن گروہوں کی آمد

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا{۱۷} یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا{۱۸} النباء

جواب ترجمہ: یقین جانو فیصلے کا دن ایک متعین وقت ہے۔ وہ دن جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے۔

یَوۡمَ الۡفَصۡلِ: فیصلہ کا دن وہ ہو گا جس میں نیک کو بد سے بالکلیہ الگ کر دیا جائے کہ کسی قسم کا اشتراک و اجتماع باقی نہ رہے ہر نیکی اپنے معدن میں اور ہر بدی اپنے مرکز پر جا پہنچے، ظاہر ہے کہ ایسا کامل امتیاز وافتراق اس دنیا میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں رہتے ہوئے زمین، آسمان، چاند، سورج، رات دن، سونا جاگنا، بارش، بادل، باغ، کھیت اور بیوی بچے تمام نیکوں اور بدوں میں مشترک ہیں ہر کافر اور مسلم ان سامانوں سے یکساں منتفع ہوتا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ "یوم الفصل" ایک دن موجودہ نظام عالم کے ختم کئے جانے کے بعد ہو، اس کا تعین اللہ کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے۔(عثمانی)

مِیۡقَاتًا: میقات کا معنی وقت جمع ہونے کی جگہ اور اولین وآخرین کے وعدہ کی جگہ ہے۔(قرطبی)

یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ: نفخ صور دو مرتبہ ہو گا پہلے نفخہ سے سارا عالم فنا ہو جائے گا دوسرے نفخہ سے پھر زندہ و قائم ہو جائیگا، اس دوسرے نفخہ کے وقت سارے عالم کے اگلے پچھلے انسان اپنے رب کے سامنے فوج در فوج ہو کر حاضر ہوں گے۔

فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے روز تین فوجوں میں تقسیم ہوں گے، ایک فوج ان لوگوں کی ہو گی جو پیٹ بھرے ہوئے

لباس پہنے ہوئے سواریوں پر سوار میدان حشر میں آئیں گے، دوسری فوج پیادہ لوگوں کی ہوگی جو چل کر میدان میں آئیں گے، تیسری فوج ان لوگوں کی ہوگی جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر میدان حشر میں لایا جائے گا (مظہری بروایت نسائی وحاکم وبیہقی)

بعض روایات میں افواج کی تشریح دس قسم کی افواج سے کی گئی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرین محشر کی بیشمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال وکردار کے اعتبار سے ہوں گی، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہوسکتے ہیں۔ (معارف القرآن)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے اس قول **يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا** کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اے معاذ! تو نے بڑے معاملے کے بارے میں سوال کیا، پھر آپ نے اپنی آنکھوں کو جھکا دیا اور فرمایا دس قسمیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ کر دیا اور ان کی صورتوں کو بدل دیں گے۔

ان کے بعض بندر کی صورت میں اور بعض کو سؤر کی صورت میں اور بعض کی ٹانگیں ان کے کندھوں پر ہوں گی اور ان کے چہرے نیچے ہوں گے جن پر وہ اپنے آپ کو گھسیٹ رہے ہوں گے اور ان کے بعض اندھے ہوں گے جو لڑکھڑاتے رہیں گے اور ان میں سے بعض بہرے اور گونگے ہوں گے جو نہ سمجھتے ہوں گے اور ان کے بعض اپنی زبانوں کو کاٹ رہے ہوں گے اور وہ ان کے سینوں پر لٹکی ہوں گی، ان کے مونہوں سے لعاب کی حالت میں پیپ بہتی ہوگی اہل جمع ان کو غلیظ جانیں گے اور ان سے نفرت کریں گے۔

اور ان کے بعض کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں والے ہوں گے اور ان کے بعض کو آگ کے تنوں پر سولی دی جائے گی اور ان کے بعض کی بدبو مردار سے بھی زیادہ نفرت آمیز ہوگی اور ان کے بعض تارکول کے جبے پہنے ہوں گے جو ان کے سارے جسم کو ڈھانپے ہوں گے اور ان پر چمٹے ہوں گے،

وہ لوگ جو بندر کی صورت پر ہوں گے تو وہ لوگوں میں سے چغلخوری کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو سؤر کی صورت پر ہوں گے وہ حرام کھانے والے ہیں اور جو اپنے چہروں پر گھسیٹنے والے سود کھانے والے ہوں گے۔

اور اندھے وہ ہوں گے جو اپنے فیصلہ میں ظلم کرتے تھے اور بہرے اور گونگے وہ ہوں گے جو اپنے عمل پر اتراتے اور فخر کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی زبانوں کو چبا رہے ہوں گے، وہ ایسے علماء اور قضاۃ ہیں جن کے اعمال ان کے قول کے مخالف ہیں اور جن کے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے جو پڑوسی کو تکلیف دیتے ہیں۔

اور آگ کے تنوں پر سولی دیئے جانے والے وہ ہیں جو بادشاہ اور حاکم کے پاس لوگوں کی شکایات کر کے ان کو پیش کرتے رہتے ہیں اور وہ لوگ جن کی بدبو مردار سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہوگی وہ ایسے لوگ ہیں جو دنیا میں شہوتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور اللہ کے حق کو اور غریبوں کے حق کو روک لیتے ہیں اپنے مالوں میں سے اور وہ لوگ جو تارکول کے جبے پہنے ہوں گے وہ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے لوگ ہیں۔ (در منثور ج۸ ص۳۹۳)

آسمانوں کا کھلنا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے نیز یہ بتایئے کہ آسمان کے دروازے کیوں کھولے جائیں گے؟

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا {۱۹} وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا {۲۰} النبأ.

جواب اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس کے دروازے ہی دروازے بن جائیں گے۔ اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کر لیں گے۔

فرشتوں کے نازل ہونے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا اور وہ دروازے دروازے ہو جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا

(الفرقان: ۲۵) جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگاتار اتارا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دروازوں کی مثل ہو جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ دروازوں سے مراد آسمان کے راستے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آسمان بکھر جائے گا اور اس میں درازے بن جائیں گے، ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے، اور جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، آسمان کے دروازوں کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے،

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا (قرطبی، بخاری)

پھر ہم کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں جبریل ہوں، کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! ان کو بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

سورۃ الاعراف میں آسمانی دروازوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے درازے نہیں کھولے جائیں گے۔ (سورۃ الاعراف ۴۰)

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ: بروز محشر پہاڑوں کے چھ احوال ہوں گے، اس مقام پر سراب کا لفظ ہے، سخت گرمی کی حدت میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے ریگستان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور دور سے ایسا لگتا ہے کہ یہ پانی ہے اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے

اسے سراب کہا جاتا ہے کیونکہ اس چمکتی ہوئی ریت پر نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے، اس لیے دھوکے اور فریب کے لیے سراب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہاں سیرت کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو بیخ و بن سے، جڑ سے اکھاڑ دینا یا کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

قرآن کریم میں پہاڑوں کے مختلف احوال کا مختلف مقامات پر ذکر آیا ہے

① پہلا حال یہ ہے کہ پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً (الحاقه : ۱۴) اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

② دوسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۔ (القارعه: ۵) اور دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

③ تیسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵) فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا (۶) الواقعه اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے

④ چوتھا حال یہ ہے کہ پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پڑے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا۔ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۔ (طٰہٰ: ۱۰۵) وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، سو آپ کہیے کہ میرا رب ان کو دھنک ڈالے گا (یعنی ریزہ ریزہ کرے کے اڑا دے گا)۔

⑤ پانچواں حال یہ ہے کہ جس طرح کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اڑائیں گی اور وہ شعاعوں میں باریک ذرات کے منتشر غبار کی طرح دکھائی دیں گے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً (الکھف: ۴۷) اور جس دن ہم پہاڑوں

کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل : ۸۸) اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

⑥ پہاڑوں کا چھٹا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہو جائیں گے اور حقیقت میں لاشے اور معدوم ہو جائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ (النبا : ۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔ (تبیان القرآن)

رب قادر، قدیر اور مقتدر کی قدرتِ جلیلہ کا عظیم شاہکار یہ تھا کہ اس نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑ کر اسے استحکام بخشا تھا، پہاڑوں کی وجہ سے زمین حرکت نہیں کرتی تھی، یہ سب رب تعالیٰ کے حکم وارادے سے تھا، جب میدان محشر بپا ہو گا تو اس وقت بھی قادر، قدیر اور مقتدر ذات اپنی قدرت کی جھلک علی رؤس الاشہاد دکھائے گی، پہاڑوں کو ہلائے گی، چلائے گی، ریزہ ریزہ کر کے اڑائے گی، صرف پہاڑ ہی نہیں بلکہ پوری زمین کو اپنی مٹھی میں رکھ کر وہ حرکت دے گا اور اپنی شہنشاہی کا اقرار کروائے گی اور یہی وہ دن ہو گا جب ہر کوئی بلا اختلاف ونزاع اس کی بادشاہی اور شہنشاہی کا اقرار کرے گا۔

جہنم کی ہولناکیاں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا {۲۱} لِّلطَّاغِينَ مَآبًا {۲۲} لَّابِثِينَ فِيهَآ أَحْقَابًا {۲۳} لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا {۲۴} إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا {۲۵} جَزَآءً وِّفَاقًا {۲۶} إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا {۲۷} وَّكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا {۲۸} وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا {۲۹} فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا {۳۰} النبأ.

جواب ترجمہ: یقین جانو جہنم گھات لگائے بیٹھی ہے۔ وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ جس میں وہ مدتوں اس طرح رہیں گے۔ کہ اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، اور نہ کسی پینے کے قابل چیز کا ہے۔ سوائے گرم پانی اور پیپ لہو کے۔ یہ ان کا پورا پورا بدلہ ہو گا۔ وہ (اپنے اعمال کے) حساب کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو بڑھ چڑھ کر جھٹلایا تھا۔ اور ہم نے ہر ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ اب مزہ چکھو! اس لئے کہ ہم تمہارے لیے سزا کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے۔

رحمت اور عذاب کے فرشتے دوزخ کے پل پر یہاں سے گزرنے والوں کی تاک میں رہیں گے، عذاب والے فرشتے کفار کی تاک میں رہیں گے انہیں گرفتار کر کے جہنم میں پھینک دیں گے جہاں ہولناک عذاب ان کے حصے بخرے کر دے گا، جب کہ رحمت کے فرشتے اہل ایمان کی تاک میں ہوں گے تاکہ انہیں جہنم کی شعلہ زن آگ کی تپش سے اور اس پل پر جسے پلصراط بھی کہا جاتا ہے کے دونوں اطراف میں لگے ہوئے آنکڑوں سے محفوظ کر سکیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کے اوپر سے سب لوگ گزریں گے، جیسا کہ ارشاد ہے وان منکم الاواردھا، جب کافر لوگ اس پل کے اوپر سے گزریں گے جو جہنم کے اوپر رکھا گیا ہے جس کو بال سے باریک اور تلوار سے تیز کہا گیا ہے، اس پل پر دوزخ والوں کی گھات اور تاک میں موجود عذاب کے فرشتے ایسی باریک بینی سے ان پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے کہ کوئی کافر ان سے بچ کر نہ نکل جائے، کیونکہ مرصاد میں مبالغے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، جس کا معنیٰ بڑی کوشش کرنے والا تاکہ ان سے کوئی بھی کافر کنی کترا کر نہ نکل جائے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب البعث والنشور میں پل صراط بارے ایک روایت لائے ہیں، جس میں بتایا گیا ہے کہ وَيَضْرِبُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الصِّرَاطَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ كَقَدْرِ أَوْ كَعَقْدِ الشَّعْرِ، أَوْ كَحَدِّ السَّيْفِ، عَلَيْهِ كَلَالِيبُ، وَخَطَاطِيفُ، وَحَسَكٌ كَحَسَكِ السَّعْدَانِ، دُونَهُ جِسْرٌ دَحْضٌ مَزِلَّةٌ، جہنم کی کمر پر بال برابر یا تلوار کی دھار برابر پل صراط نصب کی جائے گی

جسے لوہے کے کنڈے، اچک لینے والے کنڈے اور سعدان (کانٹے دار بوٹی جسے اونٹ کھاتے ہیں) کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے اس کے نیچے پھسلن والا پل ہو گا۔ (البعث والنشور)

مستدرک حاکم میں پلصراط سے متعلق نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

وَالصِّرَاطُ كَحَدِّ السَّيْفِ دَحْضٌ مَزِلَّةٌ فَيُقَالُ: انْجُوا عَلَى قَدْرِ نُورِكُمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَانْقِضَاضِ الْكَوْكَبِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَالطَّرْفِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَالرِّيحِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَشَدِّ الرَّجُلِ، وَيَرْمُلُ رَمَلًا، فَيَمُرُّونَ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ حَتَّى يَمُرَّ الَّذِي نُورُهُ عَلَى إِبْهَامِ قَدَمِهِ قَالَ: يَجُرُّ يَدًا وَيُعَلِّقُ يَدًا وَيَجُرُّ رِجْلًا وَيُعَلِّقُ رِجْلًا وَتَضْرِبُ جَوَانِبَهُ النَّارُ. (حاکم)

پلصراط تلوار کی دھار کی مانند تیز اور بہت زیادہ پھسلانے والی ہو گی، پھر (فرشتوں کی طرف سے) کہا جائے گا کہ اپنی اپنی روشنی کے موافق نجات حاصل کرو، ان گزرنے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو شہابیے کے ختم ہونے کی مانند، کچھ پلک جھپکنے کی مانند، کچھ تیز ہوا کی مانند، کچھ تیز رفتار آدمیوں کے دوڑنے کی طرح، اپنے اپنے نیک اعمال کے حساب سے گزریں گے، یہاں تک کہ ایک وہ شخص جس کا نور اس کے قدم کے انگوٹھے جتنا ہو گا وہ بھی ایک ہاتھ سے گرتا ہوا اور ایک سے لٹکتا ہو گا، ایک آدمی کھنچتا ہو گا اور ایک آدمی لٹکتا ہو گا اس کے پہلو کو آگ چھوتی ہو گی۔

یہ سخت ترین موقع ہو گا، پلصراط کو تلوار کی دھار سے زیادہ تیز کر دیا جائے گا اور اسے نہایت ہی گرم کیا جائے گا، انگارے سے بھی زیادہ شدید گرم، اہلِ ایمان اس کے اوپر سے بلا تکلیف واذیت گزر جائیں گے، جب کہ منافقین کا اس کے اوپر سے

گزرنا سخت مشکل ہو جائے گا، جب یہ پل صراط کے درمیان میں پہنچیں گے تو اپنے قدموں سے پھسل جائیں گے اپنے ہی ہاتھوں سے قدموں کے بل گر جائیں گے، جس طرح ننگے اور برہنہ قدموں سے چلنے والے شخص کو چلنے کے دوران کانٹا چبھ جائے تو وہ فوراً سے بیٹھ کر پاؤں سے کانٹا نکالنے کی

کوشش کرتا ہے، منافقین اپنے ہاتھوں اور سر کو اپنے قدموں کی طرف جھکائیں گے تو جہنم کے داروغے لوہے کی سلاخوں سے ان کے سر اور قدموں کو پیٹیں گے اور انہیں جہنم میں پھینک دیں گے، یہ لوگ پچاس ہزار سال کی مسافت تک اس میں گرتے جائیں گے، جہنم میں گرنے والے ان بدبختوں کا وزن اس وقت دس موٹی تازی گابھن اونٹنیوں جتنا ہو گا، یہ وہ ہولناک دن ہو گا جس دن مجرم اپنی نشانیوں اور علامتوں سے پہچانے جائیں گے اور انہیں سروں اور ٹانگوں سے پکڑا جائے گا۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت کے مطابق پل صراط کی ہولناکی کا عالم یہ ہو گا کہ فرشتے بھی پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ! ہم نے تیری بندگی کا اس طرح حق ادا نہیں کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا اس لیے ہماری کوتاہیوں پر مواخذہ نہ فرمایئے۔

بیہقی کی روایت میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو پل صراط پار کروائیں گے، جبریل میری کمر پکڑے ہوں گے، جب کہ میری زبان پر یہ الفاظ ہوں گے کہ اے اللہ! سلامتی فرمایئے، اے اللہ! سلامتی فرمایئے، یہ وہ دن ہو گا جس دن بہت سے مرد پھسلنے والے ہوں گے اور بہت سی عورتیں پھسلنے والی ہوں گی۔ (بیہقی)

ایک روایت میں ہے کہ اس دن پھسلنے والے مرد اور پھسلنے والی عورتیں بہت ہوں گی، پلصراط کی دونوں جانب فرشتے کھڑے ہوں گے جو پکار رہے ہوں گے اے اللہ! سلامتی فرمایئے، اے اللہ! سلامتی فرمایئے، جو آدمی حق کے ساتھ آیا ہو گا وہ پلصراط سے پار ہو جائے گا، یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال کی بقدر نور عطا کیے جائیں گے، پھر کوئی اس پر سے بجلی کی طرح، کوئی ہوا کی طرح، کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزر جائے گا اور کسی کے لیے اس کے اوپر سے گزرنا مشکل ہو جائے گا۔

بیہقی کی ایک روایت میں پلصراط کی دونوں جانب لگائے جانے والے کونڈوں اور کانٹوں کا ذکر موجود ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے لوگوں سے زیادہ لوگوں کو پلصراط کا ایک ہی کونڈا پکڑ لے گا۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر ارشاد فرمائیں گے جو جس کی عبادت کرتا تھا اسی کے ساتھ منسلک ہو جائے، پھر سورج کی پوجا کرنے والے سورج سے، چاند کی پوجا کرنے والے چاند سے، اللہ کے علاوہ طاغوت کی پوجا کرنے والے طاغوت کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے، اس کے بعد یہ امت باقی رہ جائے گی، جس میں منافق بھی چھپے ہوں گے، لیکن منافقین پلصراط سے گزرتے ہوئے جہنم میں گر جائیں گے، پلصراط کے اوپر سے سب سے پہلے میں اور میری امت گزرے گی۔

مشہور محدث حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب التخویف من النار والتعریف بحال دارالبوار میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اہلِ ایمان جو صرف اللہ کی بندگی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، دوسرے وہ مشرک لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ اللہ کی مخلوق کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں، پس یہ مشرک پلصراط پر سے نہیں گزریں گے بلکہ پلصراط کے نصب ہونے سے پہلے ہی انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

لِلطَّاغِينَ مَآبًا: طاغین طاغی کی جمع ہے طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سرکشی اور طاغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر جائے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایمان سے نکل جائے اس لیے طاغین سے مراد اس جگہ کفار ہوں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ بدعقیدہ گمراہ مسلمانوں کے فرقے ہوں جو قرآن و سنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ صراحۃً کفر اختیار نہیں کیا، جیسے روافض خوارج معتزلہ وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا: لابثین، لابث کی جمع ہے جس کے معنیٰ ٹھہرنے والے اور قیام کرنے والے کے ہیں، لفظ احقاب حقب کی جمع ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر غیر محدود زمانہ سے کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک حقبہ اسّی (۸۰) سال کی مدت کا نام ہے اور ساتھ ہی سلف

سے یہ بھی منقول ہے کہ ان اسّی سالوں کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہو گا بہر حال نص قرآنی سے یہ ثابت ہوا کہ اہلِ کفر کو دوزخ میں بقدرِ مدت احقاب رہنا ہو گا۔

چونکہ احقاب کی گنتی نہیں بتائی کہ کتنے احقاب ہوں گے اور سورۂ نساء اور سورۃ الجن میں اہلِ کفر کی سزا بیان کرتے ہوئے خالدین کے ساتھ ابداً بھی فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیات میں اہل جنت کے لیے بھی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وارد ہوا ہے اس لیے اہلِ سنت والجماعت کی عقائد کی کتابوں میں یہی عقیدہ لکھا ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جو کفار اور مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ اہل جنت کا انعام ختم ہو گا نہ اہل دوزخ کا عذاب، اسی لیے مفسرین نے فرمایا ہے کہ احقاباً کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہمیشہ ایک حقبہ ختم ہو گا تو دوسرا شروع ہو جائے گا اور مسلسل عذاب دائمی میں رہیں گے جو کبھی منقطع نہ ہو گا۔ (تفسیر انوار البیان)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک احقاب رہیں گے وہ آگ میں ہی رہیں گے اور احقاب ختم نہ ہوں گے، جب ایک حقب ختم ہو گا تو دوسرا شروع ہو جائے گا حقب سے مراد زمانہ ہے اور احقاب سے مراد کئی زمانے ہیں (تفسیر قرطبی)

ابن کیسان رحمہ اللہ نے کہا: لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا کا معنیٰ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں گویا ابداً کا لفظ استعمال کیا ہے، ابن زید اور مقاتل نے کہا، یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان، فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔ النبا) چکھو ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے یعنی عدد ختم ہو چکا اور خلود حاصل ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ تعبیر بعید ہے کیونکہ وہ خبر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف ۴۰) وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، جس طرح پہلے گزرا ہے یہ کفار کے حق میں ہے جہاں تک نافرمان موحدوں کا معاملہ ہے تو یہ صحیح ہے تو نسخ، تخصیص کے معنیٰ میں ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (قرطبی)

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا: دوزخی دوزخ میں شدت کا عذاب بھگتیں گے، سخت ترین شدت کی گرمی میں پڑے ہوں گے، اس شدت کی گرمی میں انہیں اتنی بھی راحت کا سامان میسر نہیں آئے گا جتنا کہ سخت ترین گرمی میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے راحت ملتی ہے، انہیں ایسا سایہ بھی نہیں ملے گا جو انہیں جہنم کی آگ سے بچا سکے، انہیں ایسا پانی بھی نہیں ملے گا جو ان کی شدت کی پیاس میں ان کے لیے باعث راحت و تسکین ہو اور ان کی اندرونی گرمی کی حدت کو ختم کر سکے، یہ لوگ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے محروم ہوں گے، ٹھنڈے پانی سے محروم ہوں گے۔

إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا: دوزخیوں کو دوزخ میں بہت ہی گرم پانی ملے گا جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آپڑیں گی، ترمذی شریف کی روایت کے مطابق لوہے کی چمٹیوں سے پکڑ کر سخت گرم پانی ان کو پیش کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے منہ کے قریب آئے گا تو چہرے بھن جائیں گے اور پیٹوں میں اترے گا، تو پیٹ کے اندرونی احشاء پارہ پارہ ہو جائیں گے۔

اور دوسری چیز پیپ ملے گی جو دوزخیوں کے زخموں سے نکل کر بہے گی، غساق انتہائی سرد جس کی شدت برودت کی وجہ سے دوزخی اس کو نہ پی سکیں گے۔

بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے غساق سردی کی وجہ سے ان کو سوختہ کر دے گا۔

مقاتل رحمہ اللہ نے کہا غساق وہ چیز ہے جس کی سردی حد کو پہنچی ہوئی ہو، ہناد رحمہ اللہ نے ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں پینے کی چیزوں سے گرم ترین پانی کا استثناء کیا گیا ہے اور سرد سے غساق کا۔ حضرت عطیہ رحمہ اللہ کے نزدیک غساق کا معنٰی ہے دوزخیوں کا بہتا ہوا لہو۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ اور ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے کعب رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ غساق جہنم کا ایک چشمہ ہے جس میں سانپ بچھو ہر زہریلے جانور کا زہر بہہ کر جمع ہو گا اور آدمی کو لا کر اس میں

ایک ہی مرتبہ غوطہ دیا جائے گا، تو کھال ہڈیوں سے گر جائے گی اور گوشت ٹخنوں پر آکر گرے گا اور وہ اپنے گوشت کو اس طرح کھینچتا پھرے گا جیسے آدمی اپنے وسیع کپڑے کو کھینچتا ہے۔

یعنی اس حالت میں وہ دوزخ میں رہیں گے اور لاتعداد برسوں تک سوائے حمیم اور غساق کے اور کچھ نہ چکھیں گے گویا عدم ذوق کے ساتھ ان کے دوزخ کے اندر سکونت حقب در حقب ہو گی اور ان احقاب کے گذر جانے کے بعد کیا ہو گا تو شاید وہ مزید شدید ترین عذاب میں احقاب عدم ذوق گذرنے کے بعد مبتلا کر دیئے جائیں۔

صاحب مرقات نے غساق کے بارے میں چار اقوال نقل فرمائے ہیں ① دوزخیوں کی پیپ اوران کا دھوون مراد ہے ② دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں ③ زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے ④ غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جاسکے گی۔

جَزَاءً وِّفَاقًا: ایسی جزا جوان کے اعمال کے موافق ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وفاق، موافقت کے معنیٰ میں ہے جس طرح قتال، مقاتلہ کے معنیٰ میں ہے، جزاء مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی ہم نے انہیں ایسی جزادی جوان کے اعمال کے موافق تھی۔

امام فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وفق کی جمع ہے وفق اور لفق دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عذاب دنیا کے موافق ہو گا، شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور جہنم سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اعمال برے تھے اللہ تعالیٰ انہیں وہ کچھ دے گا جو ان کے لیے تکلیف دہ ہو گا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا: جہنم گھات لگائے ہوئے ہو گی، دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تک نہ ملے گا، ٹھنڈا پانی پینے کو نہ ملے گا، وہاں دوزخیوں کو پیپ ملا گرم ترین پانی پلایا جائے گا، سخت ترین عذاب انہیں سہنا پڑے گا یہ ساری سزائیں انہیں کس جرم کی پاداش

میں ملیں گی، اس مقام پر اللہ تعالیٰ ان سزاؤں کی علت اور وجہ بیان فرمارہے ہیں کہ وہ دنیا کے عیش وآرام، پر تعیش زندگی گزارتے ہوئے روز جزا کے حساب کتاب کی امید و توقع نہیں رکھتے تھے۔

رجا کا ایک معنیٰ ڈر اور دوسرا معنیٰ توقع ہے، یہاں دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں، کہ ان کافروں، خدا کے منکروں کو نہ تو محاسبے کی توقع تھی کہ ان کا محاسبہ کیا جائے گا اور نہ ہی یہ لوگ ڈرتے کہ آنے والے وقت ان کے ساتھ کیا ہو گا، وہ قیامت کا انکار کر بیٹھے، وہ حساب کتاب کا یقین نہیں رکھتے تھے، وہ قیامت کے بارے میں الٹے سیدھے سوالات داغ کر اپنے من کو خوش اور دوسروں کو بے وقوف بناتے تھے، باہم یکدگر سوالات کی پٹاریاں کھول کر بیٹھ جاتے تھے، استہزا اور تمسخر اڑاتے تھے، ہماری آیات کا نہ صرف ٹھٹھا اڑاتے تھے بلکہ ان کا انکار بھی کر دیتے تھے، ہم نے نبی بھیجے وہ نبیوں کا انکار کرتے تھے، ہم نے کتابیں اتاریں وہ کتابوں کو اساطیر الاولین کہہ کر جھٹلا دیتے تھے، وہ کتابوں میں موجود احکامات کو قصے اور کہانیوں سے تعبیر کرتے تھے، ان کی زندگی محض ایک کھیل تماشہ تھی، وہ اسی کھیل تماشے میں اپنا سارا وقت برباد و تباہ کر کے موت کی آغوش میں چلے گئے، پھر بروز محشر انہیں رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا، پھر انہیں جہنم کی ہولناک وادی میں دھکیل دیا گیا، جہاں ان کے کرتوتوں اور سیاہ اعمالیوں کی انہیں سزائیں دی گئیں۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا: کافر ہوں یا مسلمان سب کے اعمال نامے اللہ کے علم میں ہیں، سب کو فرشتوں نے اللہ کے حکم سے محفوظ کر رکھا ہے، اللہ نے یہاں فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے، ازل سے تا امروز، امروز سے ہنگامہ یوم النشور تک ہر چیز اللہ کے علم میں موجود و محفوظ ہے، ملائکہ کی دستاویزات میں انسانی اعمال نامے مرقوم ہیں۔

جب ہنگامہ محشر میں کافروں کے سامنے ان کا نامہ اعمال پھیلا دیا جائے گا، سب کچھ عیاں ہو جائے گا، اپنے سیاہ کرتوت اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھیں گے تو سر پیٹنے لگیں گے کہ یہ کیا ہو گیا کہ آج کوئی چیز ہماری راز نہ رہی، چھوٹی بڑی ہر چیز واضح کر دی گئی ہے۔

فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا: دوزخیوں کے لیے اس آیت کو سب سے سخت آیت قرار دیا گیا، دوزخیوں کو کہا جائے گا کہ تم لوگ عذاب چکھو اور چکھتے ہی رہو تمہارا عذاب بڑھایا اور زیادہ کیا جاتا رہے گا، اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے جناب ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دوزخ والوں کے لیے کون سی آیت زیادہ سخت ہے؟ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ارشاد انہیں سنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب جہنمی تمنا کریں گے، یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہو گا فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا هٰذِهِ الْآيَةُ أَشَدُّ مَا فِي الْقُرْآنِ عَلَى أَهْلِ النَّارِ، كُلَّمَا اسْتَغَاثُوا مِنْ نَوْعٍ مِنَ الْعَذَابِ أُغِيثُوا بِأَشَدَّ مِنْهُ، قرآن کریم میں یہ آیت دوزخیوں پر بڑی سخت ہے، وہ جب بھی دوزخ کے کسی عذاب کو ہلکا کرنے کی فریاد کریں گے تو ان پر اس سے سخت عذاب مسلط کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر للرازی)

متقی لوگوں کے لیے کامیابی و فائز المرامی

سوال اللہ تعالیٰ قیامت کے دن متقی لوگوں کو کن کن عطاؤں و نوازشات سے مالا مال اور سرشار فرمائیں گے؟

جواب جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے اور خوف رکھتے ہوں گے، نیک اعمال بجالاتے ہوں گے، ان کی کامیابی و کامرانی اور فائز المرامی تو جنت میں داخلے کے ساتھ ہی ہو جائے گی، ان کو چہل قدمی کے لیے جنتی باغات دیے جائیں گے، ان باغات میں بیش بہا وہ چیزیں ہوں گی جو انہوں نے اس سے پہلے دیکھی ہوں گی اور نہ ہی کبھی ان کا تذکرہ سنا ہو گا اور نہ ہی ان کے دلوں پر ان چیزوں کا کبھی خیال گزرا

ہو گا، ان لوگوں کو جنت میں جوان و کنواری عورتیں عطا کی جائیں گی، جو نہ صرف جوان ہوں گی بلکہ حسن و جمال و کمال میں اپنی مثال آپ ہوں گی، یہ لوگ مے نوشی کے لیے چھلکتے جام عطا کیے جائیں گے، جنت میں کانوں میں رس گھولتی خوبصورت اور دلکش آوازوں سے لطف اندوز ہوں گے، کوئی لایعنی بات نہیں سنیں گے، ایک دوسرے پر الزام تراشیاں اور کذب بیانیاں نہیں کریں گے، یہ سب کچھ انہیں اپنے پروردگار کی طرف سے احسان وعطا کے طور پر دیا جائے گا، جو کچھ انہیں ملے گا وہ ان کے لیے کافی وافی ہو گا، اسی بارے میں یہاں ارشاد فرمایا

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا {۳۱} حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا {۳۲} وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا {۳۳} وَّكَاْسًا دِهَاقًا {۳۴} لَّا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا {۳۵} جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا {۳۶} النبأ.

جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا، ان کی بیشک بڑی جیت ہے۔ باغات اور انگور۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتے ہوئے پیمانے۔ وہاں پر وہ نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے، اور نہ کوئی جھوٹی بات۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہو گا۔ (اللہ کی) ایسی دین ہو گی جو لوگوں کے اعمال کے حساب سے دی جائے گی۔

مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں ضرور بالضرور پرہیز گاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیات جاودانی اور کامرانی حاصل ہے، اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے۔

پھر تقویٰ کے چند مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے، اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے، گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو، دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو عمل میں لانا، برے افعال سے بچنا، اس مرتبہ میں گنہگار ایماندار کو متقی لکھا جاوے گا، جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو، یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسواء اللہ کوئی چیز ان کے قلوب صافیہ تک نہیں پہنچتی، وہ اس

کے سوا سب سے بچتے ہیں، قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گنہگار و ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازًا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے، روحانی ہو یا جسمانی لیکن کبھی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر کو بیان فرماتا ہے۔(تفسیر حقانی)

حَدَائِقَ: باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبانِ عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے، یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمال صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کئے گئے تھے، یہ لفظ بھی عام تھا، باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آگئی تھیں، پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔

دنیا میں اَقالیم کے لحاظ سے باغوں کا حال مختلف ہوتا ہے، چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ، اس لیے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔(حقانی)

وَاَعْنَابًا: وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے، انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دیتا ہے اور اس سے شراب بھی بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے، اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔

وَكَوَاعِبَ اَتْرَابًا: اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ رو ہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں، اس لیے فرماتا ہے و کواعب اترابا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کے پستان ابھی ابھرے ہوں گے یہ نوعمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے، پھر ان کی نوعمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو۔

انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے، نوجوان لڑکی بوڑھے

مرد سے کبھی لطف صحبت نہیں پاتی، اس لیے اترابًا کا لفظ بھی ارشاد فرمادیا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے، پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہ ہو تو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے، اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا۔

وَكَاسًا دِهَاقًا: کہ حبامِ شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہو گا، دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے در پے کے یہی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس حبام کا تسلسل جاری رہے گا، یہ وہ شراب محبت الٰہی ہے جو دنیا میں ساقی کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا: شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں، بیہوشی اور درد سر اور اہل مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں، اس لیے فرماتا ہے **لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا** کہ وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات، نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو، اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہو گا۔

یہ دنیا کی شراب محبت الٰہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسمی ہے۔

جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا: یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں، بندوں کے اعمال و عقائد و معارف کا تیرے رب کی طرف سے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کرے گا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ اختیار کئے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد، فلاں کے شاگرد، فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں، اب دنیا میں متقی بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو، جزا کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد ﷺ تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سینکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں نعماء باقیہ وصافیہ عطا فرماوے گا، اس لیے فرماتا ہے عطاء کہ یہ سب کچھ گو جزا یا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حساباکافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لیے کہ یہ انعام و افضال اس کی طرف سے ہیں جو رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کے بقاء میں سینکڑوں عنایات ہیں، بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے، درختوں کو پتے عطا فرمائے، ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی، پھر رنگا رنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کے نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاریگر نقاش حیران ہیں، پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شے پر یہ عطا و فضل کیا تو اس جہاں میں اس کی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔ (تفسیر حقانی)

قیامت: روح اور فرشتوں کی صفیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا {۳۷} يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا {۳۸} ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا {۳۹} النباء

جواب ترجمہ: اسی پروردگار کی طرف سے جو سارے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا مالک، بہت مہربان ہے! کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے بول سکے۔ جس دن ساری روحیں

اور فرشتے قطاریں بنا کر کھڑے ہوں گے، اس دن سوائے اس کے کوئی نہیں بول سکے گا۔ جسے خدائے رحمن نے اجازت دی ہو، اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔ وہ دن ہے جو برحق ہے۔ اب جو چاہے وہ اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔

متقی لوگوں کو بیش بہا نعمتوں سے مالا مال کیا جائے گا، وہ نعمتیں دینے والا کون ہے وہ آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے ان کے رب کی طرف سے دی جائیں گی، اسے رحمان کہا جاتا ہے، اس کی رحمت کا کوئی حساب و کنارہ نہیں ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ذرہ پر بیشمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لایملکون منہ خطابا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں مجھے کیوں نہیں دیں کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے۔ (حقانی)

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا: یعنی زمین و آسمان والوں میں سے کوئی بھی الرحمن سے خطاب کرنے کی قدرت نہیں رکھے گا، کلبی نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا، یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ کوئی اللہ پر اعتراض نہ کر سکے گا کہ بعض کو بعض سے زیادہ اجر کیوں دیا کیونکہ سب خدا کے بندے ہیں، اس کی ملک ہیں، کسی کو ثواب کا استحقاق نہیں، ثواب اللہ کی مہربانی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری زندگی کا زمانہ گزشتہ امتوں کے زمانہ کے مقابلہ میں (ایسا ہے جیسا) عصر سے مغرب کا وقت، تمہاری مثال یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی کسی نے کام ختم کرنے کے لیے مزدور رکھے اور کہا: جو شخص دوپہر تک کام کرے گا اس کو ایک قیراط ملے گا، چنانچہ یہودیوں نے ایک ایک قیراط کی شرط پر کام کیا، پھر اس نے کہا جو دوپہر سے عصر تک کام کرے گا اس کو ایک قیراط ملے گا۔

نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک، ایک قیراط کی شرط پر کام کیا، پھر اس نے کہا: جو شخص نماز عصر سے مغرب تک کام کرے گا اس کو دو، دو قیراط ملیں گے، پس اب تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے مغرب تک کام کرو گے، خوب سن لو، تمہارے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کام ہمارا زیادہ ہے اور عطیہ ہم کو کم ملا۔ اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ مار لیا؟ یہود و نصاریٰ نے کہا: نہیں۔ اللہ نے فرمایا: تو پھر میری مہربانی ہے، میں نے جس کو چاہا دیا۔ (بخاری، تفسیر مظہری)

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا: قیامت کے دن روح اور فرشتے صفوں کی شکل میں کھڑے ہوں گے، روح سے کون مراد ہے اس بارے میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق اس کا مصداق بیان فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنو آدم کی صورتوں پر بنایا ہے اور آسمان سے جو بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔ (تفسیر مجاہد، تبیان)

ابو الحسن مقاتل بن سلیمان البلخی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، اس روح کا چہرہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے، اس کا نصف آگ ہے اور اس کا نصف برف ہے، وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! جس طرح تو نے اس آگ اور اس برف میں الفت ڈال دی ہے، یہ آگ اس برف کو نہیں پگھلاتی اور نہ یہ برف اس آگ کو بجھاتی ہے، اسی طرح اپنے ایمان والے بندوں کے درمیان الفت ڈال دے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اس روح کو اختیار کر لیا اور فرمایا: جس دن روح اور اس کے تمام فرشتے کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر مقاتل، تبیان القرآن)

امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، روح کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مسلمانوں کی روح ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد فرشتوں کے محافظ ہیں، وہ

فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح سے مراد وہ کتابیں ہوں جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ (النحل : ۲) وہ فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی (آسمانی کتاب) دے کر جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے پھر یہ آسمانی کتابیں اس شخص سے مناقشہ کریں گی جس نے ان کے حق کو ضائع کر دیا، یا جس نے ان کتابوں کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس شخص کے حق میں شفاعت کریں گی جس نے ان کا حق ادا کیا اور ان کے احکام پر عمل کیا اور بعض نے کہا: اس سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جاسکتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل : ۵۸) یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: روح میرے رب کے امر سے ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن للسعیدی)

علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روح کی تفسیر میں آٹھ اقوال ہیں

① ابو صالح رحمہ اللہ نے کہا: روح انسانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور انسان نہیں ہے اور وہ اللہ سبحانہ کا لشکر ہے۔

② مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے کہا: وہ ملائکہ میں سب سے اشرف ہے۔

③ ابن ابی نجیح رحمہ اللہ نے کہا وہ ملائکہ کے محافظ ہیں۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے عظیم فرشتہ ہے۔

⑤ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

⑥ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: وہ بنی آدم کی ارواح ہیں، وہ صف باندھے کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

⑦ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا وہ بنو آدم ہیں۔

⑧ زید بن اسلم رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے (النکت والعیون ج ۶، تبیان القرآن)

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا: جس روز روح اور فرشتے پر اباندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہو گا اور ہیبت و جلال کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہو گا تو اس روز لایتکلمون الا من اذن لہ الرحمن و قال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت وخوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمٰن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پا کر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ادب و قاعدے کو ملحوظ رکھ کر یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہو گی اور یہ حال ہو گا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہو گی وہ شخص ہو گا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہو گی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت۔ یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ قول صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پا کر۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین و آسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان و زمین کے رہنے والے ہیبت الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے، صرف وہی بات کرے گا جس کو اجازت ہو گی اور وہ بعد اس کے بات بھی غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر و مشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا نہ کمی زیادتی جو بات ٹھیک ہو اسی قدر کہے گا۔ (حقانی)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَآبًا: یہ برأت ذمہ کا اعلان ہے کہ لوگوں کو اس دن کی آمد سے آگاہ کرنا ضروری تھا سو یہ کام کر دیا گیا، اب لوگوں کی ذمہ داری اپنی ہے، فرمایا کہ جس دن کی آمد سے یہ ڈرایا جارہا ہے وہ ایک امر شدنی ہے، وہ آکے رہے گا، نہ کوئی اس کو ٹال سکتا، نہ کوئی اس دن کسی کے کام آنے والا بنے گا تو جو اپنی خیر چاہے وہ اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (تدبر)

قیامت کے دن کفار کی حسرت

سوال قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب جانوروں کو ایک دوسرے سے قصاص دلوا کر فرمائیں گے کہ

تم مٹی ہو جاؤ تو کفار حساب کتاب کی ہولناکی سے گھبرا کر کیا کہیں گے اور کیوں کہیں گے ؟

جواب قیامت کے دن کافر حساب کتاب کی ہولناکی سے گھبرا کر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا تاکہ مجھے آج کے دن نہ اٹھایا جاتا اور مجھے عذاب نہ دیا جاتا، قرآن کریم میں اسی طرف یہاں اشارہ ہے

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا {۴۰} النبأ.

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ایسے عذاب سے خبر دار کر دیا ہے جو قریب آنے والا ہے جس دن ہر شخص وہ اعمال آنکھوں سے دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، اور کافر یہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو یہاں عذاباً قریباً اس لیے فرمایا ہے کہ جو چیز آنے والی ہے وہ لازمی اور ضرور آکر ہی رہے گی۔

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ: (جس دن انسان دیکھ لے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی دنیا میں جو کچھ اعمال کیے ہوں گے انہیں اپنے اعمال نامہ میں پالے گا۔

دوسرے مقام پر سورۃ الکہف میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اور جو کچھ عمل انہوں نے کیے تھے انہیں موجود پائیں گے۔

اسی طرح سورۃ الزلزال میں تو یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک ذرہ برابر نیکی اور خیر کا کام انجام دے گا تو آخرت میں وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے دنیا میں ایک ذرہ برابر برا کام کیا ہو گا وہ قیامت کے دن اسے دیکھ لے گا۔

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا: اور کافر کہے گا کہ ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن چوپائے جانور چرند پرند جمع کیے جائیں گے پھر ان کے درمیان دنیا میں جو مظالم ہوئے تھے ان کا بدلہ دلایا جائے

گا یہاں تک کہ سینگ مارنے کا بدلہ سینگوں والی بکری سے بے سینگوں والی بکری کا بدلہ دلایا جائے گا، جب جانوروں کو ایک دوسرے سے بدلے دلا دیئے جائیں گے تو ان سے فرمادیا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ، جب کافر یہ منظر دیکھیں گے تو یہ جان کر کہ ہم سے تو جانور ہی اچھے رہے بدلے دلا کر ان کا کام تمام ہو گیا اور آگے ان کے لیے کوئی عذاب نہیں اب یہ مٹی بنا دیئے گئے ان کے لیے ثواب نہیں تو عذاب بھی نہیں ہمارے لیے عذاب ہی عذاب ہے، کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے تو کیسا اچھا ہوتا۔

اہل ایمان آخرت میں اپنے نیک اعمال کے باعث اللہ کی رحمتوں اور بخششوں کو دیکھ کر پر امید ہو جائیں گے جب کہ کافر و مشرک اپنی بداعمالیوں اور شرک افعالیوں کی وجہ سے جب وہاں دیکھیں گے کہ آج تو رب العالمین ہماری طرف محبت بھری نگاہ سے بھی نہیں دیکھ رہے، جو کچھ ہم نے دنیا میں کیا اس کا نتیجہ تو کسی صورت اچھا نہیں نکلنے والا، پھر وہ عذاب کو دیکھ کر یوں کہیں گے کہ کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتے، نہ ایمان کی اور اعمال کی تکلیف دی جاتی نہ نافرمان ہوتے نہ عذاب میں مبتلا ہوتے، ہم سے تو یہ جانور بہائم ٹھیک رہے جنہیں قصاص دلوا کر مٹی بنا دیا گیا، ہمارے لیے حساب کتاب کی مشکلات کے بعد کٹھن منزلیں تو ابھی باقی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سورۃ النباء کی تفسیر آج پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے قبول و منظور فرما کر ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور کینٹ

۲۴ جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک ۳ بجے شب

النازعات

فرشتوں کی قسمیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے نیز یہ بتایئے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کی قسم اٹھائی؟

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا {۱} وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا {۲} وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا {۳} فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا {۴} فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا {۵} النازعات

جواب ترجمہ: قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو (کافروں کی روح) سختی سے کھینچتے ہیں۔ اور جو (مومنوں کی روح کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر (فضا میں) تیرے ہوئے جاتے ہیں۔ پھر تیزی سے لپکتے ہیں۔ پھر جو حکم ملتا ہے اس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں۔

باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وَالنّٰزِعَاتِ غَرْقًا قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں۔ یعنی وہ فرشتے جو کافروں کی روحوں کو کھینچتے ہیں، وَالنّٰشِطَاتِ نَشْطًا اور بند کھولنے والوں کی یعنی وہ فرشتے جو کافروں کی روحوں کو ناخنوں اور جلد کے درمیان سے نکالتے ہیں یہاں تک کہ اس کو نکال لیتے ہیں۔ وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا اور تیزی سے تیرنے والوں کی۔ یعنی وہ فرشتے جو ایمان والوں کی روحوں کو لے کر آسمان اور زمین کے درمیان تیرتے ہیں۔

فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا پھر دوڑ کر آگے بڑھ جانے والوں کی۔ یعنی وہ فرشتے ہیں کہ ایمان والوں کی روحوں کو لے کر ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا و پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی۔ یعنی وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے معاملات کی تدبیر کرتے ہیں ایک سال سے دوسرے سال تک۔ (در منثور)

مفسر امت، امین علم نبوت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا یہ کافروں کی روحیں ہیں جب ملک الموت کو دیکھتی ہیں اور وہ ان کو اللہ کے غصہ سے آگاہ کرتے ہیں تو وہ غرق ہو جاتی ہیں پھر ملک الموت غوطہ مار کر پٹھوں اور گوشت کے بند کھولتے ہوئے وہاں سے ان کو کھینچ لاتے ہیں۔

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا یعنی ایمان والوں کی روحیں جب ملک الموت کو دیکھتی ہیں اور وہ فرماتے ہیں اے نفس مطمئنہ! روح وریحان کی طرف نکل آ اور اپنے رب کی طرف جو ناراض نہیں ہے۔ تو وہ خوش ہوتے ہوئے اور جنت کی طرف شوق کرتے ہوئے اس طرح تیرنے لگتی ہے جیسا غوطہ لگانے والا پانی میں تیرتا ہے، فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا یعنی وہ تیزی سے چلتی اللہ تعالیٰ کی عزت اور کرامت کی طرف۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ پھاڑ ڈالو لوگوں کو ورنہ تجھ کو دوزخ کے کتے پھاڑ ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والنشطت نشطا کیا تو جانتا ہے وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا دوزخ میں کتے ہیں جو ہڈیوں اور گوشت کو چیر ڈالیں گے۔ (تفسیر در منثور)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں عبد الرحم بن سابط رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ دنیا کے کام کی تدبیر چار فرشتے کرتے ہیں، جبریل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل، جبریل مقرر ہیں ہواؤں اور لشکروں پر اور میکائیل مقرر ہیں بارش اور سبزہ اگانے پر اور ملک الموت مقرر ہیں روحوں کے قبض کرنے پر اور اسرافیل ان پر احکام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ (عبد بن حمید)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فالمدبرات امرا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے ساتھ مرنے والوں کے پاس حاضر ہوتے ہیں ان کی روحیں قبض کرتے وقت ان میں سے کچھ روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ دعاء پر آمین کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ میت کے لیے

استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جاتی اور اس کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ (ذکر الموت ابن ابی الدنیا)

ارباب تفسیر لکھتے ہیں کہ پوری طرح سختی سے کافروں کی جان نکالی جاتی ہے اور سہولت اور آسانی کے ساتھ اہلِ ایمان کی روح قبض ہوتی ہے (کسی وجہ سے موت کے وقت مومن کو زیادہ تکلیف ہو مثلاً یہ کہ اس کے درجات بلند کرنے کا ذریعہ بنانا ہو تو یہ دوسری بات ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سختی سے جان نکالی گئی اس سختی کے ساتھ کسی کی جان نکلتے نہیں دیکھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی۔ (مشکوٰۃ، انوار البیان)

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آجاتا ہے اور کافر کی موت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر حضرت ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں حتی کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں بھاگی پھرتی ہے لہٰذا ملک الموت علیہ السلام اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اُون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر انوار البیان)

ابو محمد عبد الحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نفوسِ انسانیہ جب سعادت کی طرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں، ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔

① اول مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل ومانع ہیں اور ان کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لاوے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے، اس مرتبے کو والنازعات غرقاً سے تعبیر کیا، شہوات ولذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے، شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں، ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے، سست اور ہویٰ وہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔

بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں، گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں، علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی عرق ریزیاں کی ہیں، اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں، سالہا راتوں جاگے ہیں، نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلے کھینچے ہیں۔

② دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط وسرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور اب ان موانع وشہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے میدان صاف ہو جاتا ہے، اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والناشطات نشطاً سے تعبیر فرمایا، اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات ومجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق وذوق ہے، یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔

③ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے، اس مرتبہ کو والسابحات سبحاً سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا، کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے، اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں، اہل سلوک کے نزدیک اس کا نام سیر احوال ومقامات ہے، اب یہاں سے شاہد مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پوچھے آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت ومشقت ہے۔

④ چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے، یہ سب سے آگے دوڑے، اس حالت کو فالسابقات سبقًا سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے، صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا نام طیران و عروج ہے۔

⑤ اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتب کمال کو طے کرکے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتداء و مرشد ہو جاوے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں، اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع و نزول و دعوۃ الخلق الی الحق کہتے ہیں، اس مرتبہ کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا۔ فالمدبرات امرا (تفسیر حقانی)

مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”سورت النساء آیت نمبر ۷۸ میں ہے، أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ، تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم مستحکم اور مضبوط قلعوں میں ہو، بعض بچے جان پڑنے کے بعد ماں کے پیٹ ہی میں فوت ہو جاتے ہیں، فرشتے پیٹ میں ہوتے ہوئے جان نکال لیتے ہیں، پیٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔

وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو گرہ کھول دیتے ہیں گرہ کھول دینا۔ فرشتے مومنوں کی جان اس طرح آسانی سے نکال لیتے ہیں جس طرح کوئی گرہ آرام سے کھول لی جاتی ہے روح کو نکلنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا۔

فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا قسم ہے ان فرشتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں رب تعالیٰ کے حکم میں سبقت لے جانا۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو تدبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی۔ جو کام اللہ تعالیٰ ان کے سپرد کرتا ہے اس کی تدبیر کرتے ہیں، اس تفسیر کی رو سے یہ ساری صفات فرشتوں کی

ہیں اور جواب قسم محذوف ہے اور وہ ہے لتبعثن البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے تم ضرور اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ مجاہدین کی صفتیں ہیں، معنیٰ ہو گا قسم ہے مجاہدین کی ان جماعتوں کی جو کھینچ لاتے ہیں اپنے قیدیوں کو دشمنوں کی فوجوں میں گھس کر لڑائی کے دوران میں، مجاہدین کے ساتھی بھی گرفتار ہوتے ہیں تو یہ اپنے ساتھیوں کو دشمنوں میں گھس کر کھینچ لاتے ہیں۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطاً اور قسم ہے ان مجاہدین کی جو قیدیوں کی گرہ کھول دیتے ہیں، کسی کو ہتھ کڑی لگی ہوئی ہے، کسی کو بیڑی لگی ہوئی ہے، کسی کو رسی سے باندھا ہوا ہے، یہ ساری گرہیں کھول کر ساتھیوں کو نکال لاتے ہیں۔

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحاً اور ان کو لے کر اپنے مورچوں کی طرف تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔ **فَالسّٰبِقٰاتِ سَبْقاً** اور قسم ہے ان مجاہدین کی جو ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ **فَالْمُدَبِّرٰاتِ اَمْراً**۔ اور قسم ہے ان مجاہدین کی جماعتوں کی جو تدبیر کرتے ہیں کام کی، حسنِ تدبیر سے جہاد کرتے ہیں، مورچے سنبھالتے ہیں، دفاع بھی کرتے ہیں، کافروں سے لڑتے بھی ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ علماء مراد ہیں کہ علماء کی جماعتیں علم کی گہرائی میں ڈوب کر نکات نکالتی ہیں۔ (نکتہ آفرینی کرتی ہیں) علماء لوگوں کے شکوک و شبہات کی گرہوں کو کھولتے ہیں اور تیرتے ہیں علمی میدان میں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں اور حسن تدبیر سے دین پہنچاتے ہیں۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے واعظین مراد ہیں کہ پہلے زمانے میں علماء خود جا کر وعظ و نصیحت کرتے تھے، آج کل اس کا سمجھنا مشکل نہیں یوں سمجھ لو کہ معنیٰ ہے کہ جس طرح یہ تبلیغی جماعتیں آدمیوں کو کھینچ کر لاتی ہیں محلسوں سے، دفتروں اور دکانوں سے، مسجدوں میں داخل کرتے ہیں اور ان کے حیلوں بہانوں کی گرہیں کھول کر کہ کوئی کہتا ہے میری دکان ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں، یعنی ایک دوسرے سے بڑھ کر تبلیغ کرتے ہیں اور وہ

جماعتیں حسن تدبیر سے کام کو چلاتی ہیں، جواب قسم ہے تم ضرور اٹھائے جاؤ گے قیامت ضرور آئے گی۔ (تفسیر ذخیرۃ الجنان)

صورِ اسرافیل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ راجفہ اور رادفہ کیا ہے؟

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ{٦} تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ{٧}النازعات.

جواب ترجمہ: کہ جس دن بھونچال (ہر چیز کو) ہلاڈالے گا۔ پھر اس کے بعد ایک اور جھٹکا آئے گا۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت یوم ترجف الراجفہ جس دن کانپنے والی کانپے گی سے مراد ہے پہلی مرتبہ صور پھونکنا۔ آیت تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اس کے پیچھے آنے والی پیچھے آئے گی سے مراد ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنا آیت قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ کئی دل اس دن دھڑک رہے ہوں گے یعنی خوف زدہ ہوں گے آیت ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ کیا ہم پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے یعنی کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے۔ (تفسیر در منثور)

امامِ تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آیت يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ یعنی زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور وہ زلزلہ ہو گا آیت تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ یعنی دونوں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ (البعث للبیہقی، عبد بن حمید، تفسیر در منثور)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، اللہ کا ذکر کرو، آئی کانپنے والی اور اس کے پیچھے آنے والی پیچھے آئے گی، آئی موت جو اس میں ہے۔ (احمد، ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کانپنے والی کانپے گی اور ہلے گی اپنے رہنے والوں کے ساتھ (یعنی اپنے رہنے والوں پر زلزلہ طاری کر دے گی) اور اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیت یوم ترجف الراجفہ تتبعہا الرادفۃ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اس کشتی

کی طرح ہے جو سمندر میں اپنے سواروں کے ساتھ الٹتی رہتی ہے یعنی ہچکولے کھاتی رہتی ہے، یا اس کی مثال اس قندیل کی طرح سے ہے جو اپنے کناروں کے ساتھ لٹکا ہوا ہو (ابو الشیخ، ابن مردویہ)

حضرت ابو صالح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آیت یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ دونوں میں مراد چیخ یعنی ہولناک آواز ہے، پہلی چیخ اللہ کی اجازت سے ہر چیز کو مار دے گی اور دوسری چیخ اللہ کی اجازت سے ہر چیز کو زندہ کر دے گی۔ (عبد بن حمید، تفسیر در منثور) پہلی اور دوسری بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کی مدت ہو گی۔

منکرین بعث بعد الموت کے لرزتے دل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ {٨} اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ {٩} النازعات

جواب ترجمہ: اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

اس روز دل خوف زدہ ہوں گے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے، سدی نے کہا، وہ اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے اس کی مثل، إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ (غافر ۱۸) جب دل نرخرہ تک پہنچ جائیں گے، مؤرخ نے کہا، جب دل مضطرب خوف زدہ اور پر سکون نہ ہوں گے مبرد نے کہا، جب دل مضطرب ہوں گے معنی سب کا قریب قریب ہے اس سے مراد کفار کے دل ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے، وَجَفَ الْقَلْبُ يَجِفُّ وَجِيفًا جب وہ پھڑ پھڑا رہا ہو جس طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے، وَجَبَ يَجِبُ وَجِيبًا۔ اسی سے، وَجِيفُ الْفَرَسِ وَالنَّاقَةِ فِي الْعَدْوِ، ہے، وَالْإِيجَافُ ایجاف کا معنی جانور کو تیز چال پر برانگیختہ کرنا ہے۔

کچھ دل کے الفاظ اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے صرف کفار و فجار اور منافقین ہی پر قیامت کے روز ہول طاری ہو گا، مومنین صالحین اس ہول سے محفوظ ہوں گے۔

سورۃ انبیاء میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا اور ملائکہ بڑھ کر ان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا"۔ (آیت ۱۰۳، (تفہیم القرآن)

خَاشِعَةٌ کا معنی جھکی ہوئی ذلیل ورسوا، یہ صورت اس ہولناکی کی وجہ سے ہوگی جسے وہ دیکھ رہے ہوں گے اس کی مثل، خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ المعارج ۴۴) ہے یعنی یہ بعث کو جھٹلانے والے اور اس کا انکار کرنے والے کہیں گے جب انہیں کہا جاتا ہے تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ انکار کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم اپنی موت کے بعد پہلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے تو جس طرح ہم موت سے پہلے زندہ تھے اسی طرح پھر زندہ ہو جائیں گے۔ قرطبی)

کفار کا بعث بعد الموت سے انکار

سوال یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے تھے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے، اس میں استعمال کیا گیا لفظ الْحَافِرَةِ ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح ان آیات میں استعمال کیے گئے الفاظ عِظَاماً نَّخِرَةً، كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ، زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ اور بِالسَّاهِرَةِ کا کیا مفہوم ہے؟

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ{۱۰} أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً{۱۱} قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ{۱۲} فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ{۱۳} فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ{۱۴} النازعات

جواب ترجمہ: یہ (کافر لوگ) کہتے ہیں کہ: کیا ہم پہلے والی حالت پر لوٹا دیئے جائیں گے؟ کیا اس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے؟ کہتے ہیں کہ: اگر ایسا ہوا تو یہ بڑے گھاٹے کی واپسی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی۔ جس کے بعد وہ اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔

یہ استفہام انکاری ہے منکرین کہتے ہیں کہ ایسا ہونے والا نہیں کہ ہم پہلی حالت میں آجائیں یعنی

موت سے پہلے جو ہماری حالت تھی مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی مل جائے گی اور پہلی حالت پر آجائیں ایسا ہونے والا نہیں۔ انہوں نے اپنے واپس ہونے کا استبعاد ظاہر کرنے کے لیے مزید کہا عَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (کیاجب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اس وقت دوبارہ زندگی میں آئیں گے)قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آرہا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر دوبارہ زندگی ملے گی بالفرض اگر دوبارہ زندہ ہو گئے جیسا کہ نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے بتایا ہے تو ہماری خیر نہیں اس وقت تو ہمارا برا حال ہو جائے گا کیونکہ جس چیز کو جھٹلا رہے ہیں اس کا واقع ہو جانا لا محالہ ہمارے جھٹلانے کی سزا کا سبب بنے گا اور یہ سزا بھی بڑی ہو گی۔

ان لوگوں کا یہ قول بھی بطور تکذیب اور مسخرہ پن ہی کے ہے کیونکہ کسی درجہ میں بھی ان کے نزدیک وقوعِ قیامت کا اِحتمال نہیں تھا اسی لیے انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ جس کو کسی درجہ میں بھی اتنے بڑے نقصان کا احتمال ہو وہ تو فکر مند ہوتا ہے، دیکھو دنیا میں ذرا ذرا سے احتمال پر خبر دینے والوں کی تصدیق کرتے ہیں کہ ممکن ہے سچ ہی کہہ رہا ہو، اگر کوئی جھوٹا آدمی یوں کہہ دے کہ وہاں نہیں جانا ادھر ایک اژدھا پڑا ہے تو وہاں جانے کی ہمت نہیں کریں گے۔ (تفسیر انوار البیان)

یہ منکرین کی حماقت اور شقاوت ہے کہ وقوعِ قیامت کی بار بار خبر ملنے اور اس پر دلائل قائم ہونے کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر قائم ہو گئی تو ہمارا برا حال ہو گا، پھر بھی اس کی تصدیق نہیں کرتے اور اپنی فلاح کے لیے فکر مند نہیں ہوتے۔

اَلْحَافِرَةُ: جب کوئی شخص اسی راستے سے پلٹ جائے جس پر چل کر وہ آیا ہے تو عرب کہتے ہیں رَجَعَ فُلَانٌ فِي حَافِرَتِهٖ اَیْ طَرِیْقَتِهِ الَّتِی جَاءَ فِیْهَا فَحَفَرَهَا۔ یعنی جس راستہ کو وہ پہلے اپنے قدموں سے کھود آیا ہے اور اپنے نقوش پا ثبت کر آیا ہے اسی پر وہ لوٹ گیا۔

ان آیات طیبات کو سن کر جن میں قسمیں کھا کر قیامت کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر بیان ہوئے ہیں، کفار ازراہِ مذاق ایک دوسرے کو کہتے کیا یہ سچ ہے کہ ہمیں پھر الٹے

پاؤں پلٹا دیا جائے گا، یعنی جس شاہراہِ حیات پر چل کر ہم قبر کی منزل تک پہنچے ہیں، کیا پھر لحد سے اٹھا کر زندگی کی اسی روندی ہوئی راہ پر ہمیں چلنا پڑے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

لغت میں حافرہ طے کی ہوئی راہ کو کہتے ہیں، اس لیے کہ حافرہ گھوڑے کے سم کا نام ہے اور طے کیے ہوئے راستے میں سم کے نقش رہ جاتے ہیں گویا سم کے نقش کو سم کا نام دے دیا گیا پھر جس راہ میں سم کا نقش ہوتا ہے، مجازدر مجاز کے طور پر حافرہ کہہ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

عِظَامًا نَّخِرَةً: کھوکھلی بے مغز ہڈیاں، بوسیدہ ہڈیاں، ان ہڈیوں میں ہوا داخل ہوتی ہے تو آواز پیدا ہوتی ہے، لغت میں نخیر ہوا کی آواز کو کہتے ہیں جو کہ کھوکھلی ہڈی میں سے گزرتی ہے، کافروں کا خیال یہ تھا کہ جب ان ہڈیوں پر ایک طویل زمانہ بیت جائے گا، بہت سے زمانے گزر جائیں گے یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو پھر ان سے دوبارہ زندگی کیونکر ہو گی۔

كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ: یعنی قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے کہ کھوکھلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی، ایسا ہوا تو یہ صورت ہمارے لئے بڑے ٹوٹے اور خسارہ کی ہو گی، کیونکہ ہم نے اس زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔ یہ تمسخر سے کہتے تھے، یعنی مسلمان ہماری نسبت ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ وہاں مرنے کے بعد سرے سے دوسری زندگی ہی نہیں، نقصان اور خسارہ کا کیا ذکر۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ وہ پھر مذاق اور تعجب کے طور پر کہتے ہیں **تِلْكَ إِذاً كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ** یعنی یہ زندگی جو کہ اجزا کے بکھرنے اور رطوبتوں کے فنا ہونے کے بعد ہو گی اس صورت میں لوٹنا سراسر نقصان ہے اس لیے کہ ہم اپنے بعض اجزا کو نہیں پائیں گے اور ہم سے بہت سی چیزیں گھٹ جائیں گی اور ہمارا مال اور کمائی چیزیں ہم سے جدا ہو جائیں گی پس ہمارا اس جہان میں لوٹنا اس مسافر کے لوٹنے کی مانند ہے جو کہ اپنے گھر سے مال، دولت، صحت اور سلامتی اعضا کے ساتھ نکلا تھا اور سفر میں سب کچھ برباد ہو گیا اکیلا، سربرہنہ، زخمی جسم اور اعضاء کو ضائع کیے واپس

آجائے کہ اس کا یہ آنا سراسر نقصان ہے، اللہ تعالیٰ اس مذاق کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہارا یہ ناممکن سمجھنا اس بنیاد پر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فعل اور تاثیر کو اپنے فعل اور تاثیر پر قیاس کرتے ہو اور اسے اپنی طرف اسباب جمع کرنے کی قید اور آلات سے مدد لینے کی پابندی میں سمجھتے ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس فعل اور تاثیر اسباب اور آلات پر موقوف نہیں بلکہ اسباب وآلات بھی اس فعل اور تاثیر کی وجہ سے جمع ہوتے ہیں اور ملتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ: وہ زندگی تو ایک تند و تیز آواز کا اثر ہے اور وہ صور پھونکنے سے کنایہ ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے ارواح جسموں کے ساتھ متعلق ہو جائیں گی اور روح کا جسم کے ساتھ متعلق ہونا زندگی کی تمام شرائط اور اسباب کو جمع کرلیتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے پوری زندگی حاصل ہو جائے گی نہ کہ ماں کے پیٹ والے بچے یا نوزائیدہ بچے کی طرح جو کہ کمزور حس رکھتا ہے اور دشواری سے حرکت کرتا ہے اس لیے کہ وہ اس تیز آواز کو سنتے ہی سریع اور قوی حرکت کریں گے اور ذہن کے اندر سے جنبش کریں گے۔ (تفسیر عزیزی)

بِالسَّاهِرَةِ: وہ اچانک زمین کے اوپر ہوں گے اور لغت میں ساہرہ سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں اور یہ آخرت کی زمین کا نام ہے کہ اس دن زمین کی یہی حالت ہو گی۔

فرعون کو پیغام ہدایت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ الآیۃ الکبریٰ کا کیا مفہوم ہے؟

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى{۱۵}اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى{۱۶} اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى{۱۷} فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى{۱۸} وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى{۱۹} فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى{۲۰} النازعات.

جواب ترجمہ: کیا آپ کے پاس موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے، جب ان کے پروردگار نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں آواز دی تھی۔ کہ: فرعون کے پاس چلے جاؤ، اس نے بہت سرکشی اختیار کر رکھی ہے

اور اس سے کہو کہ کیا تمہیں یہ خواہش ہے کہ تم سنور جاؤ؟ اور یہ کہ میں تمہیں تمہارے پروردگار کا راستہ دکھاؤں تو تمہارے دل میں خوف پیدا ہو جائے؟ چنانچہ موسیٰ نے اس کو بڑی زبردست نشانی دکھائی۔

کفارِ مکہ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کا اِنکار، دین کا اِنکار، توحید کا اِنکار، بعث بعد الموت کا اِنکار شاق گزرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو ان تکالیف اور ایذاؤں پر بہت مرتبہ تسلی دی اور پہلے لوگوں کے عبرت ناک واقعات سنائے کہ پہلے منکرین کا حشر ہم نے کیا کیا ان مکہ والے منکرین کے ساتھ بھی ہم نمٹ لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تاکہ آپ کو تسلی دی جائے کہ فرعون کو دعوت دینے میں موسیٰ علیہ السلام نے بھی مشقت اٹھائی تھی اور فرعون بھی آخر وقت تک اپنے اِنکار پر جما رہا تھا، سو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں، انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فرعون کفارِ مکہ سے زیادہ قوی اور جابر حکم ران تھا، اس کے پاس بڑا لشکر تھا اور اس کی بہت بڑی سلطنت تھی۔ اور جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اس کا جاہ و چشم، اس کی بڑی سلطنت اور اس کا لشکر اس کے کچھ کام نہ آیا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور اس کو دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دیا اور فرعون کی قوت اور حشمت کے مقابلہ میں یہ کفار مکہ کیا چیز ہیں، اگر یہ بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جمے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دے گا (تفسیر تبیان القرآن)

طُوًی: طویٰ شام کی ایک وادی کا نام ہے جو پہاڑ طور کے پاس ہے، جب رات کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی تھی کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، طویٰ وادیٔ مقدس ہے جس میں دو مرتبہ برکت ڈالی گئی ہے، فراء نے یہ کہا ہے کہ طویٰ مدینہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے۔

طَغٰی: اس کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا ہے کہ اس نے کس چیز میں حد سے تجاوز کیا تھا، اس لیے مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کیا اور کافر ہو گیا اور دوسرے مفسرین رحمہم اللہ نے کہا: اس نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حد سے تجاوز کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے خالق اور مخلوق دونوں کے معاملہ میں حد سے تجاوز کیا ہو، خالق کے معاملہ میں تجاوز یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا اور لوگوں سے کہا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی، (النزعت: ۲۴) (تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں) اور مخلوق کے سامنے تکبر یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا، ان سے بے گار کے کام لیتا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو تلقین کی کہ وہ ان سے کہیں: کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟۔ (تبیان القرآن)

آیۃ الکبریٰ یعنی بڑی نشانی: ید بیضا اور عصا موسیٰ علیہ السلام کے دو بڑے معجزات تھے، جو ان کے حق پر ہونے کی گواہی کے لیے اللہ نے انہیں عطا فرمائے تھے، مگر فرعون نے ان کا انکار کیا اور نافرمانی کی۔

خدائی کے دعویدار کو عبرت ناک سزا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى {۲۱} ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى {۲۲} فَحَشَرَ فَنَادٰى {۲۳} فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى {۲۴} فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى {۲۵} اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى {۲۶} النازعات.

جواب ترجمہ: پھر بھی اس نے (انہیں) جھٹلایا، اور کہنا نہیں مانا۔ پھر دوڑ دھوپ کرنے کے لیے پلٹا۔ پھر سب کو اکٹھا کیا اور آواز لگائی۔ اور کہا کہ: میں تمہارا اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو اللہ کا خوف دل میں رکھتا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر فرعون کو تبلیغ کی، اسے راہ ہدایت دکھائی، اسے ربانی پیغام پہنچایا، مگر اس نے ان کا پیغام قبول نہیں کیا، جھٹلایا اور اللہ کی نافرمانی میں آگے بڑھا، پھر لوگوں کو یکجا کر کے تماشا لگانے کی کوشش کی، اللہ کی نشانیوں کو زیر کرنا چاہا، پھر بڑا کفریہ بول بولا کہ میں سب سے بڑا خدا ہوں، اس پر رب تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور فرعون کو نشانِ عبرت بنانے کا فیصلہ کر لیا، اللہ نے خدائی کے اس بڑے دعوے دار کو پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات دکھا کر ذلیل و رسوا کیا، پھر اسے دریا کی موجوں میں غرقاب کر دیا، جب کہ یہ اس وقت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لانے کے نعرے لگا رہا تھا۔

نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ: اس نے دو نعرے لگائے تھے ایک اس نے یوں کہا تھا کہ **مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِي** میں اپنے سوا تمہارا کوئی الٰہ اور معبود نہیں دیکھ رہا، اس نعرے کے چالیس سال بعد اس نے دوبارہ جب **أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ** کا نعرہ لگایا تو اللہ نے اسے نشانِ عبرت بناتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس کے پہلے اور دوسرے نعرے کی عبرت ناک سزا ہے۔

قدرت کی کاریگری اور صناعی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا {۲۷} رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا {۲۸} وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا {۲۹} وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا {۳۰} اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا {۳۱} وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا {۳۲} مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ {۳۳} النازعات.

جواب ترجمہ: (انسانو) کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کو؟ اس کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس کی بلندی اٹھائی ہوئی ہے، پھر اسے ٹھیک کیا ہے۔ اور اس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اس کے دن کی دھوپ باہر نکال دی ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا ہے۔ اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا ہے۔ اور پہاڑوں کو گاڑھ دیا ہے۔ تاکہ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچائے۔

منکرین حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لایعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے۔ کلام انسان اشرف المخلوقات کے بار دگر زندہ ہونے میں ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمِ السَّمَاء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بار دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادر مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خوراک پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونے موجود ہیں۔ پھر اس کے نزدیک انسان کا بار دگر پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں پیدا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جبکہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔ (تفسیر حقانی)

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں ان کو بیان فرماتا ہے۔ اول رَفَعَ سَمْكَهَا کہ اس کی چھت کس قدر بلند کی۔ زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ دوم فَسَوَّهَا یہ نہیں کہ بیڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا۔ ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شگاف ہے نہ ٹیڑھا ترچھا پن ہے۔ سوم وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے۔ کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ (حقانی)

طامۃ الکبریٰ سے کیا مراد ہے؟

سوال سورۃ النازعات میں طامۃ الکبریٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب الطامۃ الکبریٰ سے نفخہ ثانیہ مراد ہے اور قیامت کبریٰ مراد ہے، اس میں انسان پر اس کا ہر عمل چاہے برا ہو یا بھلا پیش کیا جائے گا، انسان اپنے اس عمل کو یاد کرے گا اور اس کا اعتراف کرے گا، جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے ظاہر کر دی جائے گی وہ اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى{۳۴} يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى {۳۵} وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى{۳۶}النازعات.

پھر جب وہ سب سے بڑا ہنگامہ برپا ہو گا۔ جس دن انسان اپنا سارا کیا دھرا یاد کرے گا۔ اور دوزخ ہر دیکھنے والے کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔

الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے اس لئے کہ وہ ہولناک اور بڑے ہنگامے والا دن ہو گا، جیسے اور جگہ ہے آیت وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ القمر :۴۶) یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے، اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور کافی نصیحت حاصل کرلے گا، جیسے اور جگہ ہے آیت يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى الفجر :۲۳) یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کرلے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی، لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے۔

دوزخ اور جنت کن کا ٹھکانہ ہو گا؟

سوال جس شخص نے حیات دنیا میں سرکشی اور تمرد کا اظہار کیا ہو گا اس کا ٹھکانہ کیا ہو گا؟ اور جو شخص حیات دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کھاتا رہا، ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ کیا ہو گا؟

جواب قرآنی ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے احکامات اور اوامر کے سامنے تمرد اور سرکشی کا مظاہرہ کیا ہو گا، دنیا کی زندگانی کو آخرت کی لازوال زندگانی

پر ترجیح دی ہو گی ایسے شخص کا ٹھکانہ دوزخ کی دھکتی اور شعلہ زن آگ ہو گی، اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے بروز محشر حساب کتاب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کی تکمیل سے روکتا رہا، فاسد خواہشات سے باز رہا تو جنت اس کا مسکن ہو گا، جنت اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی {۳۷} وَاٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا {۳۸} فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی {۳۹} وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی {۴۰} فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی {۴۱} النازعات

تو وہ جس نے سرکشی کی تھی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔ تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہو گی۔ لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گی۔

قیامت کب آئے گی؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرۡسٰہَا {۴۲} فِیۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِکۡرٰہَا {۴۳} اِلٰی رَبِّکَ مُنۡتَہٰہَا {۴۴} اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰہَا {۴۵} کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَہَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوۡ ضُحٰہَا {۴۶} النازعات.

جواب ترجمہ: یہ لوگ تم سے قیامت کی گھڑی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہو گی؟ تمہارا یہ بات بیان کرنے میں کیا کام؟ اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے۔ جو شخص اس سے ڈرتا ہو، تم تو صرف اس کو خبردار کرنے والے ہو۔ جس دن یہ اس کو دیکھ لیں گے، اس دن انہیں ایسا معلوم ہو گا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، مکہ مکرمہ کے مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کے انداز میں سوال کیا قیامت کب برپا ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت برپا نہیں ہو گی مگر ایک غصہ کے ساتھ جو تیرا رب فرمائے گا اے محمد ﷺ تجھے کیا پڑی کہ آپ قیامت کا ذکر کریں یا اس کے بارے میں سوال کریں یعنی آپ کو اس کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے یہی وہ معنی ہے جو زہری رحمۃ اللہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ لگاتار قیامت کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں یعنی تیرے رب کے پاس اس کی انتہاء ہے گویا جب مشرکین نے آپ ﷺ سے اس بارے میں بہت زیادہ سوال کیے تو سول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا تا کہ اسے پہچان لیں

تو اپ ﷺ سے یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ سوال نہ کریں آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مشرکوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہو جو انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا یعنی آپ ﷺ کو اس سے کیا غرض یہاں تک کہ وہ اس کی وضاحت آپ سے پوچھیں آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ذِکریٰ، ذِکر کے معنیٰ میں ہے اِلیٰ رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا یعنی اس کے علم کی انتہا تیرے رب کے پاس ہے قیامت کے وقوع کا علم کسی اور کے پاس نہیں یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ الاعراف ۱۸۷(فرما دیجئے اس کا علم میرے رب کے پاس ہے

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان ۳۴) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ آج سورۃ النازعات کی تفسیر مکمل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عالی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر اسے میرے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میرے اساتذہ و مشائخ کے لیے، میرے معاونین و مساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور ہم سب کے لیے اسے ذریعہ نجات

بنائے اور امت مسلمہ کے ایک ایک فرد کے لیے اسے نافع اور مفید بنائے اور سب کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

خادم اسلام

محمد عبدالشکور اسد عفی عنہ

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور کینٹ

۲۵ جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک شب ۲ بجکر انتالیس منٹ

عبس

عمرو بن مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان

سوال سورۃ عبس کا شان نزول کیا ہے؟ یہ کس تناظر میں نازل ہوئی؟

جواب یہ سورت حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جو نابینا تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھے ہدایت دیجئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تبلیغ فرمارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی دخل اندازی ناگوار گزری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے اعراض کیا اور دوسروں کی طرف متوجہ رہے، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کے خیال میں میری بات میں کوئی حرج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی (سنن ترمذی)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى {۱} اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى {۲} وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى {۳} اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى {۴} اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى {۵} فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى {۶} وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى {۷} وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى {۸} وَهُوَ يَخْشٰى {۹} فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى {۱۰} كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ {۱۱} عبس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ اَقدس پر ناگواری آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پھیر لیا۔ اس لیئے کہ ان کے پاس وہ نابینا آگیا تھا۔ اور (اے پیغمبر) آپ کو کیا خبر؟ شاید وہ سدھر جاتا۔ یا وہ نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت کرنا اسے فائدہ پہنچاتا۔ وہ شخص جو بے پروائی دکھا رہا تھا۔ اس کے تو آپ پیچھے پڑتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی۔ اور وہ جو محنت کر کے تمہارے پاس آیا ہے۔ اور وہ دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے۔ اس کی طرف سے آپ بے پروائی برتتے ہو۔ ہرگز ایسا نہیں چاہیے۔ یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے۔

نبی رحمت ، آقائے نامدار ﷺ ایک روز مسجد الحرام میں جلوہ افروز تھے، آپ کے سامنے سردارانِ قریش میں سے عتبہ بن شیبہ ، ربیعہ بن شیبہ ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، ولید بن مغیرہ اور دوسرے بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ انہیں دین اسلام کی خوبیاں اور صنم پرستی کی قباحتیں اور برائیاں سمجھا رہے تھے، نبی کریم ﷺ ان لوگوں سے ہم کلام تھے کہ اسی دوران بنی عامر بن لوئی میں سے آپ ﷺ کے ایک حب دار، مخلص صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ فہری تشریف لے آئے، یہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں، نابینا ہونے کی وجہ سے انہیں مکتوم کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے انہی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اعمیٰ فرمایا ہے۔

ان کی والدہ کو ام مکتوم کہا جاتا ہے، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، نبی کریم ﷺ دعوت و تبلیغ میں ان رؤساء قریش کے ساتھ اس قدر منہمک اور متوغل تھے کہ عبد اللہ کی آمد کو اس وقت مناسب خیال نہیں فرمایا، آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ نابینا ہونے کی وجہ سے اس محفل اور اس میں ہونے والی گفتگو کی اہمیت کا اسے اندازہ نہیں ہو گا تو بے موقع و محل کوئی بات کر دے گا، جس سے ساری توجہ بٹ جائے گی، گفتگو کا تسلسل نہ رہے گا، جب کہ یہ موقع بار بار ہاتھ نہیں آتا کہ اس قدر بڑے سردار آج آپ ﷺ کی محفل اَقدس میں یکجا تھے۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ محفل کی نزاکت کا خیال کیے بغیر آپ ﷺ کے قریب آکر بیٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! مجھے قرآن کریم کی فلاں فلاں سورۃ سکھا دیجیے، میرے حال پر توجہ فرمایئے، میں کسی ہاتھ پکڑنے والے کے بغیر پوچھ پوچھ کر آپ ﷺ کی محفل پاک میں پہنچا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے ان سردارانِ قریش کی وجہ سے تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی، عبد اللہ سے فرمایا کہ ذرا ٹھہر جاؤ، عبد اللہ کچھ دیر رکے، پھر تھوڑی دیر بعد محفل کی نزاکت سمجھے بغیر دوبارہ سے

آپ ﷺ سے فرمائش کرنے لگے، اپنے مقصد کی بات کرنے لگے، عبد اللہ جلدی کا تقاضا فرما رہے تھے، عبد اللہ کی جلد بازی اور آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا سرداران قریش کی تنگ دلی کا سبب بن سکتا تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر ناگواری کے آثار دکھائی دینے لگے، آپ ﷺ رخِ انور ان کی طرف سے ہٹا کر ان سردارانِ قریش کی طرف متوجہ ہو گئے، کائنات کے غیّور خدا کو اس غریب نابینا صحابی کی طرف توجہ نہ دینے پر نبی کریم ﷺ کو بھی یوں مخاطب کرنا پڑا کہ آپ ﷺ نے اس کی آمد پر ناگواری کا اظہار کیا اور اس سے منہ پھیر لیا۔

جبریل علیہ السلام جب یہ آیات نبی کریم ﷺ کے سینہ اطہر پر القاء فرما رہے تھے تو آپ ﷺ کے رُخ تاباں کا رنگ بدل رہا تھا، آپ ﷺ کافی خوف محسوس فرما رہے تھے، كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ کے الفاظ پر جب جبریل پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے مسرت اور شادمانی کا اظہار فرمایا اور بدلتے چہرے کا رنگ اپنی جگہ پر بحال ہوا۔

عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی توجہ نہ پا کر اٹھ کر اپنے کاشانہ کی سمت چل دیے، نبی کریم ﷺ سردارانِ قریش سے فراغت پا کر عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے جا کر معذرت فرمائی، پھر انہیں اپنے ہمراہ اپنے دولت خانہ پر لائے، ان کے لیے آپ ﷺ نے چادر مبارک بچھائی، انہیں اس پر بٹھایا۔

اس کے بعد عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب بھی آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں تشریف لاتے تو آپ ﷺ ان کا اکرام اور تعظیم کرتے تھے، ان کی قدر افزائی فرماتے تھے اور انہیں مرحبا کے الفاظ سے یاد کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جس کے لیے میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا۔

پھر عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جہاں بھی دیکھتے تو ان سے فرماتے کہ تمہاری کوئی ضرورت ہو، کوئی کام ہو تو مجھے بتاؤ، یہی وہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں جن کو نبی کریم ﷺ اپنے دو غزوات کے

موقع پر مدینہ منورہ میں امامت کی ذمہ داری سونپ کر گئے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ شروع شروع میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا تھا، آپ اولین مہاجرین میں سے ایک تھے، آپ کی والدہ عاتکہ بنت عامر بن مخزوم تھیں، حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ماموں کے بیٹے تھے۔

جنگ قادسیہ میں شہادت کا جام شیریں نوش جاں کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے معرکہ میں انہیں زرہ پہنے ہوئے سیاہ جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے دیکھا۔

قرآنی آیات کی عظمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ {۱۲} فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ {۱۳} مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ {۱۴} بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ {۱۵} كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ {۱۵} عبس.

جواب ترجمہ: اب جو چاہے، اسے یاد کرلے۔ وہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو بڑے مقدس ہیں۔ اونچے رتبے والے ہیں، پاکیزہ ہیں۔ ان لکھنے والوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔ جو خود بڑی عزت والے، بہت نیک ہیں۔

یہ قرآنی آیات نصیحت و موعظت کا سامان ہے، جو چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور اپنی بگڑی بنالے اور جس کا جی چاہے ان سے روگردانی کرے، ان لوگوں کو کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی ضرورت ہے، اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متکبر اغنیاء اگر قرآن کو نہ پڑھیں اور اس نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی برا کریں گے، قرآن کو ان کی کچھ پروا نہیں، نہ آپ کو اس درجہ ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہے، ایک عام نصیحت تھی سو کردی گئی جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پرکھے اور سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ: صحیفہ لکھے ہوئے ورق کو کہتے ہیں۔ جمع کی صورت میں یہ بعض اوقات کتاب کے لئے بھی آتا ہے۔ یہاں اس سے اشارہ لوح محفوظ کی طرف ہے۔

مُكَرَّمَةٍ یعنی وہ ایک عزیز، گراں مایہ اور قیمتی خزانہ ہے جس کی حفاظت اللہ کے فرشتے نہایت اہتمام سے کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نہ اس تک ہر ایک کی رسائی ہے اور نہ ہر ایک اس کا اہل ہے کہ اس میں سے کچھ لے یا پا سکے بلکہ یہ اللہ ہی ہے کہ اس میں سے جس کو چاہتا ہے کچھ بخشتا ہے اور اسی نے تمہیں اس خزانے سے بخشا ہے تو اس نعمت سے انہی کو بہرہ مند کرو جو اس کے اہل ہیں، نااہلوں کے آگے ان موتیوں کو نہ ڈالو، یہ بات انجیل میں بھی نہایت مؤثر تمثیل کی صورت میں آئی ہے (تدبر قرآن)

مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ: اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ساتویں آسمان میں بلند ہیں یہ یحییٰ بن سلام کا نقطہ نظر ہے، طبری نے کہا، ان کا ذکر اور قدر بلند ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ شبہ اور تناقض سے بلند ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا وہ ہر میل سے پاک ہے، امام سدی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کفار اس کو پائیں، حضرت حسن بصری نے کہا، یہ اس سے پاک ہیں کہ کفار پر نازل ہوں، ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن فرشتوں کے لیے صحیفوں میں ثبت کر دیا گیا ہے وہ انہیں پڑھتے ہیں اور وہ صحیفے مکرم اور بلند اور پاکیزہ ہیں۔ (قرطبی)

یہ دونوں صفتیں بھی اس کے مکرم ہونے کے پہلو ہی کی وضاحت کے لئے آئی ہیں۔ صفت، مرفوعۃ، معنی اور درجہ دونوں قسم کی بلندیوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے، دوسرے مقام میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ (الزخرف ۴) اور یہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے، نہایت بلند اور پر حکمت۔

مُطَهَّرَةٌ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ قرآن مجید شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی دسترس سے بالکل محفوظ ہے۔ مثلاً فرمایا ہے، فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة۔ ۷۹،۷۸) وہ ایک محفوظ کتاب میں ہے، جس تک صرف پاکیزہ ہاتھوں ہی کی رسائی ہے (تدبر)

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ، كِرَامٍ بَرَرَةٍ: یہ ان ملائکہ کی صفت بیان ہو رہی ہے جن کی امانت میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عزیز کو محفوظ فرمایا ہے۔ اوپر لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ والی آیت کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ اس میں جو بات منفی پہلو سے فرمائی گئی ہے وہی بات یہاں مثبت پہلو سے فرمائی گئی ہے، گویا پوری بات یوں ہے کہ اس کتاب عزیز تک اَرواحِ خبیثہ کی رسائی نہیں ہے بلکہ یہ ان پاک فرشتوں کی تحویل میں ہے جو نہایت باعزت اور نہایت باوفا ہیں۔

سَفَرَةٌ جمع ہے "سفر" کی جس کے معنٰی قاری و کاتب کے ہیں۔ 'سفر' پڑھنے اور لکھنے دونوں کے معنی میں آتا ہے، اس کے اشتقاق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل معنٰی ہیں تو لکھنے کے لیکن پڑھنے اور بیان کرنے کے مفہوم میں یہ وسیع ہو گیا ہے۔

لفظ کِرَامٌ میں ان کی عالی مقامی اور بلند کرداری کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسے بلند مرتبہ اور معزز ہیں کہ ان سے کسی خیانت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، نہ وہ اس میں خود کمی بیشی کر سکتے، نہ یہ امکان ہے کہ جنات و شیاطین کو اس تک رسائی کا کوئی موقع دیں۔ بَرَرَةٌ جمع ہے بَارٌّ کی۔ بَار کہتے ہیں فرماں بردار، باوفا اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے کو۔ یہ صفت ان کی امانت داری کے وصف کو مزید نمایاں کرنے کے لئے آئی ہے مثلاً فرمایا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (الشعر آء۔) یہ کلام جبریل امین کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے۔ (تدبر)

انسانی ناشکری پر اِظہار تعجب

سوال ترجمہ کریں اور بتائیں کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ{۱۷}عبس.

جواب ترجمہ: خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے۔

جو لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکاری تھے ان کی یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گزار ہے اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ عموماً تمام انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کی کمی کے جھٹ سے اللہ کی باتوں کی تکذیب کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا قُتِلَ لُعِنَ کے معنٰی میں ہے یعنی اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، عُذِّبَ اسے عذاب دیا جائے، انسان سے مراد کافر ہے، امام تفسیر مجاہد فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ ہیں اس سے مراد کافر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں نازل ہوئی، وہ ایمان لایا تھا جب سورۃ نجم نازل ہوئی تو وہ مرتد ہو گیا تھا اس نے کہا، میں تمام قرآن پر ایمان لایا سوائے سورۃ النجم کے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں یعنی عتبہ پر لعنت ہو کیونکہ اس نے قرآن کا انکار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بد دعا کی اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبَكَ أَسَدَ الْغَاضِرَةِ اے اللہ اس پر غاضر کا شیر مسلط کر دے۔

وہ اس کے تھوڑے عرصہ بعد شام کی طرف تجارت کے لیے گیا جب وہ غاضرہ کے مقام پر پہنچا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد آگئی جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان سے اس نے کہا، اگر اس نے صبح زندہ انداز میں کی تو ان کے لیے ہزار دینار ہوں گے، ان ساتھیوں نے اسے درمیان میں رکھا اور اپنا سامان اس کے ارد گرد رکھ دیا، وہ اس حالت میں تھے کہ ایک شیر آیا جب وہ سامان کے قریب پہنچا تو اس نے

چھلانگ لگائی تو وہ عتبہ کے اوپر پہنچ گیا اور اسے پھاڑ دیا، اس کے باپ نے اس پر آہ زاری کی اور رویا اور کہا مَا قَالَ مُحَمَّدٌ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا كَانَ محمد نے جو بات بھی کی وہ پوری ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَا أَكْفَرَهُ کا معنیٰ ہے کس چیز نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے، ما تعجب کے لیے ہے عربوں کی عادت ہے جب وہ کسی چیز پر تعجب و حیرانی کا اظہار کرتے ہیں تو کہتے ہیں، قَاتَلَهُ اللّٰهُ مَا أَحْسَنَهُ! وَأَخْزَاهُ اللّٰهُ مَا أَظْلَمَهُ، اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ کتنا حسین ہے اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے وہ کتنا ظالم ہے، معنیٰ یہ ہو گا جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے بعد انسان کفر کرے تو اس پر تعجب کا اظہار کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر کتنی ناشکری کرنے والا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا احسان کیا ہے، یہ بھی تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔

ابن جریج نے کہا، مَا أَشَدَّ كُفْرَهُ وہ کتنا ہی شدید کافر ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے، ما استفہامیہ ہے یعنی وہ کون سی چیز ہے جو اسے کفر کی طرف دعوت دینے والی ہے۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے ما تعجب کا احتمال رکھتا ہے (تفسیر قرطبی)

انسانی پیدائش کے مراحل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ {۱۸} مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ {۱۹} ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ {۲۰} ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ {۲۱} ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ {۲۲} كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ {۲۳} عبس

جواب ترجمہ: (وہ ذرا سوچے کہ) اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفے کی ایک بوند سے، اسے پیدا بھی کیا، پھر اس کو ایک خاص انداز بھی دیا۔ پھر اس کے لیے راستہ بھی آسان بنا دیا۔ پھر اسے موت دی، اور قبر میں پہنچا دیا۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھا کر کھڑا کر دے گا۔ ہر گز نہیں! جس بات کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا، ابھی تک اس نے وہ پوری نہیں کی۔

ناشکروں پر پھٹکار اور لعنت بھیجنے کے بعد مجموعی لحاظ سے تمام انسانوں کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی کس قدر بھرمار ہے، انسان کی پیدائش سے لے کر انسان کے اختتام تک اللہ کی کس قدر نعمتیں اسے دی گئی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان اسی بات پر غور وحوض کرے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ ذرا سا شعور اور فہم رکھنے والا شخص پکار اٹھے گا کہ اسے ایک پانی کی حقیر بوند سے وجود میں لایا گیا، انسانی فہم میں یہ ایسا جواب ہے کہ دوسرا کوئی جواب یہاں بن ہی نہیں سکتا۔

قرآن کریم اور احادیث میں انسانی تخلیق کے مراحل بیان کیے گئے ہیں، پانی کی ایک بوند کے بعد اسے لوتھڑے میں ڈھالا گیا، لوتھڑے سے بوٹی، بوٹی سے ہڈی اور پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا گیا، پھر اس میں روح پھونکی گئی، پھر شکم مادر میں اس کے نین نقش بنائے گئے، اس کی صورت وشکل بنائی گئی۔

اندھیروں میں صورت گری کے باوجود اسے خاص اندازے اور حکمت بالغہ سے بنایا گیا، اس کی جسمانی ڈیل ڈول، اس کی ساخت اور پرداخت، اس کا طول وعرض، اس کا جوڑ جوڑ اور بند بند بہترین انداز میں بنایا گیا، ایک جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ اور اعضاء صرف بنائے ہی نہیں گئے بلکہ خوبصورت انداز میں سجائے گئے ہیں۔

پھر جسمانی تکمیل کے بعد اسے ایک خاص مدت کے بعد شکم مادر سے شکم دنیا میں لایا گیا، اس کی آمد کے لیے آسانی پیدا کی گئی، اسے فرشتوں کے پروں پر باہر لایا گیا، پھر اسے طاقت دی گئی، پھر اسے ایک زندگی دی گئی، وہ زندگی اللہ کے علم میں طے اور مقرر تھی، پھر اس طے شدہ زندگی کے بعد اسے موت دی گئی، پھر اسے پاتال کے سپرد کر دیا گیا، پھر اسے پاتال سے ایک وقت آنے پر دوبارہ اٹھالیا جائے گا۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ: ہرگز نہیں، اس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا"۔ بات مطلق انسان کی ہورہی ہے، تمام افراد انسان کی ہر دور کے انسان اللہ کے احکام بجالانے میں کوتاہی کرتے ہیں، اپنی پوری زندگی میں ان کی روش یہی ہوتی ہے۔ لَمَّا سے اس مفہوم کی طرف اشارہ

ہوتا ہے، ہر گز نہیں، انسان ہر صورت میں قصور وار ہے، یہ اپنے فرائض ادا نہیں کرتا، وہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھی پیش نظر نہیں رکھتا، حالانکہ یہ بات ہر وقت اس کے پیش نظر ہونی چاہیے، نیز وہ اپنے خالق، اپنے ہادی اور اپنے کفیل کا حق شکر بھی ادا نہیں کرتا اور اس زندگی کا مختصر سا سفر اس طرح نہیں طے کرتا کہ اس کے اقدامات آخرت کو پیش نظر رکھ کر ہوں، مجموعی طور پر انسان کی حالت ایسی ہی ہے کہ اکثریت نافرمان ہے، ناشکری ہے، ہدایت سے بے نیاز اور متکبر ہے۔ (فی ظلال القرآن)

انواع واقسام کی نعمتوں کا تقاضا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ {۲۴} اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا {۲۵} ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا {۲۶} فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا {۲۷} وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا {۲۸} وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا {۲۹} وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا {۳۰} وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا {۳۱} مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ {۳۲} عبس

جواب ترجمہ: پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے۔ کہ ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلے اگائے۔ اور انگور اور ترکاریاں۔ اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور میوے اور چارہ۔ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کی خاطر۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا پھر اسے جو رزق دیا گیا اس کا ذکر کیا تو اسے انسان دیکھے تو سہی اللہ تعالیٰ نے اس کا کھانا کیسے پیدا کیا یہ نظر دل کی نظر ہے کہ وہ فکر کرے یعنی وہ غور و فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے کو کیسے پیدا کیا جو اس کی زندگی کا سہارا ہے اور اس کے لیے کیسے زندگی کے اسباب کو بنایا تاکہ وہ آخرت کی تیاری کرے۔

طَعَام: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے کھانے اور قضائے حاجت کی طرف دیکھے، ضحاک بن سفیان کلابی کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ضحاک! تیرا

کھانا کیا ہے ؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ ! گوشت اور دودھ۔ فرمایا پھر وہ کیا ہو جاتا ہے ؟ میں نے عرض کی وہی جسے آپ جانتے ہیں فرمایا انسان سے جو نکلتا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ اس کی مثال بیان کی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **إِنَّ مَطْعَمَ ابْنِ آدَمَ جُعِلَ مَثَلًا لِلدُّنْيَا وَإِنْ قَزَحَهُ وَمَلَّحَهُ فَانْظُرْ إِلَى مَا يَصِيرُ**، انسان کے کھانے کو دنیا کی مثال بنادیا گیا اگرچہ وہ اسے لذیذ بنانے کے لیے مصالحہ ڈالے اور اسے نمکین بنائے دیکھو تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ابوالولید نے کہا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا وہ بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے تو اس کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے اسے دیکھتا ہے، فرمایا **يَأْتِيهِ الْمَلَكُ فَيَقُولُ انْظُرْ مَا بَخِلْتَ بِهِ إِلَى مَا صار**؟ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے کہتا ہے دیکھو تو جس چیز میں بخل کرتا تھا اس کا انجام کیا ہوا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

مفسر قرآن حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے انسان کو غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے کھانے کی چیزوں میں غور کرے، یہ چیزیں زمین سے نکلتی ہیں۔ ان میں غلے بھی ہیں اور پھل بھی، انگور بھی ہیں اور زیتون بھی، کھجوریں بھی ہیں اور سبزیاں ترکاریاں بھی، نیز فواکہ بھی ہیں جنہیں بطور تفکہ کھاتے ہیں اور گھاس پھوس بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بن جاتا ہے، جن درختوں پر پھل آتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ اکا دُکا کوئی درخت کہیں نکل آیا بلکہ ان کے باغ ہیں جن میں بڑے بڑے درخت ہیں، ان میں خوب کثرت سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا: کھیتیاں ہوں یا باغ ان کا ظاہری سبب اللہ نے یہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ زمین پر پانی برساتا ہے وہ پانی زمین کے اندر جاتا ہے جو بیج گٹھلی کے ابھرنے کا سبب بن جاتا ہے اور پودے نکلتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ پانی صرف انسانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کرۂ ارض پر بسنے والی ہر جاندار

مخلوق کے لئے رب کریم کا عظیم انعام اور عطیہ ہے۔ پانی کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، مختصر وقت کے لئے بھی پانی نہ ملے تو انسان ہی نہیں حیوانات بھی زندگی کی نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں اور نباتات سے ان کی رونق اور سرسبزی و شادابی چھن جاتی ہے، پھر وہ پژمردگی کا شکار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ** اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ (الانبیاء ۳۰) یقیناً ہر چیز کے وجود پذیر ہونے میں اور اس کی بقا میں پانی کو بڑا دخل ہے اور پانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے۔

اب کوئی رب کریم کی اس نوازش اور عظیم نعمت پر غور کرے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے آب رسانی کا کتنا بہترین نظام جاری فرمایا، سمندروں کی شکل میں پانی کا وافر ذخیرہ کرۂ ارض پر پھیلا دیا، دریاؤں اور نہروں کی شکل میں خوشگوار اور میٹھا پانی جاری کر دیا، زمین کی تہہ میں پانی کی بھاری مقدار رکھ دی جسے انسان معمولی محنت و کوشش سے زمین کھود کر کنوؤں کی شکل میں حاصل کرتا ہے۔ اگر اللہ اس پانی کو اتنا نیچے کر دے کہ اس تک پہنچنا انسان کے بس میں نہ رہے تو کیا کوئی اور معبود یا قدرت والا ایسا ہے جو انسان کو میٹھا پانی دے سکے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے **:قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ**، تم کہہ دو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارا پانی زمین میں نچلی سطح پر اُتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے میٹھا پانی لے آئے؟۔ (الملک ۳۰)۔

پھر آب رسانی کی سب سے بہتر شکل جس کا ہر انسان مشاہدہ کرتا ہے وہ بارش کا نظام ہے کہ سورج کی گرمی جب سمندر کے پانی پر پڑتی ہے تو وہ بخارات بن کر بادل کی شکل میں اوپر کو اُٹھتا ہے، پھر یہ بادل ہواؤں کے دوش پر سفر کر کے جدھر اللہ کا حکم ہو ادھر برس پڑتے ہیں جس سے انسان اور دیگر مخلوق مستفید ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، **وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ** وہ اللہ ہی ہے جو لوگوں کے نااُمید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی

رحمت پھیلا دیتا ہے، وہی کارساز اور قابل تعریف ہے۔ (الشوریٰ ۲۸)

بارش کا یہ پانی تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں جمع ہو کر نہ صرف انسانوں کے پینے کے کام آتا ہے بلکہ اس سے مردہ زمین میں زندگی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس پانی کے ذریعہ ہی زمین سے انواع و اقسام کے درخت اور پودے اُگتے ہیں، غلہ، اناج اور لذیذ پھل نکلتے ہیں، اگر آسمان سے بارش کے نزول کا یہ بہترین نظام نہ ہو یا اللہ تعالیٰ بندوں کی نافرمانی اور گناہوں کے سبب بارش روک لے تو کیا یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ پانی جیسی زندگی کے لئے ضروری چیز کا کہیں سے انتظام کر سکے؟ یا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات ایسی ہے جو انہیں یہ نعمت عطا کر سکے؟ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کیجئے، ارشاد ہے

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ (٦٨) أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ (٦٩) لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ (٧٠) (الواقعہ) اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اسے بادلوں سے بھی تم ہی اُتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَعَ اللهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ (٦٠) (النمل) بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اُگا دیئے، ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اُگا سکتے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ (سیدھی راہ سے) ہٹ جاتے ہیں۔

پھر آگے مزید چند دلائل اور قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہے، أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَعَ اللهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (٦٤) (النمل) کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے

گا اور تمہیں آسمان و زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجئے اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا: پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔ پانی انڈیلنے کے بعد یہ تیسرا مرحلہ ہے، یہ بات بالکل ابتدائی اور پتھر کے دور کے انسان کی سمجھ میں بھی آتی تھی جو دیکھتا تھا کہ پانی آسمانوں سے برس رہا ہے اور یہ خدا کی قدرت سے برس رہا ہے اور اس میں انسان کی تدبیر اور تقدیر کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کے بعد وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ زمین کو پھاڑ کر اس کی مٹی میں جذب ہوتا تھا، یا وہ دیکھتا تھا کہ زمین کی مٹی اللہ کی قدرت سے شق ہونا ہوتی ہے، اس سے نباتات نکلتے ہیں اور فضا میں بلند ہوتے ہیں، اور زمین نہایت بھاری اور مضبوط ہوتی ہے لیکن یہ دستِ قدرت ہی ہے جو اس مضبوط زمین کو شق کر کے اس کے اندر سے نرم و نازک پودے کو نکالنے میں مدد دیتا ہے، یہ بھی ایک معجزہ ہے جسے ہر انسان دیکھتا ہے جو پودے اور مٹی کا مشاہدہ رکھتا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کے اندر ایک خفیہ قوت کام کر رہی ہے اور یہ نہایت ہی مہربان قوت ہے۔ (فی ظلال القرآن)

حَبًّا: پھر اس میں غلے اگائے، اس سے تمام نباتات مراد ہیں، جن کو انسان کسی نہ کسی صورت میں استعمال کرتے ہیں اور جن کو مویشی کسی نہ کسی صورت میں اپنی غذا بناتے ہیں۔ (فی ظلال القرآن)

عِنَبًا: کے بارے میں حضرات مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان کے درخت بڑے بڑے ہوتے ہیں اس میں تن آور ہونا پھیلنا، شاخوں کا گنجان ہونا، سب داخل ہیں۔

قَضْبًا: حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا، اسے قضب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ظہور کے بعد اسے بار بار کاٹا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، اس سے مراد ترکھجوریں ہیں کیونکہ انہیں کھجور کے درخت سے کاٹا جاتا ہے۔ (قرطبی) قضب ان سبزیوں کو کہا جاتا ہے جو سبزی کے طور پر کھائی جاتی ہیں اور ان کو بار بار کاٹا اور چنا جاتا ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

زَيْتُونًا: اس سے مراد مشہور درخت ہے جس سے زیتون پیدا ہوتا ہے، اس کی عظمت کا اندازہ اسی

بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کی سورۃ التین میں زیتون کی قسم کھائی گئی ہے، زیتون ایک درخت ہے جو تین میٹر کے قریب اونچا ہوتا ہے اس میں بیج کی شکل کا پھل لگتا ہے جو غذائیت سے بھرپور ہے لیکن اپنے ذائقے کی وجہ سے پھل کی صورت میں زیادہ مقبول نہیں اس کے باوجود ترکی اٹلی اور یونان اور مشرقی وسطیٰ میں اس کا پھل بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے جبکہ یورپ میں اس کا اچار شوق سے کھایا جاتا ہے یہ درخت یورپ کیلیفورنیا اٹلی اور آسٹریلیا کے علاوہ دیگر ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے۔

زیتون کا پھل زیتونہ کہلاتا ہے اس پھل سے جو تیل حاصل کیا جاتا ہے اسے روغن زیتون کہا جاتا ہے زیتون اور روغن زیتون کے بے شمار فوائد اور خواص ہیں روغن زیتون سب سے زیادہ پیٹ کے امراض کے لئے شافی اور مفید ہوتا ہے یہ پتھری کو توڑ کر نکالتا ہے اور قبض کشا بھی ہے معدے کے افعال کو درست کر کے بھوک بڑھاتا ہے اور آنتوں کے لئے بھی نہایت مفید ہے اس کے استعمال سے پتے کی پتھری ٹوٹ کر خارج ہو جاتی ہے زیتون کا تیل تھوڑی مقدار میں دودھ کے ساتھ ملا کر پینے سے السر سے نجات ملتی ہے اور معدے کی تیزابیت ختم ہوتی ہے دائمی اور پرانی قبض ختم کرنے کے لئے ایک تولہ روغن زیتون کو جو کے گرم پانی میں ڈال کر پئیں تو دو تین دن کے اندر قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

نَخلاً: اس سے کھجور کا درخت مراد ہے، جس کی تفصیل ہم اسی تفسیر میں پیچھے بیان کر آئے ہیں۔

حَدَائِق: حدیقۃٌ کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری بنادی گئی ہو وہ حدیقہ ہے اور جس کی چار دیواری نہ ہو وہ باغ تو ہے حدیقہ نہیں۔ قرطبی)

غُلبًا: غلب سے مراد جس کے درخت موٹے ہوں یہ جملہ بولا جاتا ہے، شَجَرَةٌ غَلْبَاءُ، شیر کو بھی الْأَغْلَبُ کہتے ہیں کیونکہ اس کی گردن موٹی ہوتی ہے وہ کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے، عجاج نے کہا،

مَازِلْتُ يَوْمَ الْبَيْنَ أَلْوِي صُلْبِي ... وَالرَّأْسَ حَتَّى صِرْتُ مِثْلَ الْأَغْلَبِ

جدائی کے روز میں لگاتار اپنی پشت اور سر کو موڑتا رہا یہاں تک میں شیر کی طرح ہو گیا، موٹی گردن والے آدمی کو عربی زبان میں رَجُلٌ أَغْلَبُ کہا جاتا ہے۔

حَدِيقَةٌ غَلْبَاءُ اس باغ کو کہتے ہیں جو گھنا ہو، اسی طرح حَدَائِقُ غُلْبٌ وَاغْلَوْلَبَ الْعُشْبُ اسے کہتے ہیں جب جڑی بوٹیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، اَلْغُلْبُ، اَغْلَبَ اور غَلْبَاءُ کی جمع ہے اس سے مراد موٹے درخت ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ مروی ہے، اس سے مراد لمبے درخت ہیں۔

قتادہ رحمہ اللہ اور ابن زید رحمہ اللہ نے کہا، غُلب سے مراد کھجور کے اچھے درخت ہیں ابن زید رحمہ اللہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے موٹے تنے والوں کو کہتے ہیں، مجاہد رحمہ اللہ نے کہا، جن کی شاخیں باہم پیوست ہوں۔ (قرطبی)

فَاكِهَةً: وہ پھل جن کو مزہ کے لیے کھایا جاتا ہے اسی جگہ سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے فاکہہ نہ کھانے کی قسم کھالی تو کھجور، انگور اور زیتون کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی (کیونکہ یہ پھل طاقت کے لیے کھائے جاتے ہیں، تنہا مزہ کے لیے نہیں کھائے جاتے) اسی طرح اس پھل کو کھانے سے بھی قسم نہیں ٹوٹے گی جس سے مقصود غذائیت اور دوائیت دونوں ہوتے ہیں جیسے انار۔ (تفسیر مظہری)

أَبًّا: اَبّ، سے مراد ایسی گھاس جسے جانور کھاتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا، اَبّ ان چیزوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین اگاتی ہے لوگ اسے نہیں کھاتے، جسے انسان کھاتے ہیں اسے حصید کہتے ہیں اسی معنی میں شاعر کا قول ہے جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا

لَهُ دَعْوَةٌ مَيْمُونَةٌ رِيحُهَا الصَّبَا ... بِهَا يُنْبِتُ اللّٰهُ الْحَصِيدَةَ وَالْأَبَّا

آپ کی دعوت مبارک ہے اس کی خوشبو باد صبا جیسی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حصیدہ اور اب اگاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے، اس کو اَبّ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا قصد کیا جاتا ہے اور اسے کاٹنے

کے لیے اس کی طرف جایا جاتا ہے اَبّ اور ام دونوں ہم معنی ہیں۔ شاعر نے کہا:

جِذْمُنَا قَيْسٌ وَنَجْدٌ دَارُنَا ... وَلَنَا الْأَبُّ بِهِ وَالْمَكْرَعُ

ہماری اصل (جد اعلیٰ) قیس ہے اور نجد ہمارا ملک ہے وہاں ہمارے لیے بہترین گھاس اور عمدہ پانی ہے۔

ضحاک رحمہ اللہ نے کہا، اَبّ، اس چیز کو کہتے ہیں جو روئے زمین پر اُگے۔ ابورزین رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اس سے مراد نباتات ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے اَبّ سے مراد وہ چیز ہے جسے زمین اگاتی ہے جسے لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اَبّ سے مراد تازہ پھل ہیں، ضحاک رحمہ اللہ نے کہا اس سے مراد خاص طور پر انجیر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ شاعر نے کہا،

فَمَا لَهُمْ مَرْتَعٌ لِلسَّوَا ... مِ وَالْأَبُّ عِنْدَهُمْ يُقْدَرُ

ان کے ہاں جو چوپاؤں کے لیے چراگاہیں نہیں اور خوراک بھی ان کے پاس کم ہے۔ (قرطبی)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ: یہ چیزیں ہم نے تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا تمہاری نفع رسانی کے لئے ہونا تو بالکل واضح ہے اور اس امر میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب نعمتیں تمہارے پروردگار کے فضل سے حاصل ہوتی ہیں تو اب تم سوچو کہ ان انعامات کے بعد تمہارے اوپر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ آخری بات اگرچہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن سیاقِ کلام سے یہ خود واضح ہے، اس لئے کہ اُوپر سے اصل بحث ہی یہی چلی آرہی ہے کہ یہ ضدی اور مغرور لوگ اپنے ربّ کی ناشکری اس وجہ سے نہیں کر رہے ہیں کہ ان پر خدا کے حقوق واضح نہیں ہیں یا یہ اپنی ذمہ داریوں کے شعور سے نابلد ہیں بلکہ یہ جان بوجھ کر محض اکڑ اور ضد کے سبب سے پیغمبر کی کوئی بات اپنی خواہشوں کے خلاف سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ (تدبر قرآن)

قیامت کا ہولناک منظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ {۳۳} یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ {۳۴} وَاُمِّهٖ وَاَبِیۡهِ {۳۵} وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیۡهِ {۳۶} لِکُلِّ امۡرِیٍٔ مِّنۡهُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡهِ {۳۷} عبس.

جواب ترجمہ: آخر جب وہ کان پھاڑنے والی آواز آ ہی جائے گی۔ (اس وقت اس ناشکری کی حقیقت پتہ چل جائے گی) یہ اس دن ہو گا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی۔ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی۔ (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہو گی کہ اسے دوسروں کا ہوش نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صاخہ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور ان کا شور و غل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا، اس دن انسان اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھاگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بیشک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا بہت پیار محبت سے رکھا یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں، تو وہ جواب دے گی کہ سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی، بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا۔

صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اُولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں اللہ کے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لیے کچھ نہ کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بھی کچھ نہ کہوں گا جن

کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں، الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا، ہر ایک آپا دھاپی میں لگا ہو گا، کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ اللہ کے ہاں جمع کیے جاؤ گے آپ ﷺ کی بیوی صاحبہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر تو ایک دوسروں کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز گھبراہٹ کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کیے ہوئے ہو گا، بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقع اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم)

روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتاؤں گا پوچھا یارسول اللہ! لوگوں کا حشر کس طرح ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں، یہ سن کر ام المومنین افسوس کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے یا نہیں؟ پوچھا یارسول اللہ! وہ آیت کونسی ہے فرمایا لِكُلِّ امْرِءٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ، ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کیے جائیں گے پسینے میں غرق ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ جائے گا (ابن کثیر)

جنتیوں اور دوزخیوں کے چہرے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ {۳۸}ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ {۳۹}وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ {۴۰} تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ {۴۱}أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ {۴۲} عبس.

جواب ترجمہ: اس روز کتنے چہرے تو چمکتے دمکتے ہوں گے۔ ہنستے، خوشی مناتے ہوئے۔ اور کتنے چہرے اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر خاک پڑی ہو گی۔ سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہو گا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو کافر تھے، بدکار تھے۔

مُسْفِرَةٌ: کچھ چہرے چمکدار اور روشن ہوں گے انہیں اپنی کامیابی اور مقدر نعمتوں کا علم ہو چکا ہو گا۔ یہ مؤمنوں کے چہرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جس کرامت سے نوازا ہو گا اس کی وجہ سے خوش و خرم ہوں گے۔ حضرت عطا خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ طویل عرصہ تک اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوتے رہے اس وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں وضو کے آثار کی وجہ سے وہ روشن ہوں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، راتوں کو عبادت کرنے کی وجہ سے روشن ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ (قرطبی) جس کی رات کی نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

غَبَرَةٌ: غبرہ سے مراد غبار اور دھواں ہے ترھق کا معنی چھا جانا ہے۔

قَتَرَةٌ: قترہ کا معنی ہے گرہن اور سیاہی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ذلت اور سختی، کلام عرب میں قَتَرٌ سے مراد غبار ہے یہ قَتَرَةٌ کی جمع ہے۔

حدیث شریف میں ہے إِنَّ الْبَهَائِمَ إِذَا صَارَتْ تُرَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُوِّلَ ذٰلِكَ التُّرَابُ فِي وُجُوهِ الْكُفَّارِ جب قیامت کے روز چوپاؤں کو مٹی بنا دیا جائے گا تو اس مٹی کو کافروں کے مونہوں پر ڈال دیا جائے گا۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ نے کہا، قترہ اس مٹی کو کہتے ہیں جو آسمان کی طرف بلند ہو اور غبرہ اس مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کی طرف آئے، غبار اور غبرہ ایک ہی چیز ہے۔ (قرطبی)

الحمدللہ ثم الحمدللہ سورۃ عبس کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اللہ اسے ہماری فلاح دارین کا ذریعہ بنائے، اللہ اسے میرے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میرے اساتذہ اور مشائخ کے لیے، میرے معاونین ومساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ہم سب کی نجات وفلاح کا ذریعہ وسبب بنائے، اللہ اس کی تمام خوبیاں قبول فرمائے اور خامیوں، کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے، آمین یاالہ العالمین بحرمۃ النبی الکریم

خادم اسلام

محمود الحسن عباسی عفی عنہ

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور کینٹ

۲۶ جنوری ۲۰۲۰ء بروز اتوار ۴ بج کر ۱۰ منٹ شب

حروف بینی: ۲۲ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز منگل، بعد العِشاء والعَشاء

التکویر

قیامت کے مناظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ {۱}وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ {۲}وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ {۳}وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ {۴}وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ {۵}وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ {۶}وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ {۷}وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ {۸}بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ {۹}وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ {۱۰}وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ {۱۱}وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ {۱۲}وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ {۱۳}عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ {۱۴}التکویر

جواب ترجمہ: جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے۔ اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیوں کو بھی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے۔ اور جب سمندروں کو بھڑکایا جائے گا۔ اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنا دیے جائیں گے۔ اور جس بچی کو زندہ قبر میں گاڑ دیا گیا تھا، اس سے پوچھا جائے گا۔ کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے۔ اور جب آسمان کا چھلکا اتار دیا جائے گا۔ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ تو اس وقت ہر شخص کو اپنا سارا کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ: قیامت کی ہولناکی اور دہشت کو بیان کیا جا رہا ہے، کورت، تکویر، سے باب تفعیل ہے، جس کے معنی کسی شے کو لپیٹ دینے یا ایک گٹھڑ کی صورت میں باندھ لینے کے ہیں، عربی لغت میں کہا جاتا ہے **كَوَّرَ الْعِمَامَةَ عَلٰى رَاْسِهٖ** کے معنی ہیں اس نے عمامہ اپنے سر پر لپیٹ لیا۔

قیامت برپا ہونے کے ابتدائی مناظر بیان کیے جا رہے ہیں کہ قیامت کے ظہور کے وقت

آسمانوں بلکہ اس پوری کائنات کی سب سے زیادہ نمایاں اور شاندار چیز سورج کا جو حال ہو گا یہ اس کی تصویر ہے کہ اس کی بساط بالکل لپیٹ دی جائے گی، ظاہر ہے کہ جب سورج کی بساط ہی لپیٹ دی جائے گی تو وہ سارا عالم تیرہ و تار ہو جائے گا جو اس کی تابانی سے روشن ہے، اگرچہ سورج کے چھپنے کا مشاہدہ ہمیں آج بھی ہر روز ہوتا رہتا ہے لیکن اس کی نوعیت بالکل مختلف ہے، یہ صورت صرف اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ ہم اس سے اَوٹ میں ہو جاتے ہیں البتہ جب قیامت کی ہلچل برپا ہو گی تو سورج کا سارا نظام ہی بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، کون اندازہ کر سکتا ہے اس تاریکی کا جب کہ سرے سے سورج ہی تاریک ہو جائے۔ (تدبر قرآن)

سب سے بڑے قاری حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چھ نشانیاں قیامت کے دن سے پہلے لوگوں کے درمیان میں ان کے بازاروں میں ہوں گی، اچانک سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی، اس درمیان کہ وہ لوگ اسی طرح ہوں گے، اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے، وہ متحرک ہو کر مضطرب ہو جائے گی اور ایک دوسرے سے مل جائے گی اس حال میں جنات انسانوں کی طرف انسان جنات کی طرف گھبرا کر جائیں گے اور چوپائے اور پرندے اور وحشی جانور آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور مضطرب ہو کر بھاگنے لگیں گے۔

آیت وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ اور جب جنگلی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔ یعنی آپس میں مل جائیں گے آیت وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور جب سمندر جوش دیئے جائیں گے، یعنی انسان اور جنات کہیں گے کہ ہم تمہارے پاس خبر لائے ہیں سو تم سمندر کی طرف چلو، وہاں ایک آگ بھڑک رہی ہے، لوگ اسی حال میں ہوں گے اچانک زمین ایک زور دار دھماکہ کے ساتھ ساتویں زمین تک اور ساتویں آسمان تک پھٹ جائے گی، وہ اسی حال میں ہوں گے، اچانک ان کے پاس ایک ہوا آئے گی اور ان کو مار دے گی۔ (الاہوال لابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم، در منثور)

سورج کو لپیٹنے کی مراد بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں مراد اس سے یہ

ہے کہ آفتاب کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا جس کی گرمی سے سارا سمندر آگ بن جائے گا اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا ہے کہ اول آفتاب کو بے نور کر دیا جائے پھر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شمس و قمر قیامت کے دن دریا میں ڈال دیئے جاویں گے اور مسند بزار میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہنم میں ڈال دیئے جاویں گے۔

ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ رحمہ اللہ نے ان آیات کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ شمس و قمر اور تمام ستاروں کو سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر اس پر تیز ہوا چلے گی جس سے سارا سمندر آگ ہو جاوے گا، اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ شمس و قمر کو دریا میں ڈال دیا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست رہا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ سارا سمندر اس وقت جہنم بن جائے گا۔

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ: انکدار سے انکدرت ہے، جب ستارے گر جائیں گے اور بکھر جائیں گے ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا، وہ گر جائیں گے جس طرح عقاب گر پڑتا ہے، عجاج شکرہ کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

أَبْصَرَ خِرْبَانَ فَضَاءٍ فَانْكَدَرْ ... تَقَضِّيَ الْبَازِي إِذَا الْبَازِي كسر

شکرہ نے کھلی فضا دیکھی تو وہ نیچے گر گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لَا يَبْقَى فِي السَّمَاءِ يَوْمَئِذٍ نَجْمٌ إِلَّا سَقَطَ فِي الْأَرْضِ، حَتَّى يَفْزَعَ أَهْلُ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ مِمَّا لَقِيَتْ وَأَصَابَ الْعُلْيَا** اس روز آسمان میں کوئی ستارہ باقی نہیں بچے گا مگر وہ گر جائے گا یہاں تک کہ ساتویں زمین والے اس وجہ سے خوف زدہ ہو جائیں گے جو اس زمین کو مصیبت پہنچی اور اوپر والی زمینوں کو

مصیبت آئی۔

ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ گر جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے قندیلیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکی ہوئی ہیں، وہ زنجیریں نوری فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب پہلے صور پھونکا جائے گا تو زمین اور آسمان میں جو کوئی ہو گا مر جائے گا وہ ستارے ٹوٹ گریں گے اور فرشتوں کے ہاتھوں سے زنجیریں گر جائیں گی کیونکہ جو اسے پکڑے ہوئے تھا وہ مر گیا یہ بھی احتمال موجود ہے ان ستاروں کے ٹوٹ گرنے سے مراد اس کے آثار کا مٹ جانا ہے، ستاروں کو نجوم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں اپنی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انکدرت کا معنی ہے بدل جانا، ان کی روشنی باقی نہ رہے گی کیونکہ وہ اپنی جگہ پر نہیں رہیں گے۔ (قرطبی)

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ: اور جب پہاڑ چلائے جائینگے آج تو پہاڑ بڑے مضبوط نظر آتے ہیں۔ ان میں صرف زلزلے کے وقت تھوڑا بہت تغیر آتا ہے، ورنہ وہ تمام حوادثات صحیح سلامت گذر جاتے ہیں، قیامت کے روز یہی ناقابل تسخیر پہاڑ اُون کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ (معالم العرفان)

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب پہاڑوں کو زمین سے اُکھاڑ دیا جائے گا اور ہوا میں چلایا جائے گا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے، **وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً** (کہف ۴۷) جس روز پہاڑوں کو چلایا جائے گا اور آپ زمین کو عیاں دیکھیں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ان کے چلنے سے مراد پتھر کی حیثیت سے بدل جانا ہے تو وہ مجتمع مٹی کی طرح ہو جائیں گے یعنی وہ بہنے والی ریت ہو جائیں گے اور وہ دھنکی ہوئی اُون ہو جائیں گے وہ بکھرے ہوئے ذرّات ہو جائیں گے، وہ سراب کی طرح ہو جائیں گے اس سراب کی طرح جو کچھ بھی چیز نہیں، زمین کھلا میدان ہو جائے گی اس میں آپ کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: عشار جمع ہے عشرا کی، جو حاملہ اونٹنی دسویں مہینہ میں لگ جائے اسے عشراء

کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہو گی کہ بہتر سے بہتر مال کی بھی پرواہ نہ رہے گی قیامت کی ان بلاؤں نے دل اُڑا دیا ہو گا کلیجے منہ کو آئیں گے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن ہو گا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہو گا ہاں ان کے دیکھنے میں یہ ہو گا۔

اس قول کے قائل "عشار" کے کئی معنی بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان و زمین کے درمیان اُڑتے پھریں گے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد گھر ہیں جو پہلے آباد تھے اب ویران ہیں امام قرطبی ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں۔(ابن کثیر)

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ: اور وحشی جانور جمع کیے جائیں گے جیسے ارشاد ہے

{وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ} (الانعام ۳۸)

یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے، سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہو گا یہاں تک کہ مکھیاں بھی، ان سب میں اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا، ان جانوروں کا حشر ان کی موت ہی ہے۔

البتہ جن وانس اللہ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہو گا ربیع بن خُثیم نے کہا مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر اللہ کا امر آنا ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے خود قرآن میں اور جگہ ہے **{وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً}** (ص: ۱۹) پرند جمع کیے ہوئے۔ پس ٹھیک مطلب اس آیت کا بھی یہی ہے کہ وحشی جانور جمع کیے جائیں گے (ابن کثیر)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جب پہاڑی اور جنگلی جانور جمع کیے جائیں اور انہیں جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ پہاڑ اور جنگل تھے، وہ برباد ہو جائیں گے اور ہر طرف سے آگ اور دھواں ان کا تعاقب کرے گا، ناچار لوگوں کے مجمع میں امن کی جگہ سمجھ کے جانور اپنی طبع اصلی کو جو کہ نفرت اور وحشت ہے، چھوڑ کر آبادیوں کا رخ کرتے ہیں اور اس واقعہ سے صریح دلیل ملتی ہے کہ اس دن کا خوف اس قدر ہو گا کہ وحشی جانوروں کو انسان سے نفرت نہیں رہے گی اور بعض کو بعض کے ساتھ جو طبعی عداوت تھی وہ بھی پرہیز اور ضرر دینے کا باعث نہ ہو گی۔ (تفسیر عزیزی)

جانوروں کو قصاص کے بعد خاک کر دیا جائے گا، جنتیوں کو جو جانور مرغوب اور پسند ہوں گے وہ جنت میں رکھے جائیں گے، جیسے مور، گھوڑا اور دوسرے بھلے معلوم ہونے والے اور اچھی آواز والے جانور یا وہ جانور جن کا گوشت جنتیوں کو مرغوب ہو گا، ان کی غذا کے لیے جنت میں رکھے جائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نرم و نازک جانور جنت میں ہوں گے، اور ان کا ذائقہ ان سے بھی زیادہ فرحت افزا ہو گا، اور جو جہنمیوں کے عذاب میں زیادتی کا باعث ہوں گے جہنم میں جائیں گے، جیسے سانپ، بچھو اور مکھی جو کہ جلے ہوئے اعضاء پر بیٹھے گی اور تکلیف دے گی، جب کہ ان جانوروں کو جہنم کی آگ سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری مکھیاں جہنم میں ہوں گی۔

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: لفظ تسجیر اصلاً تنور کو ایندھن سے بھر کر بھڑکا دینے کے لئے آتا ہے پھر اسی مفہوم سے وسعت پا کر یہ دریاؤں اور سمندروں کی طغیانی کے لئے ہی آنے لگا، دریا جب بے قابو ہو کر اپنے حدود سے باہر نکل پڑیں اور زمین پر پھیل جائیں تو اس حالت کی تعبیر کے لئے یہ معروف لفظ ہے، اس معنی کو ادا کرنے کے لئے لفظ تفجیر بھی آیا ہے، مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ سمندر اپنے اپنے حدود کے اندر بند ہیں لیکن جب قیامت کی ہلچل برپا ہو گی تو یہ ابل کر تمام سطح پر چھا جائیں گے (تدبر)

قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی صورت یہ ہو گی اللہ تعالیٰ اس پردے کو ہٹا دے گا جس کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے، بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (الرحمن) ان کے درمیان آڑ ہے وہ ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے، جب وہ آڑ ختم ہو جائے گی تو سمندروں کا پانی کھل جائے گا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائے گا اور سب ایک سمندر بن جائیں گے، ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ جہنمیوں کی گرمی کی وجہ سے ایک سمندر بن جائے گا۔ (قرطبی)

دریا بھڑکائے جائیں گے اور ان کا پانی، دھواں اور آگ بن جائے گا، اس آگ اور دھوئیں کے ملنے کی وجہ سے ہوا گرمی اور حرارت پیدا کرے گی اور اہل محشر کی تکلیف کا باعث ہو گی، لیکن اہل ایمان اس دھوئیں کے شر سے محفوظ رہیں گے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ایمان والوں کو وہ دھواں اسی قدر پہنچے گا۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، واذا النفوس زوجت کا معنیٰ ہے ہر آدمی کو اس جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسا عمل کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، فاجر کو فاجر کے ساتھ اور صالح کو صالح کے ساتھ ملا دیا جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اس وقت ہو گا جب لوگ تین جماعتیں ہوں گی، سابقون ایک جماعت ہوں گے، اصحاب یمین ایک جماعت ہوں گے اور اصحاب شمال ایک جماعت ہوں گے۔

آپ سے ایک قول یہ بھی ہے مومنوں کے نفوس کو حور عین کے ساتھ ملایا جائے گا، کافروں کو شیاطین کے ساتھ ملایا جائے گا یہی صورت حال منافقوں کی ہو گی۔

آپ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ہر ایک جنتی اور جہنمی کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اعلانیہ طاعت کرتا تھا اس کو اس کی مثل کے ساتھ، درمیانے کو اس کی مثل کے ساتھ، نافرمان کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

تزویج کا معنی یہ ہے کہ ایک شے کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے، معنی یہ ہو گا جب نفوس کو جنت اور دوزخ میں اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے ہر ایک کو اسی بادشاہ یا حاکم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس کے ساتھ وہ دنیا میں رہتا تھا، جس طرح ارشاد فرمایا، اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ (الصافات ۲۲) ظالموں اور ان کی مثل کو جمع کرو۔

عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ نے کہا، انہیں ان کے اعمال کے مشابہ جوڑے بنا دیا جائے گا وہاں حقیقت میں کوئی جوڑا نہیں، اصحاب یمین ایک جوڑا ہیں، اصحاب شمال ایک جوڑا ہیں، سابقون ایک جوڑا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ ظالموں میں ان کی امثال کو جمع کر دو۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس کا معنیٰ ہے روحوں کو جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یعنی روحوں کو جسموں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا، ہر ایک کو اس کی جماعت کی ساتھ لاحق کر دیا جائے گا، یہودی کو یہودی کے ساتھ، نصاریٰ کو نصاریٰ کے ساتھ اور مجوسیوں کو مجوسیوں کے ساتھ، جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کیا کرتا تھا اسے اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا، منافقین کو منافقین کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور مومنوں کو مومنوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے، گمراہ کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا، جس نے اسے گمراہ کیا ہو گا وہ شیطان ہو یا انسان ہو قدرے مشترک بغض اور عداوت ہو گی، مطیع کو اس آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس نے اسے طاعت کی طرف بلایا وہ نبی ہو یا مومن ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے نفوس کو ان کے اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا، ان اعمال کا اس کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے تزویج کا نام دیا ہے۔ (قرطبی)

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ: مَوْءُودَة وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا جیسا کہ جاہلیتِ عرب میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے تھے اور زندہ ہی اس کو دفن

کر دیتے تھے اسلام نے یہ رسم بد مٹائی، اس آیت میں قیامت و محشر کے حالات کے بیان میں ارشاد ہوا کہ جب اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ در گور کر کے مار دیا گیا تھا، ظاہر الفاظ سے یہ ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہو گا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنے کا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونے کی پوری فریاد بارگاہ ربُّ العزت میں پیش کرے تاکہ اس کے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ مؤءودَہ لڑکی کے بارے میں اس کے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا؟ (معارف القرآن)

زمانہ جاہلیت میں لوگ بچیوں کو دو وجہوں سے زندہ در گور کیا کرتے تھے وہ کہتے، فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں وہ اپنی بیٹیوں کو اس کے ساتھ ملا دیتے۔ انہیں یا تو تنگ دستی کا خوف رہتا تھا یا گرفتار ہو جانے اور غلامی کا خوف ہوتا۔

اشراف ایسا نہ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے یہاں تک کہ فرزدق شاعر نے اس پر فخر کیا اور کہا،

وَمِنَّا الَّذِی مَنَعَ الْوَائِدَاتِ ... فَأَحْیَا الْوَئِیدَ فَلَمْ یُوأَدِ

ہم میں سے وہ لوگ ہو گزرے ہیں جو زندہ در گور کرنے والیوں کو روکتے تھے پس اس نے زندہ در گور کی جانے والی کو زندگی عطا کی اور اسے زندہ در گور نہ کیا۔

فرزدق کی مراد اس کا دادا ہے جس کا نام صعصعہ تھا وہ بچیوں کو ان کے والدین سے خرید لیتا اسلام لایا، اس نے ستر بچیوں کو زندہ در گور ہونے سے بچایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، دورِ جاہلیت میں ایک عورت پر جب وضعِ حمل کا وقت آتا تو وہ ایک گڑھا کھودتی اور اس گڑھے کے کنارے بچہ جنتی، اگر وہ بچی ہوتی تو اسے گڑھے میں پھینک دیتی اور اس پر مٹی ڈال دیتی اگر بچہ جنتی تو اسے روک لیتی۔

قتادہ رحمۃ اللہ نے کہا، دورِ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیٹی کو قتل کرتا اور اپنے کتے کو کھلا دیتا اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب کیا اور وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ قیس بن عاصم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! میں نے دور جاہلیت میں آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا تھا فرمایا، ہر ایک جانب سے ایک غلام آزاد کردے۔ عرض کی یارسول اللہ! میں تو اونٹوں والا ہوں فرمایا اگر چاہے تو ہر ایک کی جانب سے ایک اونٹ کی قربانی کردے۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي تَقْتُلُ وَلَدَهَا تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقًا وَلَدُهَا بِثَدْيَيْهَا، مُلَطَّخًا بِدِمَائِهِ، فَيَقُولُ يَا رَبُّ، هَذِهِ أُمِّي، وَهَذِهِ قَتَلَتْنِي (قرطبی) وہ عورت جو اپنے بچے کو قتل کرتی تھی قیامت کے روز آئے گی اس کا بچہ اس کے پستان سے چمٹا ہوگا جب کہ اپنے خون میں لت پت ہوگا اور وہ عرض کرے گا اے میرے رب! یہ میری ماں ہے اس نے مجھے قتل کیا ہے۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ: اور جب اعمال ناموں کو کھول دیا جائے گا جبکہ وہ پہلے لپٹے ہوئے تھے اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جو فرشتے لکھتے رہے جن میں ان لوگوں کے اچھے برے اعمال درج ہوں گے جن کو موت کے موقع پر لپیٹ دیا جائے گا اور قیامت کے روز انہیں پھیلا دیا جائے گا ہر انسان اپنے صحیفے پر کھڑا ہوگا اس میں جو کچھ ہوگا وہ اسے جانتا ہوگا وہ کہے گا، مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (الکھف: ۴۹) اس کتاب کو کیا ہوا یہ کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں چھوڑتی مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے

مرثد بن وداعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ تَطَايَرَتِ الصُّحُفُ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، فَتَقَعُ صَحِيفَةُ الْمُؤْمِنِ فِي يَدِهِ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ جب قیامت کا روز ہوگا تو عرش کے نیچے سے صحیفے اڑیں گے مومن کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، اس کا ذکر سورۃ الحاقہ میں فی جنۃ

عالیہ والی آیت میں ہے، کافر کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں ہو گا اس کا ذکر فی سموم وحمیم، وظل من یحموم، لا بارد ولا کریم۔ الواقعہ) میں ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً قیامت کے روز لوگوں کو ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھایا جائے گا۔

میں نے عرض کی یارسول اللہ! عورتوں کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا، اے ام سلمہ! لوگوں کو غافل کر دیا جائے گا میں نے عرض کیا کس نے انہیں اس سے غافل کیا؟ فرمایا صحیفوں کے پھیلنے نے جن میں ذرّہ اور رائی کے برابر اعمال لکھے ہوں گے۔ (قرطبی)

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ: کشط کے لغوی معنٰی جانور کی کھال اتارنے کے ہیں، بظاہر یہ حال قیامت کا نفخہ اولیٰ کے وقت کا ہے جو اسی دنیا میں پیش آئے گا کہ آسمان کی زینت جن ستاروں اور شمس وقمر سے تھی وہ سب بے نور ہو کر دریا میں ڈال دیئے جاویں گے آسمان کی موجودہ ہئیت بدل جاویگی، اس کو کشط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور بعض حضراتِ مفسرین نے کشط کے معنٰی لپیٹنے کے لکھے ہیں اور معنٰی آیت کے یہ ہو گئے کہ آسمان جو چھت کی طرح سروں پر محیط ہے یہ لپیٹ دیا جائے گا۔ (معارف القرآن)

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ: جب جہنم کو روشن کیا جائے گا، کفار کے لیے دہکایا جائے گا اور اس کے گرم کرنے میں اضافہ کیا جائے گا۔

نافع رحمہ اللہ، ابن ذکوان رحمہ اللہ، اور رویس رحمہ اللہ نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اسے بار بار روشن کیا جائے گا، قتادہ نے کہا، جہنم کو اللہ تعالیٰ کا غضب اور انسانوں کی خطائیں اسے بھڑکائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ، ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ، فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سرخ ہو گئی پھر اسے ایک

ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ سفید ہو گئی پھر اسے ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سیاہ ہو گئی وہ سیارہ تاریک ہے۔(ترمذی)

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ: اِزلاف کے معنی قریب لانے کے ہیں۔ یعنی وہ ان متقیوں کے قریب لائی جائے گی جو اس کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت بھی پہلے سے تیار ہو گی، البتہ اس کی نقاب کشائی اس وقت ہو گی جب لوگوں کی درجہ بندی ہو جائے گی۔(تدبر قرآن)

یعنی میدان حشر میں جب لوگوں کے مقدمات کی سماعت ہو رہی ہو گی اس وقت جہنم کی دھکتی ہوئی آگ بھی سب کو نظر آ رہی ہو گی اور جنت بھی اپنی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے موجود ہو گی تاکہ بد بھی جان لیں کہ وہ کس چیز سے محروم ہو کر کہاں جانے والے ہیں، اور نیک بھی جان لیں کہ وہ کس چیز سے بچ کر کن نعمتوں سے سرفراز ہونے والے ہیں۔(تفہیم)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ بارہ حادثے ثابت ہو جائیں جن میں سے چھ حادثے صُور پھونکنے سے پہلے دنیا میں ہیں اور ان میں سے چھ حادثے صُور پھونکنے کے بعد آخرت میں ہوں گے، ہر نفس اس چیز کو جان لے جو نیکی اور بدی سے اس نے حاضر کی ہے اور بعض تاویل کرنے والوں نے کہا ہے کہ ان بارہ حالات کو مرتے وقت جو کہ قیامت کا نمونہ ہیں پالیں گے، اسی لیے اسے قیامت صُغریٰ کہتے ہیں۔(تفسیر عزیزی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ: یعنی جب قیامت کے حالات مذکورہ پیش آویں گے اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ وہ اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے۔ سامان سے مراد اس کا نیک یا بد عمل ہے کہ وہ سب اعمال اس کے سامنے آجاویں گے جو دنیا میں کئے تھے خواہ اس طرح کے صحائف اعمال میں لکھے ہوئے اس کے ہاتھ میں آجائیں یا اس طرح کے یہ اعمال کسی خاص شکل و صورت میں اس کے سامنے آویں۔(تفسیر معارف القرآن)

جبریل اور رسول کریم ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے نیز یہ بتائیے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کی قسمیں کھائیں؟ اور ان قسموں کا جواب قسم کیا ہے؟

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ {۱۵}الْجَوَارِ الْكُنَّسِ {۱۶}وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ {۱۷}وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ {۱۸}اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ {۱۹}ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ {۲۰} مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ {۲۱}وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ {۲۲}وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ {۲۳} وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ {۲۴}وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ {۲۵}فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ {۲۶}اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ {۲۷}لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ {۲۸}وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ {۲۸} التکویر

جواب ترجمہ: اب میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ جو چلتے چلتے دبک جاتے ہیں۔ اور قسم کھاتا ہوں رات کی جب وہ رخصت ہو۔ اور صبح کی جب وہ سانس لے۔ کہ یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔ جو قوت والا ہے، جس کا عرش والے کے پاس بڑا رتبہ ہے۔ وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ امانت دار ہے۔ اور (اے مکہ والو) تمہارے ساتھ رہنے والے یہ صاحب (یعنی حضرت محمد ﷺ کوئی دیوانے نہیں ہیں۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ انہوں نے اس فرشتے کو کھلے ہوئے افق پر دیکھا ہے۔ اور وہ غیب کی باتوں کے بارے میں بخیل بھی نہیں ہیں۔ اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔ پھر بھی تم لوگ کدھر چلے جارہے ہو؟ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا سیدھا رہنا چاہے۔ اور تم چاہو گے نہیں، الا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے چند مخصوص ستاروں اور رات کی اور صبح کی قسم کھا کر قرآن کریم کی اور قرآن مجید لانے والے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے ان کی تردید کی ہے۔

جن ستاروں کی قسم کھائی ہے ان کے بارے میں الْخُنَّسِ اور الْكُنَّسِ فرمایا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ: الخنس خانس کی جمع ہے جس کا معنی پیچھے ہٹنے والا ہے۔

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ: الجوار جاریۃٌ کی جمع ہے جو (جری یجری) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور فواعل کے وزن پر ہے، ی کو لکھنے اور پڑھنے میں حذف کر دیا گیا ہے اس کا معنی ہے چلنے والے۔ الْكُنَّسِ کانس کی جمع ہے اور کنس یکنس کا اسم فاعل ہے جس کا معنی چھپ جانے کا ہے، يُقَالُ كَنَسَ الوَحشُ إِذَادَخَلَ كُنَّاسَهُ الَّذِي يَتَّخِذُهُ مِن اَغصَانِ الشَّجَرِ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے پانچ ستارے مراد ہیں یعنی زحل اور عطارد اور مشتری اور مریخ اور زہرہ، ان کو خمسہ متحیرہ بھی کہتے ہیں یہ چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔ (تفسیر انوار البیان للشیخ مولانا عاشق الٰہی نور اللہ مرقدہ وقدس اسرارہ وبرد مضجعہ)

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ: عَسْعَسَ کے دو معنی کیے گئے ہیں، ای ادبر ظلامہ او اقبل۔ اندھیرے کا پیٹھ پھیر جانا جیسے رات کے اختتام کے وقت ہوتا ہے، اندھیرے کا آجانا جیسے ابتدائے شب میں ہوتا ہے، یہ دونوں معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، پہلی صورت میں معنی ہو گا رات جب پیٹھ پھیر دے اور دوسری صورت میں معنی ہو گا رات جب چھا جائے۔ (ضیاء القرآن)

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ: اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے یعنی جب وہ آنے لگے (اس سے فجر اول مراد ہے)

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ: ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے رسول کریم کا جسے ایک معزز فرشتہ لایا ہے یہ فرشتہ قوت والا ہے اور مالک عرش کے نزدیک رتبہ والا ہے اور

وہاں یعنی آسمان میں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ فرشتہ امانت دار ہے جو وحی کو بالکل صحیح صحیح پہنچاتا ہے۔

اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کلام یعنی قرآن کریم کو لایا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے تھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو تمہارے ساتھ رہنے والے ہیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جن کا حال تم خوب جانتے ہو وہ مجنون نہیں ہیں جیسا کہ منکرین نبوت کہتے ہیں وحی لانے کی صفات بھی تمہیں معلوم ہو گئیں اور جس پر وحی آتی ہے اس کا حال بھی تمہیں معلوم ہے۔ لہٰذا قرآن کے بارے میں یہ شک کرنا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یا نہیں یہ تمہاری غلطی ہے جس نے تمہیں کافر بنا رکھا ہے۔

اوپر جو ستاروں کی اور رات کی اور صبح کی قسمیں کھائی ہیں ان قسموں کے بارے میں صاحب بیان القرآن (مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) لکھتے ہیں کہ مطلوب کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور رکنا اور چھپ جانا فرشتہ کے آنے اور جانے اور عالم الملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے ظلمت کفر کے رفع ہو جانے کے اور نور ہدایت ظاہر ہو جانے کے اور ان دونوں کا سبب قرآن کریم ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ: یعنی حضرت محمد ﷺ مجنون نہیں یہاں تک کہ ان کے قول میں تہمت لگائی جائے، یہ جواب قسم ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ آپ جبریل امین کو اس صورت میں دیکھیں جس صورت میں وہ اپنے رب کے پاس ہوتے ہیں حضرت جبریل امین نے عرض کی، اس میں میرا اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دی، جبریل امین آپ کے پاس آئے جبکہ آفاق کو بھرا ہوا تھا جب نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی مشرکوں نے کہا، وہ تو مجنون ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل امین کو ان کی صورت پر دیکھا اور آپ ﷺ اس سے ڈر گئے وہ آپ کی خدمت میں اس طرح وارد ہوئے جس کا ان کے ارادہ میں احتمال تک نہ تھا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (قرطبی)

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ: (اور اس فرشتہ کو رسول اللہ ﷺ نے افق مبین یعنی آسمان پہ صاف کنارے پر دیکھا ہے) حضرت جبریل علیہ السلام جب وحی لاتے تھے تو حضرت دحیہ کلبی صحابی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ سرور عالم ﷺ نے انہیں دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا، ایک مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ محلہ جیاد میں (جو مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے) دیکھا آپ نے دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں اور پورے اُفق کو گھیر رکھا ہے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النجم) (انوار البیان)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ: یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اُجرت مانگتا ہے، نہ نذرانہ، نہ بخشیش، پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے، کاہن محض ایک جزئی اور نامکمل بات غیب کی سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہے کہ بدون مٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کئے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ: یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی شیطان آکر محمد ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے، شیطان کا آخر یہ کام کب ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو شرک اور بت پرستی اور دہریت و الحاد سے ہٹا کر خدا پرست اور توحید کی تعلیم دے، انسان کو شتر بے مہار بن کر رہنے کے بجائے خدا کے حضور ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس دلائے، جاہلانہ رسموں اور ظلم اور بد اخلاقی اور بد کرداری سے منع کر کے پاکیزہ زندگی، عدل اور تقویٰ اور اخلاق فاضلہ کی طرف رہنمائی کرے۔ (تفسیر تفہیم القرآن)

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ: پس جبکہ وحی لانے والا فرشتہ مذکورہ بالا صفات سے متصف ہے اور جن پر وحی آتی ہے وہ دیوانے بھی نہیں ہیں اور نہ کاہن ہیں اور نہ اُجرت طلب کرتے ہیں اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام بھی نہیں ہے تو تم اس کو چھوڑ کر کہاں جارہے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ: بس یہ قرآن دنیا جہان والوں کے لیے ایک بڑی نصیحت ہے جو تم میں سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا معاملہ ہمارے سپرد ہے چاہیں تو استقامت کا مظاہرہ کریں، چاہیں تو استقامت کا مظاہرہ نہ کریں، امام قرطبی یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی قدریہ ہے اور ابوجہل قدریہ کا رئیس ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ: (اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے) سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس امر کو واضح کیا کہ بندہ کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوتا ہے اور کوئی برائی نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ ہی اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! عربوں نے اسلام نہ چاہا یہاں تک کہ اللہ نے ان کے لیے اسے چاہا۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل کی ہیں ان میں شامی کتب میں میں نے پڑھا جس نے مشیت کو اپنی طرف منسوب کیا اس نے کفر کیا، جیسے سورۃ الانعام آیت ۱۱۱ میں ارشاد ہے اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ۔ (قرطبی)

بتوفیق اللہ، بنصرۃ اللہ وبعون اللہ سورۃ التکویر کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عالی بارگاہ میں قبول اور منظور فرمائے اور اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اسے میرے لیے، میرے والدین

کے لیے، میرے اساتذہ ومشائخ کے لیے، میرے معاونین ومساعدین کے لیے ذریعہ نجات اور صدقہ جاریہ بنائے، آمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

خادم اس الم

محمد الله شریف عباسی عفی عنہ

جامعہ رشیدیہ منواں لاہور کینٹ

۲۷ جنوری ۲۰۲۰ء ڈیڑھ بجے شب، بروز پیر

حروف بینی: ۲۳ ستمبر ۲۰۲۰ء بوقت ۲ بجے شب، بروز بدھ

اَلاِنفطار

ہنگامہ روز محشر کی خوفناکی

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ {۱}وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ {۲}وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ {۳}وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ {۴}عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ{۴} الانفطار

جواب ترجمہ: جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب ستارے جھڑ جائیں گے، اور جب سمندروں کو اُبال دیا جائے گا۔ اور جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی۔ اس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ: آسمان کے پھٹنے کا قرآن مجید کی متعدد آیات میں ذکر ہے، **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا** (الفرقان : ۲۵) اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اُتارا جائے گا۔ **فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ** (الرحمن : ۳۷) غرض (وہ وقت آئے گا) جب آسمان پھٹ پڑے گا اور لال چمڑے کی طرح سرخ گلاب بن جائے گا۔ **إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ** (الانشقاق : ۱) اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں سورۃ الانفطار میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے اور دوسری سورت میں آسمان کے کھولنے کا ذکر ہے۔ **وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا۔** (النبا : ۱۹) اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہو جائیں گے۔

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ آسمان کے پھٹنے کا معنی یہ ہے کہ اس میں دروازے بن جائیں گے اور بعض نے کہا: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی تو فرمایا: جب آسمان پھٹ

جائے گا اور یہ تفسیر زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ آیت ڈرانے اور دہلانے کے لیے ہے اور آسمان کے دروازے کھلنے سے وہ ڈر اور خوف نہیں ہوتا جو آسمان کے پھٹنے سے ہوتا ہے۔

پھر آسمان کے پھٹنے، ستاروں کے جھڑنے، سمندروں کے بہانے، پہاڑوں کو چلانے اور زمین کو ہموار میدان بنانے کے ذکر میں قیامت کے آثار اور احوال کا بیان ہے، اور اس میں یہ اشارہ نہیں ہے کہ ایسا کس وقت ہوگا، کیونکہ اس کے وقوع کے وقت پر مطلع ہونے سے ڈر اور خوف پیدا نہیں ہوگا اور اس کے آثار کے ذکر کرنے سے ڈر اور خوف پیدا ہوگا اور وہ ایسا شدید ہولناک دن ہوگا کہ قوی اور غالب چیزیں بھی اپنی جگہ برقرار نہیں رہیں گی، پہاڑوں، زمینوں اور آسمانوں میں تغیرات برپا ہو جائیں گے، وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، (القارعه : ۵) اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

سو جب پہاڑوں، زمینوں اور آسمانوں کا یہ حال ہوگا تو ضعیف جسامت والے انسان کا کیا حال ہوگا! آسمان، زمین اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں اور سرمو نافرمانی نہیں کرتے، وہ قیامت کے دن ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو انسان جو ان کے مقابلہ میں کمزور جسامت کا ہے، اس کے اعمال خبیث ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانیاں کی ہیں اس کا کیا حال ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے یہ احوال اور آثار بیان فرمائے تاکہ انسان ان ہولناک آثار پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کرنے اور گناہوں سے باز آجائے، اس وجہ سے ان امور کو بیان فرمایا۔

قیامت کے ان احوال کو بیان فرمایا اور یہ نہیں بتایا کہ قیامت کے وقوع کا وقت کیا ہے، اسی وجہ سے انسان کی عمر کی انتہاء نہیں بیان کی گئی تاکہ انسان ہر وقت ڈرتا رہے، کہیں اسی وقت اس کی موت نہ آجائے اور ہر وقت گناہوں سے باز رہے کہ کہیں گناہ کی حالت میں اسے موت نہ آجائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان فرمائے ہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں ① انسان کے دل کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں، بعض اوقات وہ ایک مرتبہ کسی چیز کا ذکر

سن کر اثر نہیں لیتا لیکن جب بار بار کسی چیز کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، بعض دفعہ وہ کسی چیز کا ذکر سرسری طور پر سنتا ہے اور بعض دفعہ وہ اس چیز کو بہت توجہ اور غور سے سنتا ہے اور اثر پذیر ہوتا ہے۔

② اس زمانہ میں لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اور بار بار وعظ اور نصیحت کے ذکر سے ان کے دل نرم ہوتے تھے اور ان کا ایمان قوی ہوتا تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸۔ ۳۹۷، بحوالہ تفسیر تبیان القرآن للسعیدی)

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ: ستاروں کا جھڑنا یا اس وجہ سے ہوگا کہ ستاروں کی تخلیق مخلوق کو نفع پہنچانے کے لئے کی گئی تھی، سو جب قیامت کے بعد مخلوق ہی نہیں رہے گی تو ستاروں کی بھی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ اب اندھیری راتوں میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ستاروں کو آسمان کی زینت کے لیے بنایا گیا ہے تو جب آسمان ہی پھٹ جائیں گے تو ان کی زینت کے لیے ستاروں کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ (تبیان القرآن)

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ: سورۃ تکویر میں فرمایا گیا ہے کہ سمندروں میں آگ بھڑکا دی جائے گی اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ سمندروں کو پھاڑ دیا جائے گا، دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھا جائے اور یہ بات بھی نگاہ میں رکھی جائے کہ قرآن کی رو سے قیامت کے روز ایک ایسا زبردست زلزلہ آئے گا جو کسی علاقے تک محدود نہ ہوگا بلکہ پوری زمین بیک وقت ہلا ماری جائے گی، تو سمندروں کے پھٹنے اور ان میں آگ بھڑک اٹھنے کی کیفیت ہماری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ پہلے اس عظیم زلزلے کی وجہ سے سمندروں کی تہ پھٹ جائے گی اور ان کا پانی زمین کے اس اندرونی حصے میں اترنے لگے لگا جہاں ہر وقت ایک بے انتہا گرم لاوا کھولتا رہتا ہے، پھر اس لاوے تک پہنچ کر پانی اپنے ان دو ابتدائی اجزاء کی شکل میں تحلیل ہو جائے گا جن میں سے ایک، یعنی آکسیجن جلانے والی، اور دوسری ہائیڈروجن بھڑک اٹھنے والی ہے

اور یوں تحلیل اور آتش افروزی کا ایک ایسا مسلسل رد عمل شروع ہو جائے گا جس سے دنیا کے تمام سمندروں میں آگ لگ جائے گی، یہ ہمارا قیاس ہے، باقی صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ (تفسیر تفہیم القرآن)

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ: اور جب کہ قبریں زیروزبر کر دی جائیں گی اور جو کچھ زمین کے نیچے تھا وہ زمین کے اوپر آجائے، اور جسموں کے اجزا ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں، اس کے بعد بارش جسے زندگی کی قوت سپرد کی گئی ہے، عرش کے نیچے سے برسے اور اس بارش کا پانی مرد کے مادہ تولید کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کی وجہ سے انسانی روحیں اپنے جسموں کے ساتھ متعلق ہو جائیں اور آسمانی روحیں ان روحوں کی خدمت گزار اور مدد کرنے والی ہو جائیں اور حشر قائم ہو جائے اس وقت نفس کی ایک قسم جو کہ نفس انسانی ہے اس چیز کو جان لے جو اس نے اچھائی برائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف آگے بھیجی ہے اور آگے بھیجنے سے مراد کوئی کام کرنا ہے اس لیے کہ جو کام کیا گیا، اعمال کے دفتر میں نقش ہو گیا اور وہ دفتر اعمال لکھنے والوں کے ذریعے دربار معلیٰ میں پہنچ گیا۔ (تفسیر عزیزی)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ: علامہ قرطبی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں اس روز انسان کو وہ کچھ بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا۔ یہ **اَلسَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔** کا جواب ہے کیونکہ یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق قسم ہے، جو **عَلِمَتْ نَفْسٌ** پر واقع ہو رہی ہے یعنی جب قیامت کی نشانیوں میں سے یہ اُمور ظاہر ہوں گے تو ہر نفس نے جو کچھ کیا ہو گا اس کو جان لے گا کیونکہ اس کے بعد کا عمل اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے جب یہ اشیاء محقق ہو جائیں گی تو قیامت برپا ہو جائے گی تو ہر نفس نے جو کچھ کیا ہو گا اس پر اس کا محاسبہ ہو گا اور اس کی کتاب اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو اس کے پڑھنے کے موقع پر اسے اپنے تمام اعمال یاد آجائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

مفسر قرآن علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ان امور کو لانے کا مقصد قیامت کے دن کا ذکر کرنا ہے، پھر اس میں کئی وجوہ ہیں، ان میں ایک اور سب سے درست بات یہ ہے کہ یہاں مقصود نافرمانی پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور اطاعت و فرمانبرداری کی ترغیب دینا ہے، یعنی ہر کوئی آج کے دن دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجا، اس میں اس نے کوئی کمی نہیں کی تھی جبکہ جو کچھ پیچھے چھوڑا تھا اس میں کمی کی تھی، کیونکہ فرمان خداوندی میں قَدَّمَتْ اس بات کا تقاضا کرتا ہے جو کام اس نے کیا جب کہ اَخَّرَتْ اس بات کا تقاضا کرتا ہے جو اس نے نہیں کیا تھا، پس یہ کلام کرنے اور چھوڑنے، کمی کرنے اور پورا کرنے کا تقاضا کرتا ہے، اگر اس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور نیک اعمال کو نہیں کیا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور اگر اس نے نیک اعمال کیے اور کبیرہ گناہ نہیں کیے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

دوسرے مَاقَدَّمَتْ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور مَا اَخَّرَتْ سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جن کی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈال کر دنیا سے گیا ہے، اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔

تیسرا حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مَاقَدَّمَتْ سے مراد فرائض ہیں اور مَا اَخَّرِتْ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس نے ضائع کی ہیں۔

چوتھا ابو مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مَاقَدَّمَت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس نے اپنی ابتدائی عمر میں کیے تھے اور مَا اَخَّرَت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں کیے تھے۔ (تفسیر کبیر لفخر الدین الرازی رحمہ اللہ)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں قیامت کے کس حصہ میں پتا چلے گا؟ تو امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجمالی علم تو ابتدائے حشر میں ہی ہو جائے گا کیونکہ اطاعت گزار سعادت

ونیک بختی کی نشانیاں دیکھ لے گا اور گناہ گار ابتدا ہی میں بد بختی کے آثار اور نشانیاں دیکھ لے گا، اور تفصیلی علم اس وقت ہو گا جب وہ اعمال نامے پڑھے گا اور اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ (کبیر)

انسان، رب کریم اور فرشتوں کی ڈیوٹی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ {٦}الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ {٧}فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ{٨}كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ{٩}وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ{١٠} كِرَامًا كَاتِبِيْنَ {١١}يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ{١٢}انفطار

جواب ترجمہ: اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ دھوکہ میں ڈالا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اعتدال پیدا کیا؟ جس صورت میں چاہا، اس نے تجھے جوڑ کر تیار کیا۔ ہر گز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن تم جزاء و سزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر کچھ نگران (فرشتے) مقرر ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے۔ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں۔

مفسر قرآن عبد الحق حقانی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں بہت ہی خوبصورت انداز میں فرمایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکار قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروا نہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے، کسی کی نہیں سنتا۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر حقانی)

اقسام غرور: اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مؤمنوں سب کو شامل ہے مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزاء و جزاء کا برپا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل

میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالت آسمانی کا انکار ہے، احیاناً گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و نادم ہونا منافی شان ایمان نہیں، ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھول کر حرام کاری، مے نوشی، مکر و فریب کرو، جھوٹ بولو، لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں، یہ بھی رب کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے۔

اس قسم کے خیالات فاسدہ یہود میں بھی تھے، وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً وَسَيُغْفَرُ لَنَا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم سب کو گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑا لیں گے اور بنی فاطمہ پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں یہ بھی رب کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔

اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و امام حسین رضی اللہ عنہ و دیگر اہل بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں تھا، بر خلاف اس کے وہ تو راتوں کو تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے، پھر اس زمانہ کے سید زادے، پیر زادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں، اگر یہ اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں، کوئی سند ہے؟ یہ کہنا اگر اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسن اعتقاد اور محبت و عظمت سیادت اسی کی مقتضٰی ہے۔ غرور ہے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا، جب کہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہوں، میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔

(تفسیر حقانی)

اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کرکے بتایا کہ جس میں کوئی شائبہ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایان شان دین حق ہے۔

ہنود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں، برہمن دوزخ میں نہ جائے گا، وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں، الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا اور اسی طرح انکار قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔ (تفسیر حقانی)

غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضیٰ نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے، اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے، سر نیاز اس کے آگے نہ رکھے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روا نہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جاوے۔

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند　　چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

بدکاربدی کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے، بت پرستی بت پرست کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں، گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے، یہ بھی غرور ہے اور سینکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں

کہ جن پر فلاح وسعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے، یہ بھی غرور ہے، یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے، جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفتِ انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔

کسبن کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت وثروت کیوں دیتا؟ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں، بت پرست اور توہمات باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ الٹے اور قیامت میں جزائے خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بدباتوں پر سمجھتے ہیں، نعوذ باللہ من الغرور بہ۔ (حقانی)

غرور، تمنا، رجا کا فرق: واضح ہو کہ غرور اور تمنا اور رجاء یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں، غرور کی بابت یہ ہے وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الغَرُور اور تمنی کی مذمت یہ ہے تِلكَ اَمَانِيُّهم وَلَيسَ بِاَمَانِيكم وَلَا اَمَانِی اَهلِ الكِتَاب اور امید کی مدح آئی ہے اُولٰٓئِكَ يَرجُونَ رَحمَةَ اللّٰهِ سو امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے۔

اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب جوت کر کاشتکار غلہ کی انتظار کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجالا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان واعمال صالحہ میں کوشش کر کے نجات آخرت کی توقع رکھے، سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقت اخیر اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت وَاعبُد رَبَّكَ حَتّٰى يَاتِيَكَ اليَقِين کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آجاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔

رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے۔ مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے، کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے، برے کام کر کے نجات کی امید کرے

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت وخیال باطل بست

اور تمنا وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے، حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شکی حالت میں تمنّا ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچائے ہوں یا بر خلاف اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے، دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔ (حقانی)

بعض اہلِ بشارت کا قول ہے کہ دوسرے اسماء صفات کو چھوڑ کر ربك الكريم کہنے سے گناہ گار کو یہ جواب دینے کا موقع مل گیا کہ جب اس سے گناہ کی باز پرس ہو تو تو وہ کہہ دے کہ مجھے کریم کے کرم نے دھوکہ دیا۔

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مجھے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ یحییٰ تجھے میرے متعلق کس نے فریب خوردہ کر دیا اور مجھ پر کس نے جرأت دلائی؟ تو کہہ دوں گا کہ اے رب! تیرے گذشتہ اور حالیہ کرم نے مجھے دھوکہ دیا۔ ابو بکر وراق رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر مجھ سے فرمایا مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الكريم تو کہہ دوں گا غَرَّنِی كَرَمُ الكريم۔

حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھ لیا کہ تجھے کریم رب سے کس نے دھوکے میں ڈالا تھا تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں عرض کروں گا اے میرے رب! تیری ستاری نے۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کو کئی بار آواز دی مگر اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا غلام دروازے پر موجود ہے، آپ نے اس سے پوچھا کہ میں نے تجھے اتنا بلایا مگر تو نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا کیوں؟ اس نے کہا کہ مجھے آپ کی بردباری اور حلم پر اعتماد و یقین تھا اور آپ کی طرف سے سزا ملنے سے اطمینان تھا،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے اس حسنِ جواب کو سن کر آزادی کا پروانہ عطا کر دیا، جس رب کے بندے کے حلم وبردباری کا یہ عالم ہے خود اس رب کا حلم کیا ہو گا۔

يَا كَاتِمَ الذَّنْبِ أَمَا تَسْتَحِي ... وَاللّٰهُ فِي الْخَلْوَةِ ثَانِيكَا

غَرَّكَ مِنْ رَبِّكَ إِمْهَالُهُ ... وَسَتْرُهُ طُولَ مَسَاوِيكَا

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ: یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویہ اعضاء جسم ہولیتا ہے، تب ہر ایک میں اس کی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کی باطنی استحکام سے متعلق ہے۔

مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی جمیع قویٰ کی تعدیل تک شامل ہے، اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا، فَسَوّٰكَ فرمایا پھر تعدیل کو فَعَدَلَكَ فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورت خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورت شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی، پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے۔ (حقانی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں ایک نطفہ سے تیری خلقت کو مقدر کیا، تجھے تیری ماں کے پیٹ میں درست کیا، تیرے لیے دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں اور باقی اعضاء بنائے، تجھے معتدل اور مناسب مناسب ڈھانچے والا بنایا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے، هٰذَا شَيْءٌ مُّعَدَّلٌ یہ چیز موزوں ہے۔

ابو عبید رحمہ اللہ کہا کرتے تھے اس تعبیر پر اللہ تعالیٰ کا فرمان، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین) دلالت کرتا ہے ہم نے انسان کو حسین پیکر میں بنایا۔

کوفہ کے قراء، عاصم رحمہ اللہ، حمزہ رحمہ اللہ، اور کسائی رحمہ اللہ نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جس صورت میں چاہا اسے پھیر دیا خوبصورت، بدصورت، لمبا، چھوٹا۔ موسیٰ بن علی ابن رباح رحمہ اللہ

نے اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، إِنَّ النُّطفَةَ إِذَا اسْتَقَرَّتْ فِي الرَّحِمِ أَحْضَرَهَا اللهُ كُلَّ نَسَبٍ بَيْنَهَا وَبَيْنَ آدَمَ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس نطفہ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جو جو نسب ہوتا ہے، اسے حاضر کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ان تین جملوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

الَّذِي خَلَقَكَ: جس نے تجھے اوّل مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے جب کہ پہلے کچھ بھی نہ تھا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور ان کی نسل کو نطفہ سے بنایا)۔

فَسَوَّاكَ: پھر اس نے تجھ کو پورے درست اعضاء والا آدمی بنا دیا، تخلیقی درستی کا یہ معنیٰ ہے کہ اعضاء کو درست بنایا اور اس قابل کر دیا کہ وہ اپنے اپنے فرائض ادا کر سکیں۔

فَعَدَلَكَ: تجھے موڑا اور جس صورت کی طرف چاہا پھیر دیا یا دوسرے حیوانوں کی خلقی صورت و طبیعت سے پھیر دیا، یہاں تک کہ تو سب سے جدا اور ممتاز ہو گیا یا بعض اجزاء کی طبعیت کو بعض کی طرف موڑ کر اعتدال پیدا کر دیا۔

صفراء کی حرارت اور خشکی کو بلغم کی سردی اور رطوبت سے توڑ دیا اور سوداء کی خشکی و برودت کو خون کی رطوبت و حرارت سے شکستہ کر دیا اور بلغم کی برودت و رطوبت کو صفراء کی حرارت و یبوست سے اور خون کی حرارت و رطوبت کو سودا کی خشکی و برودت سے توڑ دیا، اس طرح تمام حیوانات سے زیادہ تیرے مزاج میں اعتدال پیدا ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ: یعنی تیرے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جو صورتیں تھیں ان میں سے جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔ عکرمہ اور ابو صالح نے کہا، اگر انسان کی صورت میں چاہا اگر گدھے کی صورت میں چاہا، اگر بندر کی صورت میں چاہا، اور اگر خنزیر کی صورت میں چاہا۔

مکحول رحمہ اللہ نے کہا، اگر مذکر چاہا تو مذکر، اگر مؤنث چاہا تو مؤنث۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا، باپ یا ماں یا چچا یا ماموں یا کسی اور میں سے جس صورت میں چاہا تجھے بنایا۔

اگر چاہے تو تجھے انسان کی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں جیسے، بندر، گدھے اور خنزیر کی صورت میں بنادے پس فاء شرط وجزا کے معنی میں ہو گا یعنی جس صورت میں ترکیب دینا چاہے گا ترکیب دے گا۔ (قرطبی)

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ: بات یوں نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے گناہ کرتے ہو اس لیے کہ یہ اعتماد جزا اور آخرت کے عقیدے اور اقرار پر موقوف ہے جب کہ روز جزا پر تمہارا اقرار اور اعتقاد ہی نہیں، بلکہ تم جزا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ جزا کا وعدہ بھی کرم ہی کا تقاضا ہے تاکہ اچھی جزا کی امید پر تم نیکی اور بندگی بجالاؤ اور تمہارے دارین کے کام اصلاح پائیں اور سزا کے ڈر سے نافرمانی سے بچو تاکہ تمہارے دارین کے امور خراب نہ ہوں اور تم سے انکار ہو کیسے سکتا ہے؟ (تفسیر عزیزی)

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ: اس نے اپنے کرم سے تم پر نگہبان مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی محافظت نہ ہو تو تلف ہو جاؤ، وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم القاء کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاجی نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقاء اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے، سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں، یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین کرم کرتے ہیں، مباشرت کے وقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے رُوبرو نہیں ہوتے، کسی پر افشائے راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک وبد تم کرتے ہو اس کو دفتر غیب میں لکھ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں، پھر صبح کو اور دو آتے ہیں جو شام تک رہتے ہیں، پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ **يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ** جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں، ان سے تم کچھ چھپا نہیں سکتے، پھر جب یہ ہے تو سمجھ لو کہ اس رب کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لیے اس لیے ہر ایک کام کی جزا و سزا ہے۔ (حقانی)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (تفسیر ابن کثیر) تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ بری حالت میں ان کے سامنے نہ آؤ وہ تمہارے سب اعمال لکھ رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

أَكْرِمُوا الْكِرَامَ الْكَاتِبِينَ الَّذِينَ لَا يُفَارِقُونَكُمْ إِلَّا عِنْدَ إِحْدَى حَالَتَيْنِ: الْجَنَابَةِ وَالْغَائِطِ. فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ بِحَرَمِ حَائِطٍ أَوْ بِبَعِيرِهِ، أَوْ لِيَسْتُرْهُ أَخُوهُ

اللہ کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے، تم ان کا احترام کرو، غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو دیوار سے یا اوٹ سے ہی سہی یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تاکہ وہی پردہ ہو جائے۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ عَنِ التعرِّي، فَاسْتَحْيُوا مِنْ مَلَائِكَةِ اللَّهِ الَّذِينَ مَعَكُمْ، الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ، الَّذِينَ لَا يُفَارِقُونَكُمْ إِلَّا عِنْدَ إِحْدَى ثَلَاثِ حَالَاتٍ: الْغَائِطِ، وَالْجَنَابَةِ، وَالْغُسْلِ. فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ بِالْعَرَاءِ فَلْيَسْتَتِرْ بِثَوْبِهِ، أَوْ بِحَرَمِ حَائِطٍ، أَوْ بِبَعِيرِهِ (مسند البزار، ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے، اللہ کے ان فرشتوں سے حیا کرو جو تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، وہ عزت دار لکھنے والے ہیں، جو تم سے تین حالتوں کے علاوہ جدا نہیں ہوتے وہ پائخانہ، جنابت اور غسل کی حالتیں ہیں، تم میں سے جب کوئی غسل کرے تو کپڑے سے اوٹ کر لیا کرے، یا دیوار یا اپنے اونٹ کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا مِنْ حَافِظَيْنِ يَرْفَعَانِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، مَا حَفِظَا فِي يَوْمٍ، فَيَرَى فِي أَوَّلِ الصَّحِيفَةِ وَفِي آخِرِهَا اسْتِغْفَارٌ إِلَّا قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي مَا بَيْنَ طَرَفَيِ الصَّحِيفَةِ (مسند البزار)

کراماً کاتبین بندے کے اعمال روزانہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے بندے کی بخش دیں

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہنچانتے ہیں جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا، فلاح حاصل کر گیا اور اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس نے تم پر کچھ نگران مقرر کر رکھے ہیں، قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد دو ہے جو ہر آدمی کے دونوں کندھوں پر بٹھائے گئے ہیں جو دائیں بائیں دونوں طرف سے نگرانی کرتے ہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تقسیم کار یہ ہے کہ ایک نیکیاں لکھنے پر مامور ہے اور دوسرا بدیاں لکھنے پر اور سورۃ ق سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو کچھ زبان سے نکالتا ہے ایک مستعد نگران اس کے پاس موجود ہوتا ہے، یعنی وہ فوراً اسے لکھ لیتا ہے۔ (تفسیر روح القرآن)

كِرَامًا كَاتِبِينَ: جو اللہ کے ہاں معزز اور سزا و جزا کیلئے تمہارے اعمالناموں میں تمہارے ہر عمل کو لکھنے والے ہیں۔ (مظہری)

ڈاکٹر اسلم صدیقی لکھتے ہیں پھر ان کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دونوں فرشتے انتہائی معزز اور بزرگ ہیں، یعنی نہ کسی سے ذاتی محبت رکھتے ہیں اور نہ عداوت، اس لیے نہ کسی کی بے جا رعایت کرتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، ہر قول اور ہر عمل نہایت ذمہ

داری سے قلمبند کرتے ہیں، کسی کا بڑا یا چھوٹا ہونا ان پر اثر انداز نہیں ہوتا، وہ چونکہ خود بہت معزز ہیں اس لیے ایک بادشاہ بھی ان کے سامنے مؤثر حیثیت نہیں رکھتا، ان کی کرامت نفس میں یقیناً دیانت و امانت بھی شامل ہے، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خائن بھی نہیں ہیں۔ اپنی حاضری اور فرض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے، کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر اثر انداز ہو کر ریکارڈ میں تبدیلی کروا سکے۔ (روح القرآن)

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ: جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب جانتے ہیں، جاننے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر شخص کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، نیکیاں لکھنے والے کی نظر اس کی نیکیوں پر رہتی ہے اور بدیاں لکھنے والا بدیوں پر نگاہ رکھتا ہے، انسان تنہائی اور تاریکی میں جب کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو یہ سمجھ کر گناہ کرتا ہے کہ میں ہر طرح محفوظ ہوں، لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے دائیں بائیں دونوں کندھوں پر دو نگران موجود ہیں جو ہر وقت اس کی نگرانی کرتے ہیں، چنانچہ ان کا مرتب کیا ہوا ریکارڈ ایسا مکمل ریکارڈ ہوگا کہ جس میں کوئی بات بھی درج ہونے سے رہ نہیں جائے گی، اس لیے سورۃ کہف میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب مجرمین کو ان کے نامہ اعمال دیئے جائیں گے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ اس نامہ اعمال میں ہر چھوٹی بڑی بات موجود ہے۔

اَبرار، فجار اور قیامت کا دن

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ {١٣} وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ {١٤} يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ {١٥} وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ {١٦} وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ {١٧} ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ {١٨} الانفطار

جواب ترجمہ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ وہ اس میں جزاء و سزا کے دن داخل ہوں گے۔ اور وہ اس سے غائب نہیں ہو سکتے۔ اور

تمہیں کیا پتہ کہ جزاء وسزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزاو سزا کا دن کیا چیز ہے؟

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ : جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار فرمانبردار، گناہوں سے دور رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی خوش خبری دیتا ہے حدیث میں ہے کہ اِنَّمَا سَمَّاهُمُ اللهُ الْأَبْرَارَ لِأَنَّهُمْ بَرُّوا الْآبَاءَ وَالْأَبْنَاءَ (تاریخ دمشق) انہیں ابرار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیشک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے، جہاں کھانے اور پینے اور مکان ولباس وہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور اس پر حیاتِ ابدی بھی ہے اور کوئی مرض، رنج، موت، بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدارِ الٰہی بھی ہے، یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔

بر کی تفصیل: بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے، کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے۔ ایمان و عمل صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ (حقانی)

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ : اور بد یعنی جو ایمان اور عمل صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے، اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے، چوری، زنا، شراب خواری، ترک صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ، ظلم ودغا، ناچ ورنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اولیٰ سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے، فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو، بادشاہ ہو، عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو، کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔ (تفسیر حقانی)

یَصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ: اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ

بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد و منت کر کے بچ جاتے ہیں، ایسا وہاں نہ ہو گا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے۔ (حقانی)

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ: اور وہ اس سے باہر نہ جائیں گے یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ کفار اور مشرکین کے لیے اللہ کا اٹل قانون اور ضابطہ ہے کہ انہیں دوزخ سے خلاصی نہیں ملے گی، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

دوسرے مقام پر قرآن کریم میں اسی مضمون کو یوں بیان کیا گیا **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** وہ چاہیں گے کہ اس میں سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے نہ نکل پائیں گے اور ان کے لیے عذاب دائمی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ جہنم سے غائب ہونے والے نہیں ہوں گے، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اس جہان کی ہلاکتوں اور سزاؤں سے راہِ فرار اختیار کر کے غائب ہو کر رہائی پاتے ہیں اور اس دن اس حیلے سے ہرگز رہائی ممکن نہیں ہو گی، اس لیے کہ اس آگ کے شعلے دور دور سے بدکاروں کو اپنی طرف کھینچ لیں گے اور فرشتے جو کہ جہنم کے دروازے پر مقرر ہیں، زنجیروں اور طوقوں میں مقید کر کے پھینک دیں گے نہ بھاگنے کی جگہ ہو گی نہ الجھنے کا مقام۔

اور بعض مفسرین نے غائب ہونے کو جہنم سے باہر آنے پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں فجار کو کفار کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت ہو گی اس لیے کہ ایمان والے فاسق جہنم سے لازماً باہر آجائیں گے اور بہشت میں داخل ہوں گے۔ (عزیزی)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ: اور اے مخاطب! تجھے معلوم ہے کہ روز جزا کیا ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی عقل کے ساتھ اس دن کی شدت اور خوف کو دریافت نہیں کر سکتا اس لیے کہ دنیا کے سیاہ دنوں کی شدتیں اور سختیاں جو اپنے اوپر دیکھیں یا لوگوں سے سنیں وہ اس دن کی شدتوں اور سختیوں کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتیں تاکہ انہیں ان

پر قیاس کرے اور عقل کا کام اسی قدر ہے کہ ان دیکھی چیز کو دیکھی پر، ان سنی کو سنی ہوئی پر قیاس کرتی ہو۔ (عزیزی)

ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ: پھر تجھ سے سوال ہے کہ بتا روز جزا کیا ہے؟ تجھے بار بار اس کے حالات بتائے گئے ہیں اور جزا و سزا کی تفصیل بیان کی گئی ہے، ان سب کو جان کر سمجھ کر تجھے روز جزا کے لیے فکر مند ہونا چاہیے اس دن کا حال اجمالی طور پر پھر تجھے بتایا جارہا ہے۔

پھر طویل مہلت کے بعد ہم فرماتے ہیں کہ تو کیا جانتا ہے کہ روز جزا کیا ہے اور یہاں کلمہ ثم کا حاصل یہ ہے کہ کئی چیزیں ایسی ہیں جنہیں آدمی پہلی ہی سوچ میں دریافت نہیں کر سکتا، انتہائی غور و فکر اور کافی مدت کے بعد اس کی تحقیق کا سراغ لگاتا ہے اور جب وہ اس جنس سے ہو کہ کسی کے وہم و خیال میں بالکل نہ سمائے تو مدتوں غور و فکر میں گزارنا اور پہلی دفعہ ہی مایوس ہو جانا برابر ہے اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ طویل مدت اور فرصت کے بعد بھی تو اس کی حقیقت کو پا نہیں سکے گا مگر اس دن کی شدت اور سختی میں سے ایک جھلک تیرے سامنے بیان کی جاتی ہے کہ وہ دن ایسا دن ہے کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔ (عزیزی)

بروز محشر انسان کی بے بسی

سوال حساب کتاب کے دن کوئی کسی کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھے گا، اس دن معاملہ ایک اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو گا، کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا اور کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا، کوئی اس سے جھگڑ نہیں سکے گا، یہ مضمون کس آیت میں بیان کیا گیا؟

جواب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ {۱۹} الانفطار.

وہ ایسا دن ہو گا جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے نفع کا مالک نہ ہو گا اور اس دن ساری حکومت اللہ ہی کے لیے ہو گی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا اور یہیں سے اس دن کی شدت دریافت کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ دنیا میں جب کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے پہلے تو وہ اس تکلیف کو عام لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور چارہ کار تلاش کرتا ہے اور جب عوام سے اس کا کام نہیں ہو پاتا تو خاص لوگوں کے پاس التجا کرتا ہے جو کہ اس تکلیف کو دور کرنے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جیسے ماہر طبیب بیماریاں دور کرنے میں، ہشیار جراح زخموں اور پھنسیوں کے بارے میں، تیز نظر ماہرین امراضِ چشم آنکھ کی بیماریوں میں، انصاف کرنے والے حکام ظلم وستم کے مقدمات میں اور تجربہ کار لوگ دوسرے امور میں کام آتے ہیں اور جب یہ لوگ اس کے حال پر توجہ نہیں کرتے تو ناچار ان کے ہم نشینوں اور دوستوں کی سفارش سے مدد طلب کرتا ہے اور اس کی گرہ کشائی کرتا ہے اور اس دن تمام تعلقات ختم ہو جائیں گے، کسی کے کسی تعلق کا پاس نہیں ہو گا اور وہاں کے واقعات میں سے کسی چیز میں کسی کا دخل نہیں ہو گا، وہاں خواص، عوام کی طرح حیران اور سردار، رعایا کی طرح پریشان ہوں گے، مالک مطلق کے حکم کے بغیر وہاں شفاعت محال ہو گی، رونے دھونے سے کچھ نہیں ہو گا اور اس آیت میں تین عموم بیان کیے گئے ہیں، پہلا عموم نفس مالکہ میں، دوسرا نفس مملوکہ میں اور تیسرا شئ مملوک میں اور ان تینوں تعمیموں سے اس دن کی چارہ جوئی سے مکمل ناامیدی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ (تفسیر عزیزی)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کتنا ہی سوچو اور غور کرو، پھر بھی اس ہولناک دن کی پوری کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی، بس مختصراً اتنا سمجھ لو کہ اس دن جتنے رشتے ناطے خویشی اور آشنائی کے ہیں سب نیست ونابود ہو جائیں گے، سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے، کوئی شخص بدون حکم مالک الملک کے کسی کی سفارش نہ کر سکے گا، عاجزی، چاپلوسی اور صبر واستقلال کچھ کام نہ دیگا۔ "الا من رحم اللہ"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہو گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں۔(معارف)

وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ: یہ صرف اللہ کی منفرد ذات ہو گی اور دنیا و آخرت کے فیصلے اسی کے اختیار میں ہوتے ہیں، لیکن اس دن یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی، اگرچہ دنیا میں بعض لوگ اس حقیقت کے تصور سے غافل ہوتے ہیں اور غرے میں ہوتے ہی، لیکن قیامت میں یہ امر پوشیدہ نہ رہے گا، ہر کسی پر عیاں ہو گا، غافل، متکبر اور برخود غلط سب ہی اسے دیکھ لیں گے۔(فی ظلال القرآن)

یعنی دنیا میں جس طرح بادشاہ کا حکم رعیت پر، ماں باپ کا اولاد پر، اور آقا کا نوکر پر جاری ہوتا ہے اس دن یہ سب حکم ختم ہو جائیں گے اور اس شہنشاہِ مطلق کے سوا کسی کو دم مارنے کی قدرت نہ ہو گی تنہا بلا شرکت غیرے ظاہراً و باطناً اسی کا حکم چلے گا اور سارے کام حسًّا و معنًا اکیلے اسی کے قبضہ میں ہوں گے۔(تفسیر عثمانی)

اللہ کے فضل و کرم اور احسان عظیم سے آج سورۃ الانفطار کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے قبول و منظور فرمائے۔

خادم ا ال م، محمود الرشید محمدی

جامعہ رشیدیہ منٹگمری لاہور

۲۸ جنوری ۲۰۲۰ء بروز منگل بوقت سوا تین بجے شب

حروف بینی: ۲۳ ستمبر ۲۰۲۰ء بوقت گیارہ بجے دن، بروز بدھ

المطففین

ناپ تول میں کمی بیشی کے نتائج

سوال یہ سورت ناپ تول میں کمی کرنے پر وعیدات سے بھری ہوئی ہے، ناپ تول میں کمی کے نتائج کیا ہوں گے؟ نیز اس سورت کا منظر و پس منظر بیان کیجیے۔

جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

لَمَّا قَدِمَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ كَانُوا مِنْ أَخْبَثِ النَّاسِ كَيْلًا فَأَنْزَلَ اللهُ: {وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ} فَحَسَّنُوا الْكَيْلَ بَعْدَ ذٰلِكَ (نسائی)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہلِ مدینہ ناپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے۔ جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول بہت درست کر لیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ چل رہا تھا، اسی اثناء میں میں نے ان سے پوچھا کہ مکہ مدینہ والوں میں سے ھئیت اور ناپ تول کے لحاظ سے کون اچھا ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ان کا حق ہے کہ وہ ناپ تول درست اور ٹھیک کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں بتایا ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے تباہی و بربادی ہے۔

قرآن کریم نے ناپ تول درست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے۔ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلا (الإسراء: ۳۵) اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لیے صحیح ترازو استعمال کرو، یہی طریقہ درست ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔

سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر کر دیا کرو، ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ (سورۃ الانعام ۱۵۲)

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد فرمایا وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمن :۹) اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی بدعادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا تھا، ان کی بربادی اور تباہی کی باتیں قرآن کریم میں ہمیں بتائی گئی ہیں اور یہاں مستقل ایک سورت ایسی ہے جس میں ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کی نہ صرف مذمت کی گئی ہے بلکہ ان کی تباہی اور بربادی کی خبر بھی دی گئی ہے، جس سے اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔

لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ

سوال ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ان کی سزا اللہ تعالیٰ نے کیا مقرر کی ہے؟

جواب یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے مفادات عزیز ہیں، انہیں دوسروں کی پرواہ نہیں ہے، یہ لوگ جب لوگوں سے چیزیں کیل (ماپ کر) کرکے، یا وزن کرکے لیتے ہیں تو کیل اور وزن پورا پورا ہوتا ہے، اور جب لوگوں کو چیزیں بیچتے ہیں تو مکیلی اور موزونی چیزوں کا ناپ تول کم کر دیتے ہیں، تول کر دیتے وقت ڈنڈی مارتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے یا اللہ انہیں جہنم کی ایک وادی ویل میں پھینکیں گے، ارشاد ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ {۱} الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ {۲} وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ {۳} المطففين.

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں۔ اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

وَيۡلٌ: ویل کا لفظی معنی ہے ہلاکت، بربادی، تباہی۔ اور ویل جہنم میں ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ تو ویل کن لوگوں کے لیے ہے؟ **لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ** کمی کرنے والوں کے لیے ہے تول میں اور ناپ میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ بہے گی یعنی وہ لوگ جو اپنے کیل اور وزن میں کمی کرتے ہیں ان کے لیے یہ عذاب ہے۔

مُطَفِّفِين: تطفیف سے ہے، لغت عرب میں تطفیف ناپ تول میں خیانت کرنے کو کہا جاتا ہے، بعض اہلِ تصوّف بزرگوں کا کہنا ہے کہ لوگوں کے عیوب ظاہر کرنا، اپنے عیوب پر پردہ ڈالنا، لوگوں سے انصاف کی توقع رکھنا، خود انصاف پر راضی نہ ہونا، لوگوں کے عیوب پر نگاہ رکھنا، اپنے عیوب سے آنکھیں بند کرنا، لوگوں سے یہ امید لگانا کہ وہ اس کی تعظیم و تکریم کریں اور خود دوسروں کی تحقیر و تذلیل کرنا، اپنے ماتحتوں سے امید رکھنا کہ وہ کام پورا کریں اور ان سے کام پورا لینا جب کہ ان کی خدمات کا انہیں معاوضہ دیتے وقت کمی کرنا، رب تعالیٰ نے انسان کے لیے جو رزق تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ پورا چاہنا اور اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت میں کمی کرنا یہ سب اسی تطفیف میں داخل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے نماز کو مکیال قرار دیا اور فرمایا کہ نماز ایک پیمانہ ہے جس نے پورا ناپا اسے پورا اجر ملے گا اور جس نے اس میں کمی کی تو اس کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر وعید فرمائی ہے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے آدم کے بیٹے! پورا حق ادا کرو جیسا کہ اپنا حق پورا چاہتے ہو اور عدل کرو جیسا کہ تم اپنے لیے عدل چاہتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانچ گناہوں کی سزا

پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہے، جو عہد شکنی کرتا ہے خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج آجاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جاتا ہے تو اس پر طاعون اور دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہو جاتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ: جب اوروں سے ماپ کر لیں تو بھر کر لیں، عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کارآمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں، آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں، اس میں آسانی بہت ہے اور پیمانہ کو کیل اور مکیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے لی جاتی ہیں، ان کو مکیل کہتے ہیں اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے **وَإِذَا كَالُوْهُمْ** اور جب اوروں کو ماپ کر دیتے تھے **أَوْ وَزَنُوْهُمْ** یا تول کر دیتے تھے **يُخْسِرُوْنَ** کمی کرتے تھے۔ (تفسیر حقانی)

وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ: یہاں کیل، یا وزن کر کے دینے والوں کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ وہ لوگوں کو کیل یا تول کر کے دیتے ہیں تو اس میں کمی کرتے ہیں، کیل کا معنیٰ ناپ کر دینا، وزن کا معنیٰ تول کر دینا، مکہ والے وزن کر کے دیا کرتے تھے جب کہ مدینہ والے ناپ کر کے دیا کرتے تھے، اس لیے یہاں کیل اور وزن دونوں پیمانوں کا ذکر کیا گیا، جب کہ عجمی لوگ دونوں پیمانوں کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ اب تو ہم نے دیکھا کہ کیلی چیزیں موزونی کر کے اور موزونی کیلی کر کے بیچی جاتی ہیں، جب چھوٹے تاجروں سے بات کی گئی تو وہ بڑی منڈی کے بڑے تاجروں کے اسی طریقہ تجارت کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں إِنَّكُمْ مَعَاشِرَ الْأَعَاجِمِ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ بِهِمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ: الْمِكْيَالُ وَالْمِيزَانُ اے عجمیو! تم دو امور کے ذمہ دار ہو ان دونوں کی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے ایک مکیال اور ایک میزان ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ یہاں عجمیوں کو خاص کرنے کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ عجمیوں کو خاص کیا کیونکہ یہ کیل اور وزن دونوں کو جمع کرتے ہیں حرمین (مکہ اور مدینہ) دونوں میں یہ الگ الگ ہیں اہل مکہ وزن کیا کرتے تھے اور اہل مدینہ کیل کیا کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خَمْسٌ بِخَمْسٍ: مَا نَقَضَ قَوْمُ الْعَهْدَ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ، وَلَا حَكَمُوا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْفَقْرُ، وَمَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِيهِمْ إِلَّا ظَهَرَ فِيهِمُ الطَّاعُونُ، وَمَا طَفَّفُوا الْكَيْلَ إِلَّا مُنِعُوا النَّبَاتَ، وَأُخِذُوا بِالسِّنِينَ، وَلَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا حَبَسَ اللهُ عَنْهُمُ الْمَطَرَ

پانچ سزائیں، پانچ اعمال کے بدلے میں ہیں، کوئی قوم بدعہدی کا ارتکاب نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے مگر ان میں فقر عام ہو جاتا ہے، ان میں بے حیائی عام نہیں ہوتی مگر ان میں طاعون پھیل جاتا ہے وہ کیل میں کمی نہیں کرتے مگر ان سے نباتات کو روک لیا جاتا ہے اور قحط سالی سے انہیں پکڑا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کو نہیں روکتے مگر اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے۔ (مسند البزار)

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے کہا، میں اپنے پڑوسی کے پاس گیا جس کی موت کا وقت قریب تھا وہ کہنے لگا آگ کے دو پہاڑ، آگ کے دو پہاڑ، میں نے پوچھا، تو کیا کہتا ہے؟ کیا تو ہذیان کہتا ہے؟ اس نے کہا، اے ابو یحییٰ! میرے پاس دو پیمانے تھے میں ایک کے ساتھ دیتا اور دوسرے کے ساتھ لیتا

تھا، میں اٹھا یہاں تک کہ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ مارنے لگا یہاں تک کہ میں نے دونوں کو توڑ دیا اس نے کہا، اے ابو یحییٰ جب تو نے ایک کو دوسرے سے مارا تو وہ اور بڑھتا گیا وہ اسی تکلیف کی وجہ سے مر گیا۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کیل اور وزن کرنے والے کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جہنم میں ہو گا۔ حضرت اصمعی رحمہ اللہ نے کہا، میں نے ایک بدو عورت سے سنا وہ کہہ رہی تھی تو اس سے مروت کو تلاش کر جس کی مروت مکیال کے سروں میں ہو اور اس سے مروت کو تلاش نہ کر جس کی مروت ترازو کی زبان میں ہو۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جبکہ وہ زعفران کا وزن کر رہا تھا اور اس کو تول رہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ترازو کو الٹ دیا پھر فرمایا، انصاف سے وزن کرو پھر اس کے بعد جو چاہو زائد دے دو، گویا پہلے اسے برابر کا حکم دیا تاکہ اس کا عادی ہو جائے اور واجب کو نفل سے الگ کرے۔ (قرطبی)

حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تاجر کے پاس سے گزرتے اور فرماتے اللہ سے ڈرو اور ناپ تول پورا کرو بیشک ناپ تول میں کمی کرنے والے کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ ان کے کانوں کے نصف تک پہنچ رہا ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جا چکے تھے آپ نے سباع بن عُرفطہ کو مدینہ طیبہ پر نائب بنایا ہوا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم نے ان کو صبح کی نماز میں پایا انہوں نے پہلی رکعت میں كٓهٰيٰعٓصٓ اور دوسری رکعت میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ کو پڑھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی نماز میں کہتا ہوں ابو فلاں کے لیے ہلاکت ہو اس کے دو پیمانے تھے جب کسی سے کوئی چیز لیتا تو پوری لیتا اور جب کسی کو کیل کر کے دیتا تو ناقص کے ساتھ دیتا۔ (قرطبی)

بڑے دن کی ہولناکی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ {۴}لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ{۵}يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ{۶} المطففين.

جواب ترجمہ: کیا یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ایک بڑے زبردست دن میں، جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ: اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے، جس پر نہ کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر، وہ دن بھی نہایت ہولناک و خطرناک ہو گا۔

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ: بڑی گھبراہٹ اور پریشانی والا دن ہو گا، اس دن یہ نقصان رساں لوگ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہو گی اور میدان آفات و بلیلات سے پر ہو گا اور وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے، حواس بگڑے ہوئے ہوں گے، ہوش جاتا رہے گا۔

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ: سخت ہولناک دن ہو گا، جس میں انسان پسینے سے شرابور ہوں گے، از روئے حدیث آدھے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ گیا ہو گا۔ مؤطا)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

{يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ} لِعَظَمَةِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى إِنَّ الْعَرَقَ لَيُلْجِمُ الرِّجَالَ إِلَى أَنْصَافِ آذَانِهِمْ، اس دن لوگ رب العالمین کی عظمت کے سامنے کھڑے کپکپا رہے ہوں گے یہاں تک کہ لوگوں کے نصف کان تک پسینہ پہنچ گیا ہو گا۔

حضرت ابن اسود کندی رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أُدْنِيَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ، حَتَّى تَكُونَ قِيدَ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ، قَالَ: فَتُصْهِرُهُمُ الشَّمْسُ، فَيَكُونُونَ فِي الْعَرَقِ كَقَدْرِ أَعْمَالِهِمْ، مِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى عَقِبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَأْخُذُهُ إِلَى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ إِلْجَامًا

قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہو گا اور سخت تیز ہو گا ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنے پسینے میں غرق ہو گا بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہو گا بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک بعض کو تو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہو گا۔ (مسند احمد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

تَدْنُو الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى قَدْرِ مِيلٍ، وَيُزَادُ فِي حَرِّهَا كَذَا وَكَذَا، تَغْلِي مِنْهَا الْهَوَامُّ كَمَا تَغْلِي الْقُدُورُ، يُعَرَقُونَ فِيهَا عَلَى قَدْرِ خَطَايَاهُمْ، مِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلَى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلَى سَاقَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَبْلُغُ إِلَى وَسَطِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ (مسند احمد)

بروز محشر سورج ایک میل کی مقدار فاصلے پر ہو گا، اس کی گرمی میں یوں یوں اضافہ کیا جائے گا، ہنڈیا کی طرح اس گرمی میں کھوپڑیاں کھول رہی ہوں گی، اپنی اپنی خطاؤں کے بقدر لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ ہو گا، کچھ کی پنڈلیوں تک پسینہ پہنچا ہو گا، کچھ کے درمیان تک پسینہ ہو گا، کچھ ایسے ہوں گے جنہیں پسینہ نے لگام ڈالی ہو گی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہو گی پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے۔

حدیث میں ہے ستر سال تک بغیر بولے چالے کھڑے رہیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ ﷺ نے بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی نہ کوئی حکم کیا جائے گا حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے آپ ﷺ نے فرمایا سنو **فَإِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ كَرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَسُوءِ الْحِسَابِ**، جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو۔

نبی کریم ﷺ کا اپنا عمل مبارک یہ تھا، ابوداؤد میں روایت ہے **أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كان يَتَعَوَّذُ بِاللّٰهِ مِنْ ضِيقِ الْمَقَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** (ابی داؤد) رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کے کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چالیس سال تک لوگ اونچا سر کیے کھڑے رہیں گے کوئی بولے گا نہیں نیک و بد کو پسینے کی لگامیں چڑھی ہوئی ہوں گی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سو سال تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر)

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے، دس مرتبہ الحمد اللہ کہتے، دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے، دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے، پھر یوں دعا مانگتے تھے **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي** اے اللہ مجھے بخش مجھے ہدایت دے مجھے روزی دے اور عافیت عنایت فرما پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

فجار کے لیے سجین اور سجین کی ہولناکی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ{۷}وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ{۸} كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ {۸} المطففين.

جواب ترجمہ: ہر گز ایسا نہیں چاہیے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ: برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فعیل کے وزن پر سجن سے ماخوذ ہے سجن کہتے ہیں لغتاً تنگی کو۔ یہ لفظ بھی سجین ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ: فرمایا کہ تمہیں سجین کی حقیقت معلوم نہیں، وہ المناک اور ہمیشہ کے دکھ درد کی جگہ ہے۔ سجین ساتوں زمینوں کے نیچے ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کی روح کے بارے میں فرماتے ہیں اُكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ اس کی کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجین کے معنی ہیں تنگ جگہ، جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی، آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے، یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے۔

سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اسفل سافلین میں دھکیلنے کا ذکر فرمایا، کہ ہم نے انہیں نیچوں کے نیچ کر دیا۔ تو سجین تنگ کو کہا جاتا ہے

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب مرقوم یہ سجین کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تفسیر ہے جو ان کے لیے لکھا جا چکا ہے کہ آخرش جہنم میں پہنچیں گے ان کا یہ نتیجہ لکھا جا چکا ہے

اور اس سے فراغت حاصل کرلی گئی ہے نہ اب اس میں کچھ زیادتی ہو نہ کمی، تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہو گی انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے۔

جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور بربادی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ {۱۰} الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ {۱۱} وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ {۱۲} اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ {۱۳} كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ {۱۴} (المطففین)

جواب ترجمہ: اس دن بڑی خرابی ہو گی حق کو جھٹلانے والوں کی۔ جو جزاء و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اس دن کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا گنہگار ہو۔ اسے جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہوں تو وہ کہتا ہو کہ: یہ تو پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہر گز نہیں! بلکہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں اس نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔

ویل ہے اس شخص کے لیے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اور اس کے لیے ویل ہے، اس کے لیے ویل ہے، پھر ان جھٹلانے والے بدکار کافروں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزاء کو نہیں مانتے اسے خلاف عقل کہہ کر اس کے واقع ہونے کو محال جانتے ہیں۔ قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے بڑھ جائیں اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں، جھوٹ بولیں، وعدہ خلافی کریں، گالیاں بکیں۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلاتے ہیں بدگمانی کرتے ہیں اور کہہ گزرتے ہیں کہ پہلی کتابوں سے کچھ جمع اکٹھا کر لیا ہے، سورۃ النحل میں ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (النحل:۲۴) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَقَالُوا أَسَاطِيْرُ الأَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (الفُرقان: ۵) یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کے بداعمال نے پردے ڈال دیئے ہیں گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ کافروں کے دلوں پر رین ہوتا ہے اور نیک کار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے جب کہ مقربین کے لیے غین ہوتا ہے۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ، فَإِنْ هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، فَهُوَ الرَّانُ الَّذِي قَالَ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے اسی کا بیان کلا بل ران میں ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

کفار دیدارِ خداوندی سے محروم

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ {۱۵} ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ {۱۶} ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ {۱۷} المطففين

جواب ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں

گے۔ پھر ان کو دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ: یہ ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

یہ لوگ اپنے دلوں میں یہ ارمان لئے جو بیٹھے ہیں کہ آخرت ہوئی تو جس طرح دنیا میں ان کو عزت و شرف حاصل ہے اسی طرح وہاں بھی ان کو اعلیٰ مدارج حاصل ہوں گے، ان کے یہ ارمان پورے ہونے والے نہیں ہیں بلکہ اپنے عقل و دل کے دیدے انہوں نے جو پھوڑ لئے ہیں اس کی سزا ان کو یہ ملے گی کہ وہ اپنے رب سے اس دن اوٹ میں ہوں گے۔ اوٹ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ اس کے قرب، اس کی نظر عنایت، اس کے افضال و عنایات اور اس کے انوار و تجلیات کے مشاہدے سے بالکل محروم رہیں گے۔ ان کو اتنا موقع بھی نہیں ملے گا کہ اپنے رب سے کچھ عرض معروض ہی کر لیں۔ (تدبر قرآن)

اس انکار و تکذیب کے انجام سے بے فکر نہ ہوں، وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب مومنین حق سبحانہ و تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوں گے اور یہ بدبخت محروم رکھے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کے روز یہ کفار فجار اپنے رب کی زیارت سے محروم پس پردہ روک دیئے جاویں گے، یہ ان کے اس عمل کی سزا ہو گی کہ انہوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تو اب اپنے رب کی زیارت کے قابل نہیں رہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین اور اولیا اللہ کو حق تعالیٰ کی زیارت ہو گی ورنہ پھر کفار کے محجوب رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔ (معارف القرآن)

بعض اکابر علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سے حق تعالیٰ کی محبت پر مجبور ہے اسی لئے دنیا کے عام کفار و مشرکین چاہے کتنے ہی کفر و شرک میں مبتلا ہوں اور اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کے متعلق باطل عقیدے رکھتے ہوں مگر اتنی بات سب میں مشترک ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اسی کی جستجو اور رضا جوئی کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، راستہ غلط ہوتا ہے اس لئے منزل مقصود پر نہیں پہنچتے مگر طلب اسی منزل حق کی ہوتی ہے وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اگر کفار میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو ان کی سزا میں شبہ کیا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ متنفر ہے اس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اس کو اس کی زیارت سے محروم کیا جائے۔(معارف القرآن)

علیین کیا ہے؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ{۱۸}وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ{۱۹} كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ {۲۰} يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ{۲۱}المطففين.

جواب ترجمہ: خبر دار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین (میں رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

سچی اور پکی بات یہی ہے کہ نیکوکار لوگ متقی لوگ ہیں، یہ جنت میں اونچے طبقات و مراتب پر فائز ہوں گے، ان کو بیش بہا نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

نیک بندوں کا اعمال نامہ علیین میں رہے گا اور یہ بھی فرمایا کہ جانتے ہو علیین کیا ہے پھر خود ہی فرمایا کہ وہ نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

علیین ساتویں آسمان میں مومنین کی روحوں کے رہنے کی جگہ ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں مومنین کی موت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مومنین کی موت کے وقت فرشتے تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل۔

چنانچہ اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا) قطرہ بہتا ہوا باہر آجاتا ہے۔ پس اسے حضرت ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے (جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو کبھی عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو کتاب علیین میں لکھ دو۔ (انوار البیان)

اگرچہ نیک لوگوں کی ارواح کا مقام علیین ہے اور بد لوگوں کی ارواح کا مقام سجین ہے لیکن اس کے باوجود قبر میں مردے کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے، اس کی حقیقت مرنے کے بعد کھلے گی، اس وقت ہم اس کی حقیقت اور کیفیت نہیں سمجھ سکتے مگر احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ قبر میں جو بدن ہے اس کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ہے کہ جس سے جسم میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہے، نیک آدمی ہو تو اس کے لیے قبر میں راحتیں اور خوشیاں ہوتی ہیں اور بد ہے تو اس کو سزا ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ (ترمذی) قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔

یہ سوال و جواب روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اور جزا، سزا بھی روح اور جسم دونوں کو ہوتی ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے اس میں کسی قسم کی قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے وہ غلط کہتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ جسم سے ہوتا ہے وہ بھی غلط کہتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ جسد مثالی سے ہوتا ہے وہ بھی غلط کہتے ہیں، اسی دنیا والے بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اور اسی بدن کو روح کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حیات اور زندگی حاصل ہوتی ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

نعمت ہائے جنت اور شراب نوشی

سوال اہل جنت کو جنت میں ملنے والی نعمتیں اور پلائی جانے والی لذت دار شراب کے بارے میں قرآن کریم کیا بتاتا ہے؟

جواب قرآن کریم نیکوکاروں کو جنت کی بشارت سناتا ہے، ان کو ملنے والی بیش بہا نعمتوں کا ذکر کرتا ہے، انہیں پلائی جانے والی صاف وشفاف، ذائقہ دار اور مہر زدہ شراب کا بڑے احسن انداز میں ذکر کرتا ہے، ارشاد ہے

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ {۲۲} عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ {۲۳} تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ {۲۴} یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ {۲۵} خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ {۲۶} وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ {۲۷} عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ {۲۷}

یقین جانو کہ نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر نعمتوں میں رہنے سے جو رونق آئے گی، تم اسے صاف پہچان لوگے۔ انہیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی۔ اس کی مہر بھی مشک ہی مشک ہوگی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر للچانے والوں کو بڑھ چڑھ کر للچانا چاہیے۔ اور اس شراب میں تسنیم کا پانی ملا ہوا ہوگا۔ جو ایک ایسا چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے مقرب بندے پانی پئیں گے۔ (اَلْمُطَفِّفِیْنَ)

قیامت کے دن یہ نیکوکار دائمی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے اپنے ملک ومال نعمتوں راحتوں عزت وجاہ، مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے یہ خیر و فضل یہ نعمت ورحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار اللہ سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا کہ فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے ان پر دیدار باری حرام تھا ان کے لیے ہر وقت اجازت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ فِي مُلْكِهِ مَسِيرَةَ أَلْفَيْ سَنَةٍ، يَرَى أَقْصَاهُ كَمَا يَرَى أَدْنَاهُ، وَإِنَّ أَعْلَاهُ لَمَنْ يَنْظُرُ إِلَى اللهِ فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کو دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح اس کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول چیز۔ اور اعلیٰ درجہ کے جنتی تو دن بھر میں دو دو مرتبہ دیدار باری کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پر نور کریں گے۔

ان کے چہرے پر کوئی نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی جاہ و حشمت شوکت و سطوت خوشی و سرور بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ تاڑ لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں۔

جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

أَيُّمَا مؤمن سقى مُؤْمِنًا شَرْبَةً عَلَى ظَمَأٍ، سَقَاهُ اللهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلَى جُوعٍ، أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ. وَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ كَسَا مُؤْمِنًا ثَوْبًا عَلَى عُرى، كَسَاهُ اللهُ مِنْ خُضر الْجَنَّةِ (مسند احمد)

جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے رحیق مختوم پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا۔

ختام کے معنی ملونی اور آمیزش کے ہیں اسے اللہ نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے چاندی کی طرح سفید رنگ شراب ہے جس قدر مہر لگے گی یا ملاوٹ ہو گی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس میں تر ہو جائے پھر چاہے اسی وقت اسے وہ نکال لے لیکن تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کیے گئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہیے کہ اس کی طرف تمام تر توجہ کریں۔

تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو براہ راست پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق میں ملا کر پیتے ہیں۔

دنیا میں کافروں کا استہزا، آخرت میں مسلمانوں کا جواب

سوال دنیا کی زندگانی میں کافر لوگ مسلمانوں سے کیا رویہ روا رکھتے ہیں اور حیات اخروی میں مسلمان کافروں کے خلاف کس طرح رد عمل کا اظہار کریں گے؟

جواب جرائم کی دنیا میں پلنے بڑھنے والے، اللہ کا انکار کرنے والے، آخرت کی تیاری سے اعراض کرنے والے یہ کفار اہل ایمان سے حیات دنیوی میں مزاح اور ٹھٹھا کرتے ہیں، ان کے قریب سے گزرتے ہوئے تمسخر اڑاتے ہوئے، انہیں نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے آگے کی سمت بڑھتے ہیں، جب اپنے لوگوں میں پہنچ جاتے ہیں تو مسلمانوں کے ساتھ کیے جانے والے تمسخر کو دل لگی خیال کرتے۔

جب یہ کافر لوگ نبی کریم ﷺ کے جانثاروں، فداکاروں، رضاکاروں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ اپنا راستہ بھٹک چکے ہیں، گمراہ ہو گئے ہیں، حالانکہ ٹھٹھا کرنے والے ان کافروں کو مسلمانوں پر کوئی

نگہبان و نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا، دنیا میں اہل اسلام کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا، جو رویہ رکھا سو رکھا مگر جب قیامت کا دن ہو گا تو اس دن مسلمانوں کی ایک نرالی شان ہو گی، وہ خوش و خرم ہوں گے۔

آج بروز محشر مسلمان ان کافروں کے دنیا میں کیے گئے ٹھٹھوں کا جواب دیں گے، مسلمان آج فخریہ مجالس میں جلوہ افروز ہوں گے، ان نعمتوں کے دیدار سے شرف یاب ہو رہے ہوں گے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی ہوں گی، ان ساری نعمتوں میں رب العالمین کا دیدار بڑی نعمت ہو گی، مسلمان سرفراز ا جائے گا، جب کہ کافروں کو ان کی سیاہ اعمالیوں، ان کے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا، سزا دی جائے گی، ذلیل و رسوا کیا جائے گا، دوزخ میں پھینکا جائے گا، جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہو گا، ان کو وہاں سے کبھی بھی باہر نہیں نکالا جائے گا۔ ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ{۲۹}وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ {۳۰} وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ{۳۱}وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ{۳۲}وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ{۳۳}فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ{۳۴}عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ{۳۵}هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ {۳۵} المطففين.

جو لوگ مجرم تھے، وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے تھے۔ اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تھے، تو دل لگی کرتے ہوئے جاتے تھے۔ اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یقینا گمراہ ہیں۔ حالانکہ ان کو ان مسلمانوں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ آخر ہو گا یہ کہ آج ایمان لانے والے کافروں پر ہنس رہے ہوں گے۔ آرام دہ نشستوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔ کہ کافر لوگوں کو واقعی ان کاموں کا بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ تمت سورۃ المطففین

خادم ا الم، ہ ح و والا رشی دعا سی ح دوٹی

۲۹ جنوری ۲۰۲۰ء بروز بدھ، بوقت ۳ بجے شب

حروف بینی: ۲۳ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز بدھ، ساڑھے دس بجے شب

اَلاِنشقاق

قیامت کے احوال

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ{۱}وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ{۲}وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ{۳}وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۙ{۴}وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ{۵}يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ{۶}اَلاِنشِقَاق.

جواب ترجمہ: جب آسمان پھٹ پڑے گا۔ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا، اور اس پر لازم ہے یہی کرے۔ اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا۔ اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی، اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے (اس وقت انسان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ اس سے جا ملے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے اپنے کان لگائے ہوئے ہو گا پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اسے بھی چاہیے کہ امر اللہ بجالائے اس لیے کہ یہ اس اللہ کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا جس سے بڑا اور کوئی نہیں جو سب پر غالب ہے اس پر غالب کوئی نہیں، ہر چیز اس کے سامنے پست ولاچار ہے بے بس و مجبور ہے اور زمین پھیلا دی جائے گی بچھا دی جائے گی اور کشادہ کر دی جائے گی۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

إِذَا كَانَ يومُ الْقِيَامَةِ مَدَّ اللهُ الْأَرْضَ مَدَّ الْأَدِيمِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِبَشَرٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَوْضِعَ قَدَمَيْهِ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُدْعَى، وَجِبْرِيلُ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ، وَاللهِ مَا رَآهُ قَبْلَهَا،

فَأَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ هٰذَا أَخْبَرَنِي أَنَّكَ أَرْسَلْتَهُ إِلَيَّ؟ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: صَدَقَ. ثُمَّ أُشَفَّعُ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ، عِبَادُكَ عَبَدُوكَ فِي أَطْرَافِ الْأَرْضِ، قَالَ: وَهُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ (طبری، عبد الرزاق)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے اللہ کی قسم اس سے پہلے اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تو میں کہوں گا، اے میرے رب! جبریل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں اللہ فرمائے گا سچ کہا تو میں کہوں گا اللہ! پھر مجھے شفاعت کی اجازت ہو چنانچہ مقامِ محمود میں کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا کہ اللہ تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے۔

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ: زمین اپنے اندر کے کل مردے اُگل دے گی اور خالی ہو جائے گی یہ بھی رب کے فرمان کی منتظر ہو گی اور اسے بھی یہی لائق ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا: اے انسان! تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا، اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے سامنے دیکھ لے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَالَ جِبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ، عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحْبِبْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ (مسند طیالسی، ابن کثیر) حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جی لے جب تک چاہے، بالآخر موت آنے والی ہے، جس سے چاہو دل بستگی پیدا کر لو، ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے، جو چاہے عمل کر لو، ایک دن تیری اس سے ملاقات ہونے والی ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں

کمزور ہے جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کرلے دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز امدادِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

نیک بخت کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ{۷}فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا {۸}وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا {۹} الانشقاق

جواب ترجمہ: پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے تو آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا۔

وہ لوگ جن کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ان سے اللہ راضی ہو گا، یہ نیک بخت لوگ ہوں گے، ایمان دار اور نیکوکار ہوں گے، اللہ ان سے راضی ہو جائے گا اور ان کی نجات کا فیصلہ ہو جائے گا، ان لوگوں کے ساتھ نرمی کے ساتھ حساب ہو گا، اللہ کے کارندے زیادہ بازپرس نہیں کریں گے اور نہ حساب میں گہرائیوں تک جائیں گے، اس کی تصویر کشی احادیث رسول میں کی گئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: أَلَيْسَ قَالَ اللهُ: {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا}؟ قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ بِالْحِسَابِ وَلَكِنَّ ذٰلِكَ الْعَرْضُ، مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی) جس کے ساتھ حساب میں مناقشہ کیا گیا اسے ضرور سزا ہو گی۔ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا، کیا اللہ نے نہیں فرمایا " اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا" تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کامیابی حساب سے نہیں ہو گی بلکہ صرف پیشی سے ہو گی، قیامت میں صورت یہ ہو گی کہ جس سے حساب لیا گیا، اس کو سزا ہو گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت ہے، فرماتی ہیں کہ

سمعتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيْرًا. فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ؟ قَالَ: أَنْ يَنْظُرَ فِي كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزُ لَهُ عَنْهُ. إِنَّهُ مَنْ نُوقِشَ الحسابَ يَا عائشةُ يَوْمَئِذٍ هَلَكَ (مسند احمد بشرط مسلم) میں نے ایک نماز میں حضور اکرم ﷺ سے سنا" اے اللہ میرے ساتھ ہلکا حساب فرمانا"۔ جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہلکا حساب کیا ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حساب کی کتاب کو دیکھ کر چشم پوشی کر دی جائے اور جانے دیا جائے۔ عائشہ! اس دن جس سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی وہ تو مارا گیا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں إِنَّكُمْ تَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا لَا تُعْرَفُ، وَيُوشِكُ الْعَازِبُ أَنْ يَّثُوبَ إِلَى أَهْلِهِ، فَمَسْرُورٌ وَّمَكْظُومٌ (معجم کبیر، ابن کثیر) تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لوگے بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے۔ غرض اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا، اس کے ساتھ حساب یسیر ہوگا اور وہ نجات پا جائے گا۔

بدبخت کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ {۱۰} فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا {۱۱} وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا {۱۲} اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا {۱۳} اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ {۱۴} بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا {۱۵} الانشقاق

جواب ترجمہ: لیکن وہ شخص جس کو اس کا اعمال نامہ اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ وہ موت کو پکارے گا، اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ پہلے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان بہت

خوش رہتا تھا۔ اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر (اللہ کے سامنے) نہیں جائے گا۔ بھلا کیوں نہیں؟ اس کا پروردگار اسے یقینی طور پر دیکھ رہا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسود بن عبد الاسد کے بارے میں نازل ہوئی جو ابو سلمہ کا بھائی تھا۔ (تفسیر قرطبی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پھر یہ ہر مومن اور کافر کے بارے میں عام ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، وہ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائے گا تاکہ وہ اپنا اعمال نامہ لے تو فرشتہ اسے کھینچے گا اور اس کا دایاں ہاتھ الگ کر دے گا تو وہ اپنا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے لے گا۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے سینے کی ہڈیاں اور پسلیاں توڑ دی جائیں گی پھر اس کا ہاتھ داخل کیا جائے گا اور اس کی پیٹھ کے پیچھے سے نکالا جائے گا تو وہ اعمال نامہ اسی طرح لے گا۔

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا: یعنی جس کا اعمالنامہ اس کی پشت کی طرف سے اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ وہاں اس کی تمنا کرے گا کہ کاش وہ پھر مر کر مٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے مگر وہاں یہ ناممکن ہو گا بلکہ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائیگا، اس کی ایک وجہ یہاں یہ ارشاد فرمائی کہ وہ دنیا میں اپنے اہل و عیال میں آخرت سے بے فکر ہو کر مگن اور خوش رہا کرتا تھا، بخلاف مؤمنین کے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں کبھی بے فکری نہیں ہوتی، ہر عیش و راحت کے وقت بھی آخرت کی فکر ضرور لگی رہتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ان کا حال بیان فرمایا ہے۔

اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِيْنَا مُشْفِقِيْنَ یعنی ہم تو اپنے اہل و عیال کیساتھ آخرت سے بے فکر ہو کر عیش و عشرت اور خوشی و مسرت میں گزارتے تھے آج ان کے حصہ میں یہ عذاب جہنم آئے گا اور جو لوگ دنیا میں آخرت کے حساب و عذاب سے ڈرتے رہتے تھے ان کو وہاں مسرت و خوشی حاصل ہو گی اور اب وہ اپنے اہل و عیال میں دائمی مسرت کے ساتھ رہیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی راحتوں میں مست و مسرور ہو جانا مومن کا کام نہیں، اس کو کسی وقت کسی حال آخرت کے حساب سے بے فکری نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن)

شفق، رات اور چاند کی قسم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی قسم کھائی اور جواب قسم کیا ہے؟

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ{۱۶}وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ {۱۷}وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ {۱۸}لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ{۱۹}الانشقاق.

جواب ترجمہ: اب میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور ان تمام چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لے۔ اور چاند کی جب وہ بھر کر پورا ہو جائے۔ کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔

شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے، پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے، خلیل رحمہ اللہ کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے، جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں، یہ اول رات سے عشاء کے وقت تک رہتی ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشاء تک۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی، امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کے جانے اور رات کے آنے کی قسم کھائی ہے، کچھ دوسرے مفسرین نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام "شفق" ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وسق کے معنیٰ ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم، اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا، اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے اور پوری

روشنی والا بن جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ: بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھو گے، مراد اس سے معراج ہے، یعنی منزل بمنزل چڑھتے چلے جاؤ گے

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے۔ جیسے حدیث میں ہے، کہ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: فَمَنْ؟ تم اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چڑھو گے بالکل برابر برابر یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے، لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ (ابن کثیر)

حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں فِي كُلِّ عِشْرِينَ سَنَةً، تُحْدِثُونَ أَمْرًا لَمْ تَكُونُوا عَلَيْهِ ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا۔ عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا، پھر بھی رنگ بدلتے چلے جائیں گے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے، اور بہت سے لوگ دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھانے لگے، پہلے جوان تھے پھر بڈھے ہوئے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی،

امیری کے بعد فقیری، فقیری کے بعد امیری، صحت کے بعد بیماری، بیماری کے بعد تندرستی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا

إِنَّ ابْنَ آدَمَ لَفِي غَفْلَةٍ مِّمَّا خُلِقَ لَهُ، إِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ خَلْقَهُ قَالَ لِلْمَلِكِ: اُكْتُبْ رِزْقَهُ، اُكْتُبْ أَجَلَهُ، اُكْتُبْ أَثَرَهُ، اُكْتُبْ شَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا، ثُمَّ يَرْتَفِعُ ذٰلِكَ الْمَلَكُ وَيَبْعَثُ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا آخَرَ فَيَحْفَظُهُ حَتّٰى يُدْرِكَ، ثُمَّ يَرْتَفِعُ ذٰلِكَ الْمَلَكُ، ثُمَّ يُوَكِلُ اللهُ بِهِ مَلَكَيْنِ يَكْتُبَانِ حَسَنَاتِهِ وَسَيِّئَاتِهِ، فَإِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ ارْتَفَعَ ذَانِكَ الْمَلَكَانِ، وَجَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَبَضَ رُوحَهُ، فَإِذَا دَخَلَ قَبْرَهُ رَدَّ الرُّوحَ فِي جَسَدِهِ، ثُمَّ ارْتَفَعَ مَلَكُ الْمَوْتِ، وَجَاءَهُ مَلَكَا الْقَبْرِ فَامْتَحَنَاهُ، ثُمَّ يَرْتَفِعَانِ، فَإِذَا قَامَتِ السَّاعَةُ انْحَطَّ عَلَيْهِ مَلَكُ الْحَسَنَاتِ وَمَلَكُ السَّيِّئَاتِ، فَانْتَشَطَا كِتَابًا مَعْقُودًا فِي عُنُقِهِ، ثُمَّ حَضَرَا مَعَهُ: وَاحِدٌ سَائِقًا وَآخَرُ شَهِيدًا (ابن ابی حاتم، ابن کثیر)

ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے اس کی روزی اس کی اجل، اس کی زندگی، اس کا بدیا نیک ہونا لکھ لے، پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے، اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آجائے پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آجاتے ہیں، موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آجاتے ہیں اس کی روح قبض کرتے ہیں پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، ملک الموت چلے جاتے ہیں قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آجائیں گے اور اس کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے، پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے، ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (ق ۲۲)

تو اس سے غافل تھا، پھر ہم نے تیرا پردہ ہٹایا تو تیری نگاہ آج تیز دیکھ رہی ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت لترکبن الخ پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال پھر فرمایا إِنَّ قُدَّامَكُمْ لَأَمْرًا عَظِيمًا لَا تَقْدِرُونَهُ، فَاسْتَعِينُوا بِاللهِ الْعَظِيمِ، لوگو! تمہارے آگے بڑے بڑے ہم امور آرہے ہیں جن کی برداشت تمہارے بس کی بات نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ بلند وبرتر سے مدد چاہو۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں پیش کرتے ہوئے اسے منکر اور ضعیف قرار دینے کے بعد یہ کہا کہ اس کا مطلب بالکل ٹھیک اور درست ہے۔ (ابن کثیر)

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد ﷺ سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک سے گزرنے والے ہیں اور گو خطاب حضور ﷺ سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولناکی دیکھیں گے۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے یہاں غروب آفتاب کے وقت دکھائی دینے والی سرخی جسے شفق کہا گیا ہے اس کی قسم کھائی ہے اور جواب قسم لترکبن طبقا عن طبق ہے۔

مخالفین اسلام کے ایمان نہ لانے پر اظہار تعجب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ {۲۰} وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ {۲۱} الانشقاق

جواب ترجمہ: پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟ (سورۃ الانشقاق)

قرآن ان کے ساتھ فطری زبان میں بات کرتا ہے اور انفس وآفاق میں جو دلائل فطرت اور اشاراتِ ایمان پائے جاتے ہیں ان کے لئے ان کے دلوں کو کھولتا اور دلوں میں تقویٰ، اطاعت اور خضوع وخشوع کے جذبات ابھارتا ہے اور یہی انسانی قلوب کے لئے سجدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات بہت ہی خوبصورت ہے، اس کے اندر ہر طرف اشاراتِ قدرت ہیں، اس کے اندر ایسی تجلیات اور ایسے انوار اور ایسے مناظر موجود ہیں جو قلب انسانی کو خضوع

وخشوع کے جذبات سے بھر دیتے ہیں۔

پھر یہ قرآن بھی خوبصورت اور اِشاراتی ہے اور اس کے اندر بھی ایسے اِشارات، ایسے مناظر اور شواہد ہیں جو قلب بشری کا تعارف اس کائنات اور رب کائنات سے کراتے ہیں اور انسان کے دل و دماغ میں اس عظیم کائنات کے عظیم حقائق ڈال کر اسے اس کائنات کے بزرگ و برتر خالق کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کیا ہی شان ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

ان شواہد کے ذکر کے بعد اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آخرت میں جزاء و سزا کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جبکہ ان کے واضح ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور جس قرآن نے ایسے اہم حقائق کو نہایت سادہ دلائل کے ساتھ قریب الفہم بنایا اور واضح کیا ہے اس کی عظمت کے اعتراف اور اس کی بیان کردہ حقیقت کی تصدیق کے لیے بطور شکر اپنے رب کے آگے سجدہ میں نہیں گرتے۔

سجدہ میں گرنا ایک تو عظمت کے اعتراف کے لیے ہوتا ہے اور دوسرا اظہارِ تشکر کے لیے، عرب اور اہلِ مصر کی یہ روایت تھی کہ جب کسی بات کی عظمت کے سامنے ان کے دل جھک جاتے اور وہ سچے دل کے ساتھ اس کے اعتراف پر مجبور ہو جاتے تو عموماً اسے دیکھتے یا سنتے ہی سجدہ ریز ہو جاتے تھے، جس طرح ساحرانِ مصر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو سمجھ جانے کے بعد سجدہ ریز ہو گئے اور مشہور شاعر لبید کے قصیدے کے ایک شعر پر وقت کے مشہور شعراء عرب نے سجدہ کیا۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت تو ان چیزوں سے بدرجہا بلند ہے اور اس نے جن حقائق کا اظہار کیا اور زندگی کی اصلاح کے لیے جن نصیحتوں سے نوازا اور ایک مکمل نظام اخلاق اور ضابطہ حیات دیا اس کے اعتراف کے طور پر تو یقیناً ہر طرف سر جھک جانے چاہئیں تھے، لیکن مخالفین کی بد نصیبی کا عجیب حال ہے کہ وہ جھکنے کی بجائے اور اکڑتے اور مذاق اڑاتے ہیں اور جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی دعوت کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ قرآن کریم کی مزید تکذیب کر رہے ہیں۔ (تفسیر روح القرآن)

کافروں اور مؤمنوں کی سزا و جزا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ {۲۲} وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ {۲۳} فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ {۲۴} اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ {۲۵} الانشقاق.

جواب ترجمہ: بلکہ یہ کافر لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اور جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اب تم انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو ایسا ثواب ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔

یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ کافر لوگ اللہ کی عظیم کتاب قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں، اس کا انکار کرتے ہیں، اگرچہ زبان سے نہیں کہتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں موجود انکار و تکذیب کو جانتا ہے۔

پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپی چیزیں خوب اور بہتر جانتا ہے، ان کے باطن میں تکذیب و انکار ہے، وہ اللہ کے احکامات کی مخالفت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، وہ دنیا کی زندگانی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے انہیں دنیا کی پر تعیش زندگی میں آخرت کی زندگانی یاد ہی نہیں آئی، کافر اپنے طور پر بڑے سیانے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ انہیں ان کے دنیوی سرور اور خوش وقتی کے بدلے دردناک عذاب کی بشارت دیں اور یہاں بشارت کا لفظ ڈرانے دھمکانے کے لیے استعارہ تہکم ہے یعنی ان سے استہزا کرنے کے لیے عاریۃً لیا گیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

سورۃ کی آخری آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یعنی ان میں سے سب کے ساتھ عذاب الیم کا وعدہ فرمائیں گے، مگر ان لوگوں کے ساتھ نہیں جو کہ ایمان لائیں اور عمل صالح اپنائیں اور اپنے کفر اور گناہوں کو اس سبب سے صاف کر دیں کہ ان پر کوئی عذاب نہیں، نہ

الیم (دردناک) نہ غیر الیم بلکہ ان کے لیے ایمان، نیک اعمال اور کفر و گناہ کو دور کرنے پر ایک ایسا اجر ہے جو کہ ختم ہونے والا نہیں ہے، ابدی ہے اگرچہ نیند اور غفلت کے وقت ان کا ایمان منقطع ہو گیا تھا اور ان کے نیک اعمال بھی بیماری، مصروفیت، سفر اور موت کی وجہ سے منقطع ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس غیر دائمی ایمان کو ایمان دائمی کا حکم عطا فرمایا اور اس منقطع ہونے والے عمل کو ہمیشہ کے عمل کی صورت میں قبول فرمائے اور اس کے بدلے نعمت جاودانی عطا فرمائی۔ (تفسیر عزیزی)

حودملشنحودملل، آج سورۃ الانشقاق کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ کی عالی بارگاہ میں دست بستہ دعا ہے، التجا ہے، عرض ہے کہ وہ ہماری اس فقیرانہ اور متواضع تفسیر کو قبول ومنظور فرمائے، اس کاوش کو میرے لیے، میرے والدین کے لیے، میرے اساتذہ ومشائخ کے لیے، میرے معاونین ومساعدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، اس کام کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، اللہ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے صدقے قبول ومنظور فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

خادم اس الم، محمود الرشید حودٹی

۲۹ جنوری ۲۰۲۰ء بروز بدھ بوقت ۹ بجے بعد نماز عشاء

حروف بنی: ۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک پونے دس بجے شب

البروج

آسمان، قیامت، جمعہ

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے اور جواب قسم کیا ہے؟

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ{۱}وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ{۲}وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ{۳} البروج.

جواب ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں (کہ خدا کی مار ہے ان خندق کھودنے والوں پر)

اللہ تعالیٰ نے برجوں والے آسمان کی قسم کھائی، بروج کے بہت سے معانی اہل لغت اور علم ہئیت کے ماہرین نے بیان کیے ہیں، بروج، برج کی جمع ہے، اس کے معنٰی بلند عمارت اور محل کے ہیں، گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔ آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے، اس کو بروج کہتے ہیں۔ (تبیان القرآن)

علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں، سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے، سات سیارگان یہ ہیں، قمر، زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں، وہ سادہ ہے، اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں، وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔

کہیں یہ شکل شیر کی سی بنتی جاتی ہے، اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے، اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے، اس کو برج عقرب کہتے ہیں، یہ کل بارہ برج ہیں، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔

گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔(روح المعانی)

سیارہ کا دائرہ گردش جسے اس کا گھر، مقام یا منزل کہتے ہیں، آسمان دائرہ کے بارہ حصوں میں سے ہر ایک راس ہے۔ قدیم ہیئت دانوں نے ستاروں کے مقامات سمجھنے کے لیے منطقہ یا راس منزل (فضا) کے بارہ حصے کیے ہیں۔ ہر حصہ میں جو ستارے واقع ہیں ان کی اجتماعی صورت سے جو شکل بنتی ہے، اس حصہ کا نام اسی شکل پر رکھ دیا گیا ہے، مثلاً چند ستارے مل کر شیر کی سی شکل بناتے ہیں، اس حصہ کا نام برج اسد رکھ لیا گیا ہے۔(اردو لغت ج ۲ ص ۹۹۵، بحوالہ تبیان القرآن)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :وَالعَرَبُ تَعُدُّ مَعرِفَةَ مَوَاقِعِ النُّجُومِ وَأَبوَابِهَا مِن أَجَلِّ العُلُومِ، وَيَستَدِلُّونَ بِهَا عَلَى الطُّرُقَاتِ وَالأَوقَاتِ وَالخَصَبِ وَالجَدَبِ.وَبرج المريخ: الحمل والعقرب، والزّهرة: لها الثور والميزان، وعطارد: له الجوزاء والسّنبلة، والقمر: له السرطان، والشمس لها: الأسد، والمشترى له: القوس والحوت، وزحل له: الجدى والدلو

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت بڑے علوم میں شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں، اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے، مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔(التفسیر المنیر للزحیلی ج ۱۴ ص ۲۰)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، کسی عمارت کو مضبوط بنانے کے لئے اس کی ایک طرف پر جو گنبد بنایا جاتا ہے اس کو برج کہتے ہیں، اور بعض نے کہا: برج کا معنی محل ہے اور بعض نے کہا: برج کا معنی ستارے ہیں اور بعض نے کہا: یہ سورج، چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہیں اور ان کی منازل بروج ہیں۔(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۲۴، تبیان القرآن)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، بروج کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: ① یہ مشہور بارہ برج ہیں، ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں بہت عجیب حکمت ہے، کیونکہ ان بروج میں معارج حرکت اور دورہ کرتا ہے اور اس جان کے فوائد سورج کے دورہ پر موقوف ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان بروج کا خالق زبردست حکیم ہے۔

② بروج چاند کی منازل ہیں اور ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان بروج میں چاند دورہ کرتا ہے اور چاند کی حرکت سے آثارِ عجیبہ وجود میں آتے ہیں۔

③ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور ان کو ان کے ظہور کی وجہ سے بروج فرمایا ہے کیونکہ بروج کا لغوی معنٰی ہے ظہور۔ (تفسیر کبیر ۱۰۶،۱۱)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، بروج کے متعلق چار قول ہیں

① حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بروج سے ستارے مراد ہیں۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد محلات یا قلعے ہیں، عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ محل آسمان میں ہیں، مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: بروج میں محافظ ہیں۔

③ منہال بن عمرو رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ کوئی خوبصورت مخلوق ہے۔

④ یحیٰ بن سلام کہتے ہیں کہ وہ منازل ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں جو ستاروں، سورج اور چاند کی منازل ہیں۔ قمر ہر برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے اور یہ اٹھائیس دن ہیں اور دو راتیں چھپا رہتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ چلتا رہتا ہے، اور ان بارہ برجوں کے نام یہ ہیں:

الْحَمَلُ، وَالثَّوْرُ، وَالْجَوْزَاءُ، وَالسَّرَطَانُ، وَالْأَسَدُ، وَالسُّنْبُلَةُ، وَالْمِيزَانُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْقَوْسُ وَالْجَدْيُ، وَالدَّلْوُ، وَالْحُوتُ (تفسیر قرطبی)

① الحمل کا معنیٰ ہے مینڈھے کا بچہ، چونکہ تیئیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہو گئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔

② ثور کا معنیٰ ہے بیل۔ بتیس ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہو گئی ہے جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہے۔

③ الجوزا کا معنیٰ دو آدمی ملے ہوئے، اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ گویا دو آدمی جڑے ہوئے ہیں۔

④ السرطان کا معنیٰ ہے کیکڑا، ایسا پھوڑا جس کی رگیں کیکڑے کے پاؤں کی طرح دکھائی دیتی ہیں، سرطان کا معنیٰ کینسر بھی آتا ہے۔ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔

⑤ الاسد کا معنیٰ شیر ہے۔ ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔

⑥ السنبلہ کا معنیٰ گندم کا خوشہ یا گچھا ہے۔ خوشہ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ستاروں سے بنی ہے۔

⑦ المیزان کا معنیٰ ترازو ہے۔ یہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔

⑧ العقرب کا معنیٰ بچھو ہے۔ یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔

⑨ القوس کا معنیٰ کمان ہے۔ یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکتیس ستاروں سے مرکب ہے۔

⑩ الجدی کا معنیٰ پہلے سال کا بکری کا بچہ۔ بزغالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔

⑪ الدلو کا معنیٰ ڈول ہے۔ ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے۔ بیالیس ستاروں سے مرکب ہے۔

⑫ الحوت کا معنیٰ مچھلی ہے۔ یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

آسمان پر بعض جگہ ستاروں کے اجتماع سے بکری کے بچہ کی شکل بن جاتی ہے، کہیں بیل کی شکل بن جاتی ہے، کہیں بکری کی شکل بن جاتی ہے اور کہیں کیکڑے کی شکل بن جاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس، یہ شکلیں رصد گاہ میں قوی دوربین سے نظر آتی ہیں، علماء ہیئت نے اپنی آسانی کے لیے ان شکلوں کے یہ نام رکھ لیے ہیں۔ (تبیان)

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے، الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے، الجوزا اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے، السرطان قمر کی منزل ہے، الاسد شمس کی منزل ہے، القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے اور الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۴)

صاحب تبیان القرآن نے ستاروں کے بروج میں انگریزی مہینوں کے اعتبار سے گردش کا ذکر اس احتمال کے ساتھ کیا ہے کہ ماہرین علم نجوم کے اعتبار سے درج ذیل مہینوں میں ستارے ان بروج میں گردش کرتے ہیں، تاہم یہ کوئی شرعی اور حتمی چیز نہیں ہے:

① اپریل : الحمل ② مئی : الثور ③ جون: الجوزاء ④ جولائی: السرطان ⑤ اگست: الاسد ⑥ ستمبر: السنبلہ ⑦ اکتوبر: المیزان ⑧ نومبر: العقرب ⑨ دسمبر: القوس ⑩ جنوری: الجدی ⑪ فروری: الدلو ⑫ مارچ : الحوت۔

مکہ میں جبکہ آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریش مکہ

کو ناگوار گزرا کیونکہ ان کے مالوف و مرغوب دستور کے خلاف تھا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو تو ستانا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غرباء مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مار پیٹ، گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا، عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا، اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔

غرباء مسلمین آنحضرت ﷺ سے آکر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے، ان کا یہ زور ڈھے جاوے گا، یہ تمہارے آگے ذلیل و مقہور ہوں گے، یہ سن کر کفار قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لیے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ (حقانی)

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ: دوسری بات قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزاء و جزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح و ظفر آخرت میں بہشت، وہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے، اس کی قسم کھاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے، یہ ایک بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنیٰ کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہلِ دل یوم موعود وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاویں گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوب حقیقی کا دیدار دیکھیں گے، اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے، ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے، جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے، پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے، اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے، اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں

رہتے، ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے، اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔ (تفسیر حقانی)

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ: تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاھد و مشھود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا؟ لغت میں شاہد کے معنیٰ سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنیٰ ہیں اس لیے ان کے معنیٰ میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد و اطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے، چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے، اس لیے ان کو نکرہ لایا گیا بر خلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا والیوم الموعود فرمایا۔

اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی و عبد بن حمید وابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکر الٰہی اور دین کے لیے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے جس میں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد و مشہود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت ﷺ بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی

دیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ اور رات دن بھی شاہد ہیں، یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں، یہ بھی گواہی دیں گے اور نیز جمیع ممکنات بھی شاہد ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ شَاهِدٌ تَدُلُّ عَلَى اَنَّهُ وَاحِدٌ

صوفیہ کرام علیہم السلام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلاء میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔ (حقانی)

ان تینوں چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جواب قسم کہتے ہیں محذوف ہے، اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم و طرزِ کلام سے خوب سمجھے تھے، پھر کسی نے کہا وہ ایمانداروں کا دنیا و آخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہر طور مدعا ایک ہی ہے اور یہ ٹھیک ہے کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفاء میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورۃ میں مذکورہ ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربک لشدید الخ ہے اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخدود النار ہے۔ (تفسیر حقانی)

خندق والوں کا واقعہ

سوال خندق والوں کا واقعہ کیا ہے؟ اس پر روشنی ڈالیے۔

جواب کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن تھا، اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ

میری عمر اخیر ہوئی، آپ کسی ذہین وفطین لڑکے کو میرے حوالے فرمایئے کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور راستہ میں ایک راہب اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں رہا کرتا تھا، معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے، لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا۔

راہب نے اس کو دین حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا، کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے، میرے پاس کم آتا ہے، گھر والوں نے ادھر کاہن کی اس بات پر اس کو مار پیٹ شروع کی، ایک روز راستہ رکا ہوا تھا، کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔

بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے، تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے، یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا، لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔

یہ شہرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں، وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا، لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے، صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پر ایمان لا، اس نے کہا بہت اچھا، لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں، یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروا دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو، جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا، تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے

مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھا دو اور یہ کہہ کر کہ بِاسْمِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو، بادشاہ نے ایسا ہی کیا، لڑکا مر گیا، اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔

بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہو گئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھود دو اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ، تب شاہی کارندوں نے ایمانداروں کو آگ میں ڈالنا شروع کر دیا، اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔

راہب سے مراد قیمون ہے اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہو سکتا ہے، یا نجران کا حاکم، مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگزاشت ہو گئی، کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا، اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذونواس ہے۔ (حقانی)

مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔

محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مؤرخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا اور کھائیاں آکر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں اور اسی نے آکر جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہل نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا، اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ البروج.

کہ خدا کی مار ہے ان خندق (کھودنے) والوں پر، اس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی۔ جب وہ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے، اس کا نظارہ کرتے جاتے تھے۔ اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے۔ جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ یقین رکھو کہ جن لوگوں نے مومن مردوں عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے، پھر توبہ نہیں کی ہے، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کے لیے بیشک (جنت کے) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔

رب تعالیٰ کی قوت وطاقت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ البروج

جواب ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہ بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے۔ جو کچھ ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔ کیا تمہارے پاس ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی؟ اس کے باوجود کافر لوگ حق کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جبکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ خدائی پکڑ و گرفت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ بسا اوقات مجرمین اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی ذریعے سے ہو، کسی کی منت سماجت کی جائے، سفارش پہنچ جائے، یا کسی اور وجہ سے مجرم بچ سکتا ہے، مگر احکم الحاکمین کی پکڑ اس لحاظ سے سخت ہے کہ اس کے ہاں ایسا کوئی طریقہ کار آمد نہیں ہو سکتا، نہ وہاں منت خوشامد کام آسکتی ہے، نہ سفارش بچا سکتی ہے، نہ کوئی فدیہ کام آسکتا ہے، بلکہ اسے ہر حالت میں مقرر سزا بھگتنی پڑے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیوی سزا زیادہ سے زیادہ سزائے موت ہو سکتی ہے، ایک دفعہ موت واقع ہو گئی سزا مکمل ہو گئی، اس کے بعد اور کوئی سزا نہیں دی جا سکتی، فرعون کے جادوگروں نے یہی کہا تھا کہ ہمیں قتل کی دھمکیاں دے رہے ہو، اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتے ہو۔ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ہماری اس دنیوی زندگی کو ہی ختم کر دو گے۔

اس زندگی کے بعد کسی کو مزید سزا دینے کی دسترس نہیں ہے کیونکہ موت کے بعد کوئی کسی کو زندہ نہیں کر سکتا، معدوم کو لوٹا نہیں سکتا لہذا موت کے بعد سزا کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے، جو مردہ کو دوبارہ زندہ کر دے اور معدوم کو لوٹا دے لہذا وہ سزا بھی بار بار دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی سزا کا قانون قرآن پاک میں فرمادیا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ جب مجرمین کے جسم کی کھالیں دوزخ کی آگ میں جل جائیں گی ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے، جسم کے جلے ہوئے عناصر دوبارہ پیدا

ہو جائیں گے، اس طرح ان کو بار بار سزا ملتی رہے گی، اس لحاظ سے بھی خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ (معالم العرفان)

اور اس رب تعالیٰ کی صفت یہ ہے اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ یعنی وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا، اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو، لہذا وہ دوبارہ لوٹا کر مجرموں کو سزا بھی ضرور دے گا اور یہ بھی کہ اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے، جب وہ مجرم کو پکڑتا ہے تو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا اس کی سزا سے کوئی بچ بھی نہیں سکتا، مگر اس کے ساتھ ساتھ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ وہ غفور ہے کہ جرم کے ارتکاب کے بعد اگر اس سے معافی مانگ لی جائے، تو وہ معاف بھی کر دیتا ہے اور ودود اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے نفرت نہیں کرتا، اس کو اپنے بندوں کے ساتھ ماں سے زیادہ محبت ہے مگر یہ انسان ہیں جو اپنی صلاحیت کو ضائع کر کے مجرم باغی اور متکبر بن کر اس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں، ورنہ وہ تو غفور بھی ہے اور وَدود بھی ہے۔ (معالم العرفان)

اور وہ خدا ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ بڑی بزرگی والا، عرش کا مالک ہے، جو تمام کائنات پر محیط ہے اور جس پر اس کی تجلی ہر وقت پڑتی رہتی ہے، اس سے تمام کائنات رنگین ہوتی ہے اور اس کے اثرات پھیلتے ہیں، تم تو دنیا کے ان چھوٹے چھوٹے بے حقیقت تختوں پر بیٹھ کر گھمنڈ کرنے لگتے ہو، مگر رب تعالیٰ تو بڑے تخت کا مالک ہے، تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ خدا کا مقابلہ کر لیں گے یا اس کی گرفت سے بچ جائیں گے یہ ناممکن ہے۔ (معالم العرفان)

اور پھر اس وحدہ لاشریک کے اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وہ اپنے ارادے سے جو چاہے کرے اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں، فعال مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت زیادہ کرنے والا جو چاہتا ہے کرتا ہے، تمام چیزیں اس کے ارادے میں ہوتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے کمال حکمت کے ساتھ کرتا ہے مگر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا، اس کا اعلان ہے وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ اس کی بادشاہی میں ظلم کبھی نہیں ہوتا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ بہر حال وہ

عرش عظیم کا مالک ہے اس کی گرفت سے کوئی مجرم بھاگ نہیں سکتا۔(معالم العرفان)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ: فرمایا کیا تمہارے پاس ان لشکروں کی بات نہیں آئی جو بڑے عظیم طاقتور اور سازوسامان سے لیس تھے۔ مثلاً فرعون ہی کو لے لیجئے۔ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا، تو اس کے ساتھ بارہ لاکھ کا مسلح لشکر تھا، ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح ذلت کی موت مریں گے۔

فرعون وثمود فرعون کے علاوہ قوم ثمود میں بڑے بڑے انجنیئر اور کاریگر تھے، تبوک سے لے کر وادی قری تک ان کے سترہ ۱۷۰۰ سو بڑے بڑے شہر آباد تھے، ان شہروں میں پتھروں کو تراش کر بڑی بڑی عمارتیں بنائی گئی تھیں، ان کے کھنڈرات آج بھی لوگ تبوک میں جا کر دیکھتے ہیں، ہزاروں سال کے بعد بھی ان عمارتوں کے نقش ونگار دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، اتنی عالیشان عمارتیں تھیں، زندگی کی تمام سہولتیں ان کو حاصل تھیں، مگر ان کا کیا حشر ہوا، جب زلزلہ آیا تو جیسا کہ سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔ **فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ** تو وہ اوندھے منہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر ذلیل ہو کر ہلاک ہو گئے۔

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ: فرمایا جو لوگ کفر کرنے والے ہیں اہل مکہ میں سے ابو جہل اور اس کی پارٹی انہیں لوگوں میں شامل تھی، ان کے متعلق فرمایا **فِي تَكْذِيبٍ** وہ تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، خدا کی وحدانیت جزائے عمل اور قیامت کو جھٹلاتے ہیں، پہلے کفار کا بھی یہی شیوہ تھا اور آج بھی یہ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔

مگر یاد رکھو **وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَائِهِمْ مُّحِيطٌ** اللہ تعالیٰ پیچھے سے گھیرنے والا ہے، ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے، یہ بچ کر کہاں جائیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حکمت کے ساتھ مہلت دے رکھی ہے، مگر **اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ** اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے، ہر شخص اللہ کے احاطہ میں پھنسا ہوا ہے کوئی مجرم بھاگ کر نہیں جا سکتا۔(معالم العرفان)

لوح محفوظ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ لوح محفوظ کیا ہے؟

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ {۲۱} فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ {۲۲} البروج.

جواب ترجمہ: (ان کے جھٹلانے سے قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا) بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ لوحِ محفوظ میں (نقش ہے)۔

یہ سب واقعات اور پھر ہدایت مضامین قرآن میں ہیں، وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے، بل ہو قرآن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہو سکتا، کس لیے کہ فی لوح محفوظ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ لَوْحًا مَحْفُوظًا مِّنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ صَفَحَاتُهَا مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ، قَلَمُهُ نُورٌ، وَ كِتَابُهُ نُورٌ، لله فيه فی كُلَّ يَوْمٍ سِتُّونَ وَثَلَاثُمِائَةُ لَحْظَةٍ، يَخْلُقُ وَيَرْزُقُ وَيُمِيتُ وَيُحْيِي وَيُعِزُّ وَيُذِلُّ وَيَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (طبرانی)

اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید مروارید سے پیدا کیا ہے، اس کے پہلو سرخ یاقوت کے ہیں، اس کا قلم نور کا ہے، اس کی کتاب نور کی ہے، اللہ تعالیٰ روزانہ تین سو ساٹھ بار نظر ڈالتے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، زندہ کرتا ہے، مارتا ہے، عزت دیتا ہے، ذلت دیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ لوح محفوظ لوح الذکر ہے، اس کی مسافت تین سو سال کی مسافت ہے، جب کہ ایک روایت میں ہے کہ اس کی مسافت سو سال کی ہے۔ (فتح القدیر)

تفسیر عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، جس میں لوح محفوظ کی مسافت پانچ سو سال لکھی ہے۔

اس کی لمبائی آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے، اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے، اس کے کناروں پر یاقوت نصب کیے گئے ہیں، اس کے دونوں پہلو سرخ یاقوت کے ہیں، نور کے قلم کے ساتھ اس میں قدیم کلام تحریر کیا گیا ہے، اس تختی کی ابتدا میں یہ عبارت نمایاں ہے،

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، دِينُهُ الْإِسْلَامُ، وَمُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَصَدَّقَ بِوَعْدِهِ وَاتَّبَعَ رُسُلَهُ أَدْخَلَهُ الجنة (البغوي) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا دین اسلام ہے، محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو اللہ عزوجل پر ایمان لایا اور اس کے وعدوں کو سچا جانا اور اس کے رسول کی پیروی کی تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، اللہ نے قرآن کریم کو لوح محفوظ میں رکھا ہوا ہے، جو ساتویں آسمان کے اوپر ہوا میں ہے، یہ شیاطین کی دست برد سے محفوظ ہے، اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔

حضرت عبد الرحمان بن سلمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

مَا مِنْ شَيْءٍ قَضَى اللّٰهُ، الْقُرْآنُ فَمَا قَبْلَهُ وَمَا بَعْدَهُ، إِلَّا وَهُوَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ، وَاللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ بَيْنَ عَيْنَيْ إِسْرَافِيلَ لَا يُؤْذَنُ لَهُ بِالنَّظَرِ فِيهِ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے پہلے اور اس کے بعد جس چیز کا بھی فیصلہ فرمایا وہ لوح محفوظ میں ہے، لوح محفوظ اسرافیل کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہے، انہیں بھی اس میں دیکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی، ایک تفسیر میں ہے کہ لوح محفوظ اسرافیل کی پیشانی پر ہے۔ (ابن ابی حاتم)

جبریل جیسا عظیم فرشتہ جو قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے کر تشریف لاتے تھے لوح محفوظ میں وہ بھی نہیں جھانک سکتے، اللہ تعالیٰ جس قدر قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ کرتے اتنا حصہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا پڑھتے اور جبریل اللہ تعالیٰ سے سن کر محفوظ کرتے اور حضور ﷺ پر لاتے تھے۔ (العذب المنیر من مجالس الشنقیطی فی التفسیر)

لطائف الاِشارات اور تفسیر قشیری میں ہے کہ لوح محفوظ کا اوپر والا حصہ عرش کے ساتھ لگتا ہے جب کہ نیچے والا حصہ عزت دار فرشتے کی گود میں ہے۔ تفسیر قرطبی میں اس عزت دار فرشتے کا نام ماطریون لکھا گیا ہے، جب کہ علامہ محمود آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس فرشتے کا نام ساطریون لکھا ہے۔ زادالمسیر فی علم التفسیر میں ہے کہ لوح محفوظ میں قرآن کریم اور باقی ساری آسمانی کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ عرش الٰہی کی دائیں جانب ہے۔ (توفیق الرحمٰن فی دروس القرآن) حضرت مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں سب کچھ ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی ماہیت اور اس کی حقیقت اور کتابت کی کیفیت کے بارے میں بحث کرنا ہم پر لازم نہیں ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان)

حودمللہ حودمللہ آج اللہ کے فضل وکرم اور احسان عظیم کے ساتھ سورۃ البروج پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اس متواضع اور عاجزانہ تفسیر کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور اسے میرے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میرے مشائخ اور اساتذہ کرام کے لیے، میرے معاونین کرام کے لیے صدقہ جاریہ اور ذریعہ فلاح ونجات بنائے۔ آمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

۳۰ جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعرات رات ۱۱ بج کر ۵۳ منٹ

حروف بینی: ۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ، بوقت گیارہ بج کر ۵۴ منٹ

الطارق

محافظ، خالق، معاد، مکر، مہلت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ الطارق.

جواب ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا ستارا۔ کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ اب انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اسے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بیشک وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہوگی۔ تو انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے بارش بھرے آسمان کی۔ اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی۔ کہ یہ (قرآن) ایک فیصلہ کن بات ہے۔ اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ بیشک یہ (کافر لوگ) چالیں چل رہے ہیں۔ اور میں بھی اپنی چال چل رہا ہوں۔ لہٰذا (اے پیغمبر) تم ان کافروں کو ڈھیل دو، انہیں تھوڑے دن اپنے حال پر چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آسمان اور ستارے کی قسم کھائی ہے، واؤ قسمیہ ہے، پھر طارق کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو کیا معلوم کہ طارق کیا ہے؟ پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ نجم الثاقب ہے۔

طارق کی تفسیر چمکتے ستارے سے کی ہے، وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں، ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نَهَى أَنْ يَطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ طُرُوقًا رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بے خبر آجائے، یہاں بھی لفظ طروق ہے، آپ کی ایک دعا إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے۔

الثَّاقِبُ: ثاقب کا معنیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چمکیلا اور روشنی والا کیا ہے، سدی کہتے ہیں کہ نجم الثاقب وہ ہے جو شیطان پر گرتا ہے جب اسے اس کی طرف چھوڑا جاتا ہے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نجم الثاقب روشنی والا اور شیطان کو جلانے والا ہے۔

إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ: یہ جواب قسم ہے، کہ ہر جاندار کا محافظ ہے، یہ محافظ کون ہے؟ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس کی بھی وضاحت موجود ہے، سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف: ۶۴) پس اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء ۴۲) آپ سوال کیجیے، اے منکرو! کون ہے جو نگہبانی کر سکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمن سے، محافظ کی ایک تفسیر تو یہ ہو گئی کہ سب سے بڑا محافظ اللہ تعالیٰ خود ہے اور ہر وقت نگران و نگہبان ہے۔

سورۃ الانفطار میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو محافظ قرار دیا کہ وہ تمہارے اعمال کے نگران و نگہبان ہیں، ارشاد ہے وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ {۱۰} كِرَامًا كَاتِبِينَ {۱۱} يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ {۱۲} بیشک تمہارے اوپر البتہ حفاظت کرنے والے مقرر ہیں وہ باعزت لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

جو بات زبان سے نکلتی ہے اس کو لکھ لیتے ہیں اور جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں، یہ

دو فرشتے دن کے ہوتے ہیں اور دو رات کے، فجر اور عصر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹی بدلتی ہے، رات والے فجر کی نماز کے لیے امام اللہ اکبر کہتا ہے تو چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں اور عصر کی نماز کے وقت کہتا ہے اللہ اکبر تو دن والے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔

اسی طرح فرشتوں کے بارے میں سورۃ الرعد میں ارشاد ہے لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (الرَّعْدِ: ۱۱) اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وُكِّلَ بِالْمُؤْمِنِ مِائَةٌ وَّسِتُّونَ مَلَكًا يَذُبُّونَ عَنْهُ مَا لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ، مِنْ ذٰلِكَ الْبَصَرُ، سَبْعَةُ أَمْلَاكٍ يَذُبُّونَ عَنْهُ، كَمَا يُذَبُّ عَنْ قَصْعَةِ الْعَسَلِ الذُّبَابُ، وَلَوْ وُكِلَ الْعَبْدُ إِلَى نَفْسِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَاخْتَطَفَتْهُ الشَّيَاطِينُ (قرطبی) ہر مومن کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر کیے گئے ہیں جو اس سے ان چیزوں کو دور کرتے ہیں جو ان کے حق میں مقدر نہیں ہوتیں، ان میں سے آنکھ کے لیے سات فرشتے ہوتے ہیں جو اس کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں جس طرح شہد کے پیالے سے مکھیوں کو دور کیا جاتا ہے اگر انسان کو پلک جھپکنے کے عرصہ میں اس کے سپرد کر دیا جائے تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (مکائد الشیطان لابن ابی الدنیا، تفسیر در منثور)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس فرشتے انسان کے بدن کی دن کو حفاظت کرتے ہیں اور دس رات کو۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی منظور ہوتی ہے اور جب اس کی ہلاکت کا وقت ہوتا ہے تو فرشتے الگ ہو جاتے ہیں اور وہی کچھ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا ہوتا ہے۔ (ابن جریر طبری، ذخیرۃ الجنان)

انسان سوچے کہ جس خدا کی مقرر کی ہوئی اتنی ان گنت آنکھیں رات بھر جاگتی اور ٹکٹکی لگائے زمین والوں کو گھورتی رہتی ہیں کس کی مجال ہے کہ اس کے دام سے بچ کر نکل سکے، سائنس کی ایجاد کردہ بڑی سے بڑی دوربینوں کے اندر بھی وہ طاقت نہیں ہے جو آسمان کے معمولی سے معمولی ستاروں

کے اندر ہے جن کی روشنی تہہ بہ تہہ فضاؤں کو چیرتی ہوئی زمین تک پہنچ جاتی ہے، جو خدا اپنی قدرت کی یہ شان ہر شب میں ہمیں دکھا رہا ہے اس کے متعلق یہ تصور کہ اس کی نگاہوں سے کوئی چیز بھی اوجھل رہ سکتی ہے صرف اس شخص کے اندر پیدا ہو سکتا ہے جو عقل سے بالکل عاری ہو۔ (تدبر)

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ: اس آیت کے ذیل میں مصری عالم علامہ قطب نے بہت ہی عرق ریزی اور خوبصورتی سے عجائبات قدرت بیان فرمائے ہیں، وہ لکھتے ہیں

''کہ انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا اور پھر دیکھتے دیکھتے کیا بن گیا، ایک ایسے پانی سے پیدا کیا جو اچھل کر جسم انسانی سے نکلتا ہے اور یہ آتا کہاں سے ہے، انسان کی پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے، یہ پانی مرد کی ریڑھ کی ہڈیوں سے جمع ہوتا ہے اور عورت کے سینے کی بالائی ہڈیوں سے نکلتا ہے اور اس پانی کا بننا اور اس کا یوں خارج ہونا اللہ کے رازوں میں سے ایک راز تھا جسے انسان ابھی تک نہیں جانتا تھا''۔

گزشتہ نصف صدی میں سائنس نے اپنے اسلوب تحقیق کے مطابق اس کے بعض پہلوؤں سے پردہ اٹھایا اور معلوم ہوا کہ مرد کی پیٹھ کی ہڈیوں اور عورت کے سینے کی بالائی ہڈیوں کے اندر مادہ منویہ تیار ہوتا ہے اور یہ دونوں مواد جب ایک نہایت ہی محفوظ جگہ میں اکٹھے ہوتے ہیں تو پھر ان سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

حقیقت ہے کہ انسان کی ابتدائی پیدائش اور آخری شکل تمام کے درمیان ایک طویل اور خوفناک سفر ہے، وہ پانی جو ریڑھ کی ہڈیوں اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اس کے اور پھر ایک مکمل شکل وصورت کے انسان کے درمیان ایک طویل سفر ہے، جو عقل بھی رکھتا ہے، وہ عضوی، اعصابی، عقلی اور نفسیاتی پیچیدہ ترکیب بھی رکھتا ہے۔

یہ سفر جو اچھلتا پانی طے کر کے ایک عاقل وبالغ انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے باہر ایک قوت ہے جو اس مائع پانی کو ایک سمت میں چلاتی ہے، جبکہ

ابتدائی حالت میں اس پانی کے اندر نہ قدرت ہے نہ کوئی ہیولا ہے، یہ پانی یہ طویل سفر نہایت ہی عجیب وغریب انداز میں طے کرتا ہے اور اس انجام تک پہنچتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس پر ایک نگران مقرر ہے کہ وہ اس باریک نکتے کی نگرانی کرتا ہے جس کے اندر نہ عقل ہے اور نہ اس کے اندر کوئی ہیولا نظر آتا ہے، نہ قوت ہے اور نہ ارادہ ہے اور اس نکتے کے اس طویل سفر میں مسلسل نگران رہتا ہے، اس نکتے کے اندر اس قدر عجائب ہیں کہ انسان اپنی شعوری زندگی کے آغاز سے انتہا تک اس قدر عجائب وغرائب نہیں دیکھ سکتا۔ (ظلال القرآن)

یہ ایک نکتہ نہایت ہی باریک نکتہ ہوتا ہے اور یہ نہایت طاقتور خوردبین سے بھی بمشکل نظر آتا ہے، یہ پانی جب ایک بار مرد کی پشت سے اچھل کر نکلتا ہے تو اس کے اندر ایسے کروڑوں نکتے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک نکتہ اپنے مقام تک پہنچتا ہے، یہ حقیقت کہ اس نکتے کی کوئی شکل نہیں ہوتی اس کے اندر عقل نہیں ہوتی، اس کے اندر کوئی قوت نہیں ہوتی، اور کوئی ارادہ نہیں ہوتا، اس وقت معلوم ہوجاتی ہے جب یہ نکتہ رحم مادر میں جاکر ٹھہرتا ہے اور پھر غذا کا متلاشی ہوتا ہے، اب دستِ قدرت اس کی راہنمائی یوں کرتا ہے کہ یہ نکتہ اپنے اردگرد پائے جانے والے رحم مادر کی دیواروں کو کھانا شروع کردیتا ہے اور یہ رحم مادر کے اندر اپنے لئے خون کا ایک حوض بنالیتا ہے۔ (ظلال القرآن)

یہ خون اس کے لئے غذا کا کام کرتا ہے، جونہی اسے اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی خوراک کا انتظام ہوگیا ہے، یہ ایک نئی کارروائی شروع کرتا ہے، اب یہ تقسیم در تقسیم ہونا شروع کرتا ہے اور مسلسل تقسیم ہوتا رہتا ہے، یہ سادہ، بے عقل اور بے شکل اور ضعیف وناتواں اور قوت وارادے سے محروم خلیہ ہے اس کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کس طرف بڑھنا ہے۔

یہ دستِ قدرت ہی ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اسے قوت و ارادہ سے نوازتا ہے کہ اسے کدھر جانا ہے اور کیا شکل اختیار کرنی ہے، دستِ قدرت اسے حکم دیتا ہے

کہ وہ اس مسلسل تقسیم کے عمل سے پیدا ہونے والے خلیوں کو اس کام میں لگادے جس کے لئے انہیں پیدا کیا جارہا ہے۔

اس عمارت کے جس حصے کے لئے خلیے پیدا ہوتے ہیں وہ اس عضو کی طرف بڑھتے ہیں جبکہ جسمِ انسانی کی عمارت مجموعی اعتبار سے بے حد پیچیدہ عمارت ہے، تقسیم کے عمل سے پیدا ہونے والے یہ خلیے مسلسل چلتے ہیں اور ان اعضا کی شکل میں جمع ہوتے ہیں اور آخر کار یہ عظیم ہیکل تیار ہوتا ہے، یہ خلیے انسان کے جسم کے اندر عضلاتی نظام تیار کرتے ہیں، پھر ان کا ایک گروپ اَعصابی نظام تیار کرتا ہے، ان کا ایک گروپ شرائین کا جال بچھاتا ہے، یہ اور اس عمارت کے دوسرے پیچیدہ نظام تیار ہوتے ہیں لیکن یہ تعمیر و تشکیل کا عمل اس قدر سادہ نہیں ہے جس طرح سمجھا جاتا ہے، اس نظام کے اندر نہایت ہی گہری ٹیکنالوجی کام کرتی ہے۔ (ظلال القرآن)

ہڈیوں میں سے ہر ہڈی، عضلات میں سے ہر ایک عضل اور اعصاب میں سے ہر ایک پٹھا، کسی دوسری ہڈی، پٹھے کے پوری طرح مشابہ اور یکساں نہیں ہے، کوئی پٹھا دوسرے اعصاب کے ساتھ یکساں نہیں ہے کیونکہ یہ عمارت بے حد پیچیدہ ہے، اس کی ساخت بھی نہایت عجیب ہے، ہر ایک کا فعل اور فریضہ الگ ہے، اس لئے ہر خلیہ معلم قدرت سے یہ بات سیکھتا ہے اور اخذ کرتا ہے کہ وہ کس مخصوص عضو کے لئے مخصوص ہے اور اس نے اس عضو کے اندر پھر کیا ڈیوٹی سرانجام دینی ہے، اس لئے جسم کے اندر جو چھوٹے سے چھوٹا خلیہ بھی حرکت کرتا ہے۔

معلم قدرت کی رہنمائی میں وہ اپنی راہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے اور اس کی ڈیوٹی کیا ہے اور اس نے کیا کرنا ہے، کوئی ایک خلیہ یا ان کا گروپ بھی کبھی اپنی راہ غلط نہیں کرتا مثلاً جو خلیے آنکھ بناتے ہیں، ان کو معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ سر میں ہوتی ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیٹ یا پاؤں یا بازوؤں میں آنکھیں بنائیں۔

حالانکہ اگر اللہ چاہے تو وہ پیٹ، ہاتھ اور پاؤں میں کسی جگہ آنکھ بنادے، اگر آنکھ بنانے والا

پہلا خلیہ ان مقامات کی طرف چلا جائے اور وہاں آنکھ بنادے تو وہ بنا سکتا ہے، لیکن جب آنکھ کا خلیہ سفر کرتا ہے تو وہ اسی مقام کی طرف سفر کرتا ہے جو اس کے لئے اس انسانی پیچیدہ ہیولا کے اندر مخصوص کر دیا گیا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

سوال یہ ہے کہ اس خلیے کو یا ان خلیات کو یہ احکام کون دیتا ہے؟ کون ہے جس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آنکھ کو اس جگہ ہونا چاہیے اور اس جگہ نہیں ہونا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اللہ ہی حافظ و برتر ہے جو ان خلیات کی نگرانی کرتا ہے، ان کو ہدایت دیتا ہے، ان کو راہ بتاتا ہے اور ایسی تاریکیوں میں راہ بتاتا ہے جہاں اللہ کے سوا کوئی اور راہ بتانے اور بنانے والا ہوتا ہی نہیں ہے۔

یہ تمام خلیے، اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر اس فریم ورک کے اندر کام کرتے ہیں جو ان کے لئے ان خلیات کا مجموعی نظم طے کرتا ہے، اس مجموعی نظم میں اس عضو کی شکل بھی ہوتی ہے اور اس کے اندر وراثتی خصوصیات بھی ہوتی ہیں، مثلاً اگر انسان کی آنکھ کے خلیات ہیں تو وہ ایک تو انسانی آنکھ بنائیں گے اور دوسرے یہ کہ اس آنکھ کے اندر اس انسان کے آباء و اجداد کی مخصوص شکل و صورت بھی محفوظ ہو گی، اس نقشے سے معمولی انحراف بھی اس عضو کے نظام کو خراب کر دیتا ہے۔

تو سوال پھر یہی ہے کہ وہ ہستی کون ہے جس نے خلیات کو یہ قدرت دی اور ان کو ایسا منظم عمل کرنے کا طریقہ سکھایا، حالانکہ یہ ایک سادہ خلیہ ہوتا ہے اور اس میں عقل وادراک نہیں ہوتا، نہ قوت اور ارادہ ہوتا ہے، اس سوال کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

یہ اللہ ہی ہے جو ان خلیات کو وہ کچھ سکھاتا ہے کہ انسان نہ اس قسم کا نقشہ بنا سکتا ہے، نہ ایک عضو تیار کر سکتا ہے، نہ ہاتھ، نہ آنکھ، نہ ان کا کوئی حصہ، اس کے برعکس ایک سادہ خلیہ یا خلیات کا مجموعہ یہ کام کر دکھاتا ہے، یہ نہایت ہی عظیم اور پیچیدہ کام ہے۔

ایک خلیے سے انسان تک اس سفر کے اس سرسری جائزے کے اندر ایک جہاں ہے عجائبات اور انوکھی چیزوں کا، یعنی اچھلتے پانی سے انسان بننے تک کے مراحل میں، اعضاء کا نظام، ان عجائبات کی

تفصیلات بیان کرنے سے بھی ہم عاجز ہیں۔(فی ظلال القرآن)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آدمی کا نطفہ اس خون کا نچوڑ ہے جو کہ غذا سے حاصل ہوتا ہے اور غذا نباتی ہے یا حیوانی، نباتی غذا کی بے شمار اقسام ہیں، دانے، غلے، سبزیاں، پھل، گرم اور سرد مصالحے اور حیوانی غذا جیسے گوشت، دہی، دودھ، گھی، پنیر اور انڈہ وغیرہ اور علم طب میں طے شدہ بات ہے کہ صالح غذا کھانے کے بعد جب بہتر (۷۲) گھنٹے گزرتے ہیں تو منی وجود میں آتی ہے، پس ہر شخص کو اپنی روزانہ کی غذا میں غور کرنا چاہیے کہ چاول کہاں سے لائے گئے ہیں، کس مملکت میں واقع، کس صوبے سے متعلق، کس ضلع کے، کس تحصیل کے، کس دیہات کی زمین کے، کس قطعہ میں کاشت کیے گئے تھے اور سوداگروں کو کیا ضرورت پیش آئی کہ انہوں نے اس دور دراز کے ملک سے بیلوں اور اونٹوں پر لاد کر بازاروں میں لاکر مجھ مسکین کے ہاتھوں فروخت کیے اور مجھے یہ چاول کھلائے گئے۔

اور اسی قیاس پر اپنی غذا کے تمام ارکان اور ضروریات کے حال کو سمجھیں اور جان لیں کہ میرے والدین کو بھی اسی طریقے سے دور دراز کے شہروں سے مختلف غذائیں جمع کر کے کھلائی گئی ہیں حتی کہ میرا نطفہ ان کے جسم میں پیدا ہوا اور میں اس نطفے سے پیدا ہوا اور جو غذا میں ہر روز اس قدر متفرق اجزا کو جمع فرماتا ہے اور مہیا کرتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ایک جگہ ڈھیر کیا جائے تو آدمی کے جسم کی تعداد سے حجم میں ہزاروں مرتبہ زیادہ ہو اس سے کیا بعید ہے کہ چالیس سال کی مدت میں جو کہ دو نفخوں کے درمیان ہے، جسم کے تمام اجزا کو جو کہ بلاشبہ اس مقدار سے کم تر ہیں، مختلف اور دور دراز جگہوں سے مہیا کر کے گوشت اور کھال کا لباس پہنا دے۔

پھر اس کے بعد غذا نطفہ ہو گئی، اسے کہاں سے یکجا کرتے ہیں اور اس نطفے کی راہ میں کون کون سی سخت ہڈیاں حائل ہیں جو کہ آدمی کے جسم کے پہاڑ کی مثل ہیں اور اس کے باوجود اس نطفے کو کس تدبیر کے ساتھ مغز کے گودے سے باہر نکال کر آلے کے سوراخ تک پہنچایا جاتا ہے اور وہاں سے رحم کی گہرائی میں کس طرح پہنچتا ہے۔

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ: یعنی آدمی کودنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور پانی مرد اور عورت کا نطفہ ہے جو کہ رحم میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یکساں ہو جاتا ہے اور اگرچہ کودنا مرد کی منی کا خاصہ ہے لیکن چونکہ باہم ملنے کے بعد ایک چیز ہو گئی تو تغلیب کی بناء پر اس مجموعی مرکب پر مرد کا اطلاق فرمایا گیا اور بعض طبیب اس کے قائل ہیں کہ عورت کی منی کے لیے رحم کے اندر کودنا ہے لیکن رحم کی گہرائی کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی جیسا کہ وہ حرکت جو اِنزال کے وقت عورت کو ہوتی ہے اس پر گواہ ہے، پس ان تمام غذاؤں کو ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد صورت بخشنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ صورتوں کو بدلنا قدرتِ الٰہی میں ایک نہایت ہی آسان کام ہے۔ (تفسیر عزیزی)

يَخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ: جو کہ پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، اس لیے کہ مادہ منویہ پہلے دماغ سے ٹپکتا اور کان کی پچھلی رگوں میں جاری ہو کر حرام مغز میں پہنچتا ہے اور حرام مغز کا محل پشت اور سینے کے درمیان ہے، پس مرد کا وہ مادہ پشت کی ہڈی کے مہروں سے گزر کر گردوں اور وہاں سے خصیوں میں اور وہاں آلے کی نچلی نالی تک پہنچتا ہے اور رحم میں گرتا ہے جب کہ عورت کا مادہ سینے کی طرف سے اسی طرح گزر کر خصیوں میں پہنچتا ہے جو کہ رحم کی گردن میں رکھے گئے ہیں اور حرکتِ جماعی اور گدگدی کی وجہ سے رحم کے منہ میں گرتا ہے اور رحم کے اندر دونوں پانی جمع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجۡعِهِۦ لَقَادِرٌ: یہاں اللہ کی قدرت کا مزید بیان ہو رہا ہے وہ پانی کو ریڑھ کی ہڈی میں لوٹانے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو پانی کی طرف لوٹانے پر قادر ہے جس طرح وہ پہلے تھا، اللہ تعالیٰ انسان کو بڑھاپے سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف لوٹانے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو بچپنے کی طرف اور بچپنے سے نطفہ کی طرف لوٹانے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو موت کے بعد لوٹانے پر قادر ہے۔

کافروں کی طرف سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، محشر بپا ہونے کے انکار پر قرآن کریم ایسے ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ عقل انسانی محو حیرت ہو جاتی ہے، کافروں کے پاس ان دلائل کا کوئی جواب نہیں ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ: تبلیٰ کے لفظی معنیٰ امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں اور سرائر کے معنی ہیں مخفی امور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد و خیالات اور نیت و عزم جو دل میں پوشیدہ تھی دنیا میں اس کو کوئی نہ جانتا تھا اسی طرح وہ اعمال و افعال جو اس نے چھپ کر کئے دنیا میں کسی کو ان کی خبر نہیں، محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

يُبْدِي اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلَّ سِرٍّ خَفِيَ، فَيَكُوْنُ زَيْنًا فِي الْوُجُوْهِ، وَشَيْنًا فِي الْوُجُوْهِ. واللّٰه عَالِمٌ بِكُلِّ شَيْءٍ، وَلٰكِن يَّظْهَرُ عَلَامَاتِ الْمَلَائِكَةِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دے گا، ہر اچھے برے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرہ پر یا زینت ہو کر یا ظلمت و سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہر شی کو جاننے والا ہے لیکن فرشتوں اور مومنوں کی علامات ظاہر کر دے گا۔ (قرطبی)

فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ: اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہو گا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہو گا"۔ یعنی نہ ذاتی قوت ہو گی اور نہ خارج سے کوئی امداد ملے گی اور کوئی بات پوشیدہ بھی نہ رہے گی اور انسان کی تمام کمزوریاں ظاہر ہو جائیں گی تو یہ بہت ہی سخت گھڑی ہو گی، ایسے حالات کا احساس انسان پر گہرا اثر ڈالتا ہے، کہ یہ کائنات، پھر نفس انسانی، پھر تخلیق انسانی کے مختلف مدارج اور آخر کار قیامت کے دن انسان کی بے بسی کہ جب تمام راز کھل جائیں گے، اور تمام قوتیں اور سہارے ختم ہوں گے۔ (فی ظلال القرآن)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ: اللہ سبحانہ نے توحید اور حشر کے ثبوت پر دلائل دینے کے بعد ایک اور قسم

کھائی، اس قسم میں آسمان کو ذات الرجع فرمایا ہے، ذات الرجع کا معنی ہے بار بار لوٹنے والا۔ زجاج وغیرہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: بارش کو برسانے والا، کیونکہ بارش بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین کے سمندروں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادلوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے، پھر بارش کی صورت میں وہی پانی زمین کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ غریب نیک فال کے طور پر بارش کو "ذات الرجع" یعنی لوٹ کر آنے والی کہتے ہیں کہ بارش دوبارہ پھر لوٹ کر آئے، جیسے عید کے دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی زندگی میں پھر لوٹ کر آتا ہے، کیونکہ عید کا لفظ عود سے بنا ہے، جس کا معنی ہے لوٹنا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ بارش ہر سال لوٹ کر آتی ہے بلکہ ایک سال میں متعدد بار آتی ہے، اس لیے بارش کو ذات الرجع کہتے ہیں، یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی اور کیونکہ بارش کا نزول آسمان کی جانب سے ہوتا ہے، اس لیے آسمان کو بھی ذات الرجع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، بار بار بارش برسانے والا آسمان کیونکہ آسمان سے بار بار بارش نازل ہوتی ہے یا جو خیر آسمان کی طرف سے آتی ہے، وہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔ ابن زید نے کہا: آسمان اپنے سورج اور اپنے چاند کو غروب ہونے کے بعد بار بار طلوع کی طرف لوٹاتا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ: اور پھٹنے والی زمین کی قسم، اس آیت میں زمین کو **ذَاتِ الصَّدْعِ** فرمایا ہے، **الصَّدْع** کا معنی ہے الشق یعنی پھٹنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا زمین پھٹتی ہے اور اس سے پودے اور کونپلیں نکل آتی ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان شق اور شگاف ہے، لیث رحمہ اللہ نے کہا: الصدع سے مراد زمین کی پیداوار ہے کیونکہ زمین کی پیداوار زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہیں اور اسی اعتبار سے زمین کی پیداوار کو **الصَّدْع** فرمایا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے جان داروں کی تخلیق کو اپنی توحید

اور حشر کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، اسی طرح اس نے اس قسم میں زمین کی پیداوار کی تخلیق کو اس کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، فَالسَّمَاءُ ذَاتُ الرَّجْعِ كَالْأَبِ، وَالْأَرْضُ ذَاتُ الصَّدْعِ كَالْأُمِّ پس بارش برسانے والا آسمان بہ منزلہ باپ ہے اور پھٹ کر غلہ نکالنے والی زمین بہ منزلہ ماں ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اس پر موقوف ہیں کہ آسمان کی جانب سے بار بار بارشیں نازل ہوتی رہیں اور زمین پھٹ کر بار بار غلہ اور پھل اگاتی رہے۔ (تفسیر کبیر)

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ: یہ جواب قسم ہے، یعنی قرآن حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

كِتَابٌ فِيهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَعْدَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ، لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللهُ وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَلَى كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهُ (لمعات، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

یہ ایسی کتاب ہے جس میں پہلوں کی خبریں ہیں اور مابعد کا حکم ہے یہ فیصلہ کن ہے، اس میں سے کوئی بھی ہنسی مذاق نہیں، جس نے کبر وغرور کے باعث اس پر ایمان و عمل چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دے گا، جس نے کسی اور میں ہدایت کو چاہا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا، یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ ذکر حکیم ہے، یہ صراط مستقیم ہے، اس کی وجہ سے خواہشات ٹیڑھی نہیں ہوتیں، اس کی وجہ سے زبانوں پر التباس نہیں ہوتا، علماء اس کے پڑھنے اور تلاوت سے سیر اب نہیں ہوتے، بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں۔

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ: قرآن کریم رب تعالیٰ کی سچی کتاب ہے، اس میں جو کچھ آخرت سے متعلق، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے سے متعلق بیان کیا گیا ہے بالکل سچ ہے، کوئی مزاح یا کھیل تماشہ کی

بات نہیں ہے، یہ حق و باطل اور سچ و جھوٹ کے درمیان فیصلہ کن کردار ادا کرنے والی کتاب ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو خبر دیتا ہے بالکل درست دیتا ہے، جو کہتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا: یہ لوگ اللہ کے دشمن ہیں، حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ مکر و فریب کرتے ہیں، کافروں کی سازش اور ان کا مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے تاکہ وہ اسلام نہ لائیں، مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے کہ **إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا** (الأنعام: ۲۹) زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہی ہے جب کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ وہ کہتے تھے کہ **مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ** (یس: ۷۸) تو جب انسانوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور وہ مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اور ان کے اجزاء دوسرے مردوں کے اجزاء سے خلط ملط ہو جائیں گے تو ان کو باہم کس طرح تمیز دی جائے گی؟ وہ یوں شکوک وشبہات ڈالتے تھے کہ ان لوگوں نے سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی خدا کو اپنا معبود بنالیا ہے **أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا** (ص: ۵) کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنالیا ہے۔

اور وہ کہتے تھے کہ **لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ** (الزُّخْرُف: ۳۱) اگر یہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو یہ کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟

اور وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کریں وہ حلال ہے، سو یہ کیسی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور بندوں کا مارا ہوا جانور حلال ہو؟

اور وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں طعن کرتے تھے اور کہتے تھے: وہ ساحر ہیں یا شاعر ہیں یا مجنوں ہیں اور انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی، **وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ** (الْأَنْفَال: ۳۰) اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور ان کے

تمام شبہات کو زائل کر دیا اور نبی ﷺ کی نصرت اور مدد فرمائی اور آپ کے لائے ہوئے دین کو سربلند اور غالب کر دیا۔ (تفسیر کبیر للرازی)

وَأَكِيدُ كَيْدًا: اور میں ان کے مکر کی انہیں جزا دیتا ہوں، ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوہ بدر کے موقع پر قتل اور قید کی صورت میں دی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوہ بدر کے موقع پر قتل اور قید کی صورت میں دی، ایک قول یہ کیا گیا ہے، کید اللہ سے مراد ان کے ساتھ استدراج ہے جسے وہ نہ جانتے تھے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے کفار کے "کید" اور اللہ تعالیٰ کے "کید" کا فرق واضح کیا ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی دونوں کیدوں کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔

اس آیت میں کفار کی سازش کو بھی کید فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر فرمائی، اس کو بھی کید فرمایا ہے حالانکہ ان کی سازش باطل تھی اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق ہے، صورتاً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے ایک لفظ کید فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** (الشُّوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔ حالانکہ برائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے، جیسے کوئی کسی کو ظلماً قتل کر دے، پھر اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے تو پہلا قتل ظلم ہے اور دوسرا قتل عدل ہے۔ **أَلَّا لَا يَجْهَلَنْ أَحَدٌ عَلَيْنَا ... فَنَجْهَلُ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِينَا**

نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ (الحشر: ۱۹) کافروں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔ کافروں کا اللہ کو بھلانا گناہ اور اللہ کا بھلانا یعنی ان پر رحم نہ فرمانا ان کے گناہ کی سزا ہے، لیکن صورتاً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے بھلانے کا لفظ استعمال فرمایا۔

اس طرح کی اور بہت آیات ہیں، جیسے فرمایا: **يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ** (النِّسَاء: ۱۴۲) منافقین اپنے (زعم میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔

سورۃ الطارق میں کافروں کے جس کید اور سازش کا ذکر ہے وہ یہ تھی کہ وہ لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا کید یہ تھا کہ انہیں ان کی شرارتوں اور سازشوں میں ڈھیل دی جائے، پھر اس ڈھیل کے نتیجے میں ان کا شر بڑھے گا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی قدرت کی لاٹھی برسائے گا، اللہ انہیں اپنی پکڑ میں لے گا اور یوں وہ نشان عبرت بن جائیں گے۔

فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا: چونکہ یہ لوگ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے گھیرے میں آچکے ہیں۔ ان کو جتنی بھی مہلت دی جائے یہ اس گھیرے سے باہر نہیں نکل سکیں گے، وہ ہزار سمجھتے رہیں کہ ہم اپنی کاروائیوں میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ہم نے اسلام کا ناطقہ بند کر دیا ہے، لیکن حقیقت میں وہ بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، تو جب صورتحال یہ ہے تو آپ ﷺ کافروں کو ڈھیل دے دیجیے یعنی وہ آپ ﷺ کو طعنے دیں، مطالبات سے پریشان کریں، اذیت رسانی سے مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیں، آپ ﷺ کسی بات سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ سے عذاب نازل کرنے کی دعا نہ کریں۔

یہ بجھتے ہوئے دیئے کی آخری لو ہے اور یہ اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں اور مزید یہ فرمایا کہ ہم جو مہلت اور ڈھیل دینے کی سفارش کر رہے ہیں تو یہ سفارش کسی غیر محدود مدت کے لیے نہیں، بس ذرا سی ان کی رسی دراز کر دی جائے تاکہ یہ جو کھل کھیلنا چاہتے ہیں وہ کھیل لیں، بہت جلد ان کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

اس آخری آیت میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ پروردگار نبی کریم ﷺ کو ہدایت کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ انہیں تھوڑی سی اور مہلت دے دیجیے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی قسمت کی باگ درحقیقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے کیونکہ عموماً یہ ہوتا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسول مخاطب قوم کی طرف سے دعوت کی قبولیت کے حوالے سے مایوس ہو جاتا ہے اور دشمن قوم اللہ تعالیٰ کے رسول کو مزید برداشت کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو رسول ان پر عذاب بھیجنے کی درخواست کرتا ہے، جو قبول کر لی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اس پر شاہد ہے، ویسے بھی جس قوم میں اللہ تعالیٰ کا رسول مبعوث ہوتا ہے اس قوم کی زندگی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کرتی ہے یا نہیں، اسی اصول کے تحت ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر آٹھہرا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تھوڑی سی ڈھیل اور دے دیں۔ (روح القرآن)

کافروں اور مخالفین اسلام کی چیرہ دستیاں اور سازشیں گو عروج پر تھیں، جن کے جوش وجلال کا اظہار انسانی فطرت میں تھا، ان کی ہدایت کے لیے شبانہ روز کاوشیں بروئے کار لانے کے باوجود نتیجہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا بڑھنا، پھر ان کے خلاف بارگاہ ایزدی میں دست بدعا بلند ہو جانا فطری عمل تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے مخالفین اسلام کو تمام تر ریشہ دوانیوں، سازشوں اور مکر وفریب کے باوجود مہلت دینے کا ارشاد فرمایا، کہ اس مہلت کے بعد انہیں جلد ہی پکڑ لیا جائے گا اور انہیں عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا۔

حو دمل لشلن حو دمل ل آج سورۃ الطارق کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مضامین کو قبول فرمائے، کمی بیشی کو معاف فرمادے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

یکم فروری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ بوقت گیارہ بجے رات

حروف بنی: ۲۶ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ، سوا پانچ بجے شام

الاعلیٰ

صحف ابراہیم وموسیٰ کے مضامین

سوال ان آیات مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ{۱} الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى {۲} وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪{۳} وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪{۴} فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ{۵} سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى {۶} اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰى ؕ{۷} وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى {۸} فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ{۹} سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى {۱۰} وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى {۱۱} الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى {۱۲} ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى {۱۳} قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى {۱۴} وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى {۱۵} بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا {۱۶} وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى {۱۷} اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى {۱۸} صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى {۱۹} الأعلی.

جواب ترجمہ: اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اونچی ہے۔ جس نے سب کچھ پیدا کیا اور ٹھیک ٹھیک بنایا۔ اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا، پھر راستہ بتایا۔ اور جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا۔ پھر اسے کالے رنگ کا کوڑا بنادیا۔ (اے پیغمبر) ہم تمہیں پڑھائیں گے پھر تم بھولو گے نہیں۔ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ یقین رکھو وہ کھلی ہوئی چیزوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جو چھپی ہوئی ہیں۔ اور ہم تمہیں آسان شریعت (پر چلنے کے لیے) سہولت دیں گے۔ لہٰذا تم نصیحت کیے جاؤ، اگر نصیحت کا فائدہ ہو۔ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو گا، وہ نصیحت مانے گا۔ اور اس سے دور وہ رہے گا جو بڑا بدبخت ہو گا۔ جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہو گا۔ پھر اس آگ میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ فلاح اس نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ اور اپنے پروردگار کا نام لیا، اور نماز پڑھی۔ لیکن تم لوگ دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں

زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات یقیناً پچھلے (آسمانی) صحیفوں میں بھی درج ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جعفر بن محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، جس میں اس سبح اسم ربک الاعلیٰ کا شان نزول بیان فرمایا ہے

إِنَّ لله تعالى مَلَكًا يُقَالُ لَهُ حِزْقِيَائِيلُ، لَهُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ أَلْفَ جَنَاحٍ، مَا بَيْنَ الْجَنَاحِ إِلَى الْجَنَاحِ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ، فَخَطَرَ لَهُ خَاطِرٌ هَلْ تَقْدِرُ أَنْ تُبْصِرَ الْعَرْشَ جَمِيعَهُ؟ فَزَادَهُ اللهُ أَجْنِحَةً مِثْلَهَا، فَكَانَ لَهُ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ أَلْفَ جَنَاحٍ، مَا بَيْنَ الْجَنَاحِ إِلَى الْجَنَاحِ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ثُمَّ أَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَيُّهَا الْمَلَكُ، أَنْ طِرْ، فَطَارَ مِقْدَارَ عِشْرِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، فَلَمْ يَبْلُغْ رَأْسَ قَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ ثُمَّ ضَاعَفَ اللهُ لَهُ فِي الْأَجْنِحَةِ وَالْقُوَّةِ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَطِيرَ، فَطَارَ مِقْدَارَ ثَلَاثِينَ أَلْفَ سَنَةٍ أُخْرَى، فَلَمْ يَصِلْ أَيْضًا، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَيُّهَا الْمَلَكُ، لَوْ طِرْتَ إِلَى نَفْخِ الصُّوَرِ مَعَ أَجْنِحَتِكَ وَقُوَّتِكَ لَمْ تَبْلُغْ سَاقَ عَرْشِي فَقَالَ الْمَلَكُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى

(تفسیر قرطبی)

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو حزقیائیل کہتے ہیں جس کے اٹھارہ ہزار پر ہیں ایک پر سے دوسرے پر کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اس کے دل میں خیال آیا کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ تو تمام عرش کو دیکھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اتنے ہی پروں کا اضافہ کیا، اس کے چھتیس ہزار پر ہو گئے ایک پر سے دوسرے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی، اے فرشتے! تو اُڑ وہ بیس ہزار سال تک اُڑتا رہا تو وہ عرش کے پائیوں میں سے ایک پائے تک نہ پہنچ سکا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پروں اور قوت میں اضافہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اُڑے وہ تیس ہزار سال تک مزید اُڑتا رہا تو وہ بھی نہ پہنچ سکا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی، اے فرشتے! اگر تو اپنی قوت اور پروں

کے ساتھ صُور پھونکنے تک اُڑتا رہے تب بھی میرے عرش کے پائے تک نہ پہنچ سکے فرشتے نے کہا، سبحان ربی الاعلی، تو اللہ تعالیٰ اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ الواقعہ کی یہ آیت {فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ} (الْوَاقِعَةِ:۷۴) اُتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ اسے اپنے رکوع میں کرلو۔ اور جب سورۃ الاعلیٰ کی آیت {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى} اُتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے اپنے سجدوں میں کرلو (مسند احمد) حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى} پڑھتے تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت عبد خیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی یونہی پڑھتے اور کہتے سنا ہے کہ وہ جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو ساتھ ہی سبحان ربی الاعلی بھی کہتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل یہ تھا کہ جب آپ {لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ} پڑھتے اور آخری آیت {أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى} پڑھتے تو ساتھ ہی کہتے سُبْحَانَكَ وَبَلَى (تفسیر طبری)

{الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى} یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے بلندیوں والے پروردگار کے نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور سب کو اچھی ہیئت بخشی۔ (ابن کثیر)

وہ ساری کائنات کا خالق ہے پھر برابر کیا ہر چیز کو، اعتدال کے ساتھ بنایا، وہ ایسا بھی کر سکتا تھا کہ ایک ٹانگ اتنی ہی ہوتی اور دوسری اونٹ کی طرح لمبی ہوتی، ایک ہاتھ اتنا ہی ہوتا اور دوسرا زیبرے کی اگلی ٹانگ کے برابر لمبا ہوتا، ایک کان اتنا ہی ہوتا اور دوسرا ہاتھی کے کان کے برابر ہوتا، ایک آنکھ اتنی ہی ہوتی اور دوسری بھینس کی آنکھ کے برابر ہوتی، وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن اس نے ہر چیز کو اعتدال کے ساتھ بنایا۔ (ذخیرۃ الجنان)

{وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدٰی} مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیک بختی اور بد بختی کے چہرے دکھا دیے، حیوانات کو چرنے اور چگنے کے سامان مہیا فرمائے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ کی یوں تعریف بیان کی تھی کہ

{رَبُّنَا الَّذِی أَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی} (طه:۵) ہمارا پروردگار تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی یعنی اس نے ایک اندازہ مقرر فرمایا پھر مخلوق کی اپنی طرف راہنمائی وراہبری فرمائی، جیسے مسلم شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِنَّ اللهَ قَدَّرَ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ (مسلم) زمین آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔

قرآن کریم کے بعض قاریوں نے اسے قدّر کی بجائے قدَر پڑھا ہے، کچھ نے قدّر پڑھا ہے، دونوں کے معنیٰ یکساں ہیں، یعنی ہر ایک شکل مقدر کی اور اس کو تیار کیا اور اس کی راہنمائی کی۔

امام تفسیر مجاہد رحمہ اللہ سے ایک قول یہ بھی ہے انسان کی ہدایت اور سعادت کی طرف راہنمائی کی اور چوپاؤں کی چراگاہوں کی طرف راہنمائی کی۔

ارباب تفسیر کا ایک قول یہ ہے کہ ان کے رزق کو مقدر کیا اگر وہ انسان تھے تو ان کی معاش کی طرف ان کی راہنمائی کی اور اگر چوپائے تھے تو ان کی چراگاہوں کی طرف ان کی راہنمائی کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فَهَدٰی کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ مخلوق کو پہچان کرائی گئی کہ مذکر مؤنث کے پاس کیسے آئے؟ جس طرح سورۃ طٰہٰ میں، اعطیٰ کل شئ خلقہ ثم ھدی کے ضمن میں بیان فرمائی، یعنی مذکر کی مونث کی طرف راہنمائی کی۔

حضرت عطا رحمہ اللہ نے فھدیٰ کا مفہوم یوں بیان فرمایا کہ ہر جانور کے لیے وہ بنایا جو اس کے لیے مناسب تھا، اور اس کی اس چیز کی طرف راہنمائی کی۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ یوں فرماتے ہیں کہ فھدی کا مفہوم یہ ہے کہ اشیاء میں منافع کو پیدا کیا اور انسان کی راہنمائی کی کہ وہ کس طرح ان منافع کو حاصل کریں۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ ہر حیوان کے لیے اس چیز کو مقدر کیا جو اس کے لیے موزوں اور مناسب تھا اور اس کی اس طرح راہنمائی کی اور اس سے نفع اٹھانے کا طریقہ بتایا۔ (تفسیر قرطبی)

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ سانپ کی عمر جب ایک ہزار سال ہو جاتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ سمار (سمار اہل یمن کے نزدیک وہ درخت ہے جس کی ٹہنیوں اور پتوں کو نچوڑنے سے جو عرق نکلتا ہے وہ دوائیوں میں ملایا جائے تو اس کے استعمال سے نگاہ تیز ہوتی ہے) کے پتوں کے ساتھ اپنی آنکھ کو ملے تو اس کی نظر اس کی طرف لوٹ آئے گی بعض اوقات وہ خشک علاقہ میں ہوتا ہے اور اس کے اور ریف (سرسبز وشاداب زمین) کے درمیان کئی دنوں کی مسافت ہوتی ہے وہ اس مسافت کو طوالت اور اندھا ہونے کے باوجود طے کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی باغ میں سمار کے درخت تک جا پہنچتا ہے، وہ اس میں کوئی غلطی نہیں کرتا، اس کے ساتھ اپنی آنکھ رگڑتا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی آنکھ نور والی ہو جاتی ہے، یہاں عربی میں سمار کا لفظ استعمال ہوا ہے، علامہ دمیری کی حیاۃ الحیوان میں بھی اس کا ذکر ہے، جس کا معنیٰ سونف سے کیا گیا ہے کہ جب نابینا سانپ اپنی آنکھوں کے ساتھ سونف کو ملتا ہے تو اس کی بینائی لوٹ آتی ہے۔

افعی جو ایک سخت زہریلی قسم کا سانپ ہوتا ہے موسم سرما میں ہوا کی ٹھنڈک کے باعث اندھا ہو جاتا ہے، پھر وہ چار ماہ کے لیے زمین کے اندر چھپ جاتا ہے پھر جب باہر نکلتا ہے تو اسے دکھائی نہیں دیتا، جب موسم بہار آتا ہے تو سونف کے پودے کی سمت بڑھتا ہے، سونف تلاش کرتا ہے جب سونف کا درخت اسے مل جاتا ہے تو وہ اپنی آنکھیں سونف کے پتوں پر کھجلاتا ہے تاکہ بینا ہو جائے۔ (عجائب المخلوقات)

پھر میرے رب کی کاریگری اور قدرت دیکھیے کہ جب یہ سانپ بیمار ہو جاتا ہے تو زیتون کا پتا کھالیتا ہے پھر یہ شفایاب ہو جاتا ہے، پھر سانپوں میں سے کچھ سانپ ایسے ہوتے جو منہ در منہ ملا کر جفتی کرتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب نر سانپ مادہ سے جفتی کرتا ہے تو بے ہوش کر گر جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سانپنی سانپ کے ذکر کو ڈس ڈس کر کاٹ دیتی ہے تو وہ سانپ اسی وقت مر جاتا ہے۔

دیکھ لیجیے کہ مگرمچھی کے انڈے جب پانی میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ مگرمچھ بن جاتے ہیں اور جو انڈے خشکی میں رہ جاتے ہیں وہ استقنقور (ماہی ریگ) بن جاتے ہیں، مگرمچھ وہ جانور ہے جس کے پائخانہ کا مقام نہیں ہوتا، جب وہ پیٹ بھر لیتا ہے تو خشکی میں آکر اپنا منہ کھول دیتا ہے، مگرمچھ کی یہ حالت دیکھ کر قطقاط نامی ایک پرندہ اس کے قریب پہنچتا ہے، چنانچہ مگرمچھ منہ کھول کر قطقاط کے منہ میں ڈال دیتا ہے، قطقاط سیاہی مائل سفید نقطوں والا ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو تلاش رزق میں اُڑتا پھرتا رہتا ہے چنانچہ وہ پرندہ مگرمچھ کے پاس آکر اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے اور مگرمچھ کے لیے باعث سکون ثابت ہوتا ہے، قطقاط کے سر میں ایک کانٹا ہوتا ہے جس وقت مگرمچھ منہ بند کر لیتا ہے تو وہ کانٹے سے ٹھونگیں مارتا رہتا ہے جس کی وجہ سے مگرمچھ منہ کھول دیتا ہے، مگرمچھ موسم سرما میں چار مہینے تک پانی کے اندر زمین میں چھپا رہتا ہے۔

قطاء نامی پرندہ اپنے چوزے کو چھوڑ کر پانی کی تلاش میں دس دن یا اس سے زیادہ کی مسافت نکل جائے تو اسے آنے جانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی وہ اپنے چوزے کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ (روح البیان) اونٹ اور گدھا دونوں اگر کسی راستہ پر چلتے ہیں اور انہیں کچھ عرصہ بعد دوبارہ اسی راستے پر چلنا پڑے تو غلطی نہیں کرتے۔

ریچھ، بھالو کو دیکھیے وہ تنہائی پسند جانور ہے، موسم سرما آتا ہے تو ریچھ اپنی قیام گاہ نشیبی مقامات میں بناتا ہے، جہاں وہ چلا جاتا ہے، جب تک ہوا معتدل نہیں ہوتی تب تک وہ اپنی قیام گاہ سے باہر نہیں آتا، اس دوران جب اسے بھوک ستاتی ہے تو وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو چاٹ لیتا ہے جس سے اس کی بھوک

ختم ہو جاتی ہے، جب موسم ربیع آتا ہے تو یہ اپنی قیام گاہ سے باہر نکلتا ہے، اس وقت یہ انتہائی موٹا ہو چکا ہوتا ہے، اس کی مختلف طبیعتیں ہیں، ریچھ اپنی مادہ سے وطی کے لیے اسے تنہائی میں لے جاتا ہے، ریچھ کی مادہ جب بچہ جنتی ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں اور دم کی پہچان نہیں ہو سکتی، ریچھنی بچوں کو چیونٹیوں کے خوف سے جگہ جگہ اپنے بچوں کو لیے پھرتی ہے اور انہیں چاٹتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ان کے اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ سانس لینے لگتے ہیں، مادہ کو بچے جننے میں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ابن عرس عربی میں نیولا کو کہا جاتا ہے، یہ ایک پتلا سا جانور ہے جو چوہے سے دشمنی رکھتا ہے، چوہے کے بل میں گھس کر اسے باہر نکال لاتا ہے، مگرمچھ سے بھی اس کی دشمنی ہے، مگرمچھ عام طور پر اپنا منہ کھولے رکھتا ہے نیولا اس کے منہ میں گھس کر اس کے پیٹ تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کی آنتیں کاٹ دیتا ہے، پھر باہر آجاتا ہے، سانپ سے بھی اس کی دشمنی ہے سانپ کو دیکھتے ہی اسے مار ڈالتا ہے، نیولا جب کبھی بیمار پڑتا ہے تو مرغی کے انڈے کھا کر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

حیوانات کا علم رکھنے والے لکھتے ہیں کہ ایک نیولا چوہے کا شکار کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا، چوہا اپنی جان بچانے کی خاطر ایک درخت پر چڑھ گیا مگر نیولا بھی برابر اس کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ چوہا درخت کی چوٹی پر چڑھ گیا اور جب اس کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ملا تو وہ ایک شاخ کا پتا منہ میں دبا کر لٹک گیا، نیولا نے جب چوہے کی یہ چالاکی دیکھی تو اس نے اپنی مادہ کو پکارا، چنانچہ جب اس کی مادہ اس کی آواز سن کر آئی اور درخت کے نیچے پہنچ گئی تو نیولا نے اس شاخ کو جس پر چوہا لٹکا ہوا تھا کاٹ دیا، شاخ کٹنے سے چوہا نیچے گرا تو گرتے ہی اس کو نیولا کی مادہ نے شکار کر لیا، نیولا چور ہوتا ہے اور ذہین بھی ہوتا ہے۔ (حیات الحیوان)

چوہے کو دیکھ لیجیے، جب یہ تیل کی شیشی کے قریب پہنچتا ہے تو اس کے منہ سے اندر داخل نہیں ہو سکتا، مگر وہ اپنی دم تیل کی شیشی میں ڈال کر اسے چاٹنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس بوتل سے

وہ تیل ختم کر ڈالتا ہے۔

لومڑی کو دیکھ لیجیے، جس کی چالاکی اور مکاری ضرب المثل ہے، جب لومڑی کی جلد میں بہت زیادہ پسو اور مچھر پڑ جاتے ہیں تو یہ اپنے منہ میں حیوان کا چمڑہ لے کر پانی میں غوطہ لگاتی ہے، تو یہ سارے پسو اور مچھر اس چمڑے میں یکجا ہو جاتے ہیں تو لومڑی انہیں پانی میں پھینک کر خود بحفاظت پانی سے باہر نکل آتی ہے۔ (روح البیان)

مکڑی کو دیکھ لیجیے کہ وہ کس خوبصورتی کے ساتھ اپنا جالا بناتی ہے، جب کہ انسان جب کوئی گھر یا ڈیزائن کرتا ہے تو اسے کتنی پرکاریں اور آلے استعمال کرنے پڑتے ہیں، شہد کی مکھی کو دیکھا جائے کہ وہ کس خوبصورتی کے ساتھ بغیر کسی آلے کے اپنا چھتا بناتی ہے۔

چیونٹی کا کام دیکھیے کہ یہ تلاش رزق میں بڑی بڑی تدبیریں کرتی رہتی ہے، جب کوئی چیز اسے مل جاتی ہے تو دوسری چیونٹیوں کو فوراً اطلاع کرتی ہے اور انہیں بلاتی ہے، تاکہ سب مل کر وہ خوراک کھائیں اور اٹھا کر لے جائیں، یہ کام کرنے والی چیونٹی تمام چیونٹیوں کی سردار ہوتی ہے، اس کی فطرت اور عادت یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں سردی کے لیے یہ اپنی غذا جمع کر لیتی ہے اور رزق جمع کرنے میں اس کی عجیب عجیب تدبیریں ہوتی ہیں، مثال کے طور پر اگر یہ ایسی چیز کا ذخیرہ کرتی ہے جس کے اُگنے کا اسے خطرہ ہوتا ہے تو اسے دو ٹکڑے کر دیتی ہے، دھنیا کے چار ٹکڑے کر دیتی ہے، جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ اس کے دونوں حصے اُگ جاتے ہیں، اور جب دانہ میں بدبو اور سڑانڈ پیدا ہونے کا خطرہ محسوس کرتی ہے تو اسے زمین کی سطح پر لا کر بکھیر دیتی ہے اور اسے سکھا کر پھر اپنے بل میں واپس جا کر رکھ لیتی ہے اکثر یہ عمل وہ چاند کی روشنی میں کرتی ہے۔

پھر بچھو اور چوہے کو دیکھیں کہ جب یہ دونوں کسی شیشے کی بوتل میں رکھ دیئے جائیں تو چوہا بچھو کی زہریلی سوئیاں کاٹ ڈالتا ہے یوں وہ بچھو کے زہر سے محفوظ رہتا ہے۔

مچھلی مار پرندے کو عربی میں غواص (غوطہ خور) کہا جاتا ہے، یہ نہروں کے کنارے پایا جاتا ہے، یہ مچھلی کا شکار کرتا ہے، اس کے شکار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ پانی کے اوپر اڑتا رہتا ہے اور جوں ہی اس کو پانی میں کوئی مچھلی دکھائی دیتی ہے یہ اپنے منہ کی طرف سے پانی میں غوطہ لگا کر اس مچھلی کو پکڑ لاتا ہے۔

ایک مرتبہ مچھلی مار جانور نے ایک مچھلی کا شکار کیا مگر اس مچھلی کو اس سے ایک کوّے نے جھپٹ لیا اس کے بعد اس نے ایک دوسری مچھلی کا شکار کیا لیکن اس کو بھی کوّے نے اس سے جھپٹ لیا، جب کوّا اس کو کھانے میں مشغول ہوا تو مچھلی مار نے اس کوّے کی ٹانگ پکڑ لی اور اس کو لے کر پانی میں غوطہ لگا دیا اور جب تک کوّا مر نہیں گیا اس کو پانی سے باہر نہیں آنے دیا۔ (روح البیان، حیات الحیوان)

پہلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک شخص دودھ میں پانی ملا کر فروخت کیا کرتا تھا، اس نے ایک بندر خریدا اور دریا کا سفر شروع کر دیا، جب بندر بھی اس کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بندر کے دل میں بات ڈالی، وہ دیناروں کی تھیلی کے پاس پہنچا اور وہ تھیلی لے کر ملاح کے بیٹھنے والی جگہ پر جا بیٹھا، پھر اس نے تھیلی کھولی جب کہ تھیلی اور بندر کا مالک اس کی طرف دیکھ رہا تھا، چنانچہ بندر نے ایک ایک دینار تھیلی سے نکال کر دریا میں پھینکا اور ایک ایک دینار تھیلی سے نکال کر کشتی میں پھینکا، یہاں تک کہ جتنے دینار تھیلی میں موجود تھے انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا، یوں پانی کی قیمت پانی میں اور اصل دودھ کی قیمت مالک کے حوالے کی گئی، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنے سے منع کیا تھا۔

اسی طرح کتے کے بارے میں دیکھیے ایک شخص نے ایک شخص کو اصفہان نامی جگہ میں قتل کر دیا پھر اسے کنویں میں پھینک دیا، اس مقتول کا ایک کتا تھا جو اس سارے منظر کو دیکھتا رہا، یہ کتا روزانہ اس کنویں کی منڈھیر پر آتا اور اس سے مٹی دور کرتا اور جب قاتل کو دیکھتا تو بھونکنا شروع کر دیتا تھا، جب کتے کی طرف سے یہ عمل بار بار ہوا تو ان لوگوں نے اس جگہ کو کھودا، چنانچہ ان لوگوں نے مقتول

کو یہاں سے بر آمد کرلیا اور قاتل کو گرفتار کرلیا، چنانچہ قاتل نے اقرارِ قتل کرلیا، پھر اسے بھی اس مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا گیا، یہ بات کتے کو کس نے سکھائی اور سجھائی؟

انسان کی جو اس کے مصالح کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے اور اس کے حوائج کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے وہ کسی حد و شمار میں نہیں، غذاؤں سے متعلق ہو، دواؤں سے متعلق ہو، دنیا کے معاملات سے متعلق ہو یا دین کے معاملات میں سے ہو، چوپاؤں اور پرندوں اور حشرات الارض کے الہامات کا باب بہت وسیع و عریض ہے کسی بیان کرنے والے کا وصف اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ فَسُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلَی۔

انسانی راہنمائی اسی پروردگار کی عطا ہے کہ انسان نے بڑے بڑے جہاز سمندری پانیوں کی سطح پر چلا دیے، جس میں ہزاروں ٹن مال لادا جاتا ہے، پھر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچایا جاتا ہے، یہ انسان کو دی گئی خداداد عقل وراہنمائی تھی کہ انسان نے فضاؤں میں ٹنوں منوں کے حساب سے وزنی جہاز اڑا دیے، جو دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک کئی سو انسانوں کو بٹھا کر کئی سو فٹ کی بلندی پر اُڑتے اور ایک منزل سے دوسری منزل تک کا طول وطویل سفر کرتے ہیں۔

یہ انسان کو دی جانے والی راہنمائی اور ہدایت ہی تھی کہ انسان نے لمبی لمبی ریلیں کوئی زمین کے نیچے اور کوئی پلوں کے اوپر چلا دیں، جن میں بیک وقت سینکڑوں لوگ بآسانی سفر کرتے اور اپنے ساز وسامان کو منتقل کرتے ہیں۔

یہ انسان ہی کی عقلِ خداداد ہے کہ انسان نے دخانی جہازوں، ہوائی جہازوں اور ریلوں کے بعد ایسی ایسی آرام دہ بسیں چلائیں جو زمینی جہاز کہلانے کی حقدار ہیں، جو کئی گھنٹوں پر پھیلی مسافت کو مختصر دورانیے میں طے کرتی ہیں اور فراٹے بھرتے ہوئے شاہراؤں پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک چلی جاتی ہیں۔

یہ انسانی عقل ہی ہے جس کی بدولت انسان نے ایسی ایسی کاریں بنائی ہیں جو بہت ہی سہل ترین

انداز میں انسانوں کو بہت ہی مختصر دورانیے میں ان کی مطلوب جگہوں پر پہنچا دیتی ہیں، ان میں چھوٹی بڑی بے شمار قسم کی گاڑیاں موجود ہیں، ان میں مہنگی بھی ہیں اور قوت خرید کے اندر بھی ہیں۔

انسانی دماغوں نے انسانی برادری کے لیے مفید چیزیں بھی ایجاد کیں اور مضرت رساں چیزیں بھی تیار کیں، انسانی بستی کے لیے مفید چیزوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ایک ایک کا نام اور تفصیل بیان کی جائے تو کئی صفحات پر پھیل جائے، اس کی جھلک دیکھنا ہو تو کسی بھی بڑے شہر کے کسی بھی بڑے تجارتی مرکز کو دیکھا جائے، اس کے ریکوں میں سجی اور دعوت نظارہ دیتی اشیاء پر صرف ایک نظر دوڑائی جائے تو انسانی زبان بے ساختہ پکار اٹھے گی کہ فتبارک اللہ احسن الخالقین کہ اس پروردگار نے انسان کی کس قدر بہترین راہنمائی کی کہ اس نے یہ بے شمار چیزیں وجود میں لا کر رکھ دیں۔

ایک ٹیلی فون کو ہی دیکھ لیا جائے، پہلے پہل تاروں کے ذریعے آوازیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی تھیں، پھر انسان نے خداداد عقل استعمال کی تو ایسا فون ایجاد کر ڈالا جس میں تاروں کی مدد کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک، ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک سیٹلائٹ کے ذریعے آوازیں پہنچتی ہیں، موبائل کام کرتے ہیں، یہ انسان کی محیر العقول ایجاد ہے، جس میں شروع شروع میں صرف انسانی آواز سنائی دیتی تھی، اب اس فون کو ایسا اپ ڈیٹ کیا گیا ہے کہ صرف آواز ہی نہیں انسانی تصویر اور اس کی سرگرمیاں بھی سات سمندر پار سے دکھائی دیتی ہیں، یہ قدرت والے کی عطا ہے، جس نے انسان کی راہنمائی کی۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنین کے لیے رحم میں نو ماہ کی مدت کو مقدر کیا کچھ کم اور کچھ زائد، پھر رحم سے نکلنے کا طریقہ بتایا۔ امام فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقدر کیا پھر ہدایت دی اور گمراہ کیا، ان دو چیزوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: ۸۱) ایسے لباس جو تمہیں گرمی کی حدت سے بچاتے ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ ایمان کی طرف دعوت

دی، جیسے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ (الشوری: ۵۲) بیشک آپ سیدھے راستے کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور سب کو ایمان کی طرف دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کے ذریعہ اپنی توحید پر راہنمائی کی اور اپنے عالم اور قادر ہونے کی راہنمائی کی۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے "د" کو مشدد پڑھا ہے تو اسے تقدیر سے مانتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيراً (الفرقان: ۲) اور ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ لگایا۔ اور جس نے "د" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو احتمال موجود ہے کہ وہ تقدیر سے ہو اور دونوں کا معنی ایک ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ قدرت اور ملک کے معنی میں ہو یعنی وہ اشیاء کا مالک ہے اور جس کے بارے میں اسے ہدایت دی۔ (قرطبی)

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اور وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا، ہر چیز کی تقدیر مقرر کی پھر راہ نمائی کی کہ اس طرح تو نے ماں کی چھاتی سے خوراک چوسنی ہے، بچے کو ماں کی چھاتی سے دودھ چوسنا کس نے سکھایا ہے کہ اس طرح چوسے گا تو دودھ نکلے گا جو تیری خوراک بنے گا"۔

سورۃ البلد میں ہے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ اور بتائی اس کو ہم نے دو گھاٹیاں، دایاں پستان اور بایاں پستان کہ ان میں تیری خوراک ہے، ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ادراک و شعور عطا فرمایا ہے، چھوٹے بچوں کو تم نے دیکھا ہو گا کہ آنکھ میں خارش ہو تو انگلیاں نہیں مارتے الٹا ہاتھ ملتے ہیں، اگر آنکھ میں ناخن ماریں تو آنکھ کا نقصان ہو سکتا ہے، یہ رب تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ڈالا ہے، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے شعور و ادراک رکھا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے وہ واقعہ سناتے ہیں کہ مجھے راجپوتانہ (علاقے کا نام ہے) جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ہندوؤں کا راج تھا بندر مارنے کی ممانعت تھی،

وہاں بندر بڑا نقصان کرتے تھے برتن اور کپڑے تک اٹھا کر لے جاتے تھے اور سامنے بیٹھ کر کپڑے کو چیر پھاڑ دیتے تھے، روٹیاں اٹھا کر لے جاتے، غصہ بھی آتا مگر بے بس تھے مار بھی نہیں سکتے تھے، ہم نے سنکھیا خریدا اور آٹے میں ملا کر روٹیاں پکائیں اور چھت پر پھیلا دیں کہ سو پچاس کھا کر مریں گے کچھ تو کمی آئے گی، ہم دیکھنے بیٹھ گئے کہ بندر آتے جائیں گے کھاتے جائیں گے اور مرتے جائیں گے اور ہم خوش ہو جائیں گے۔

دو تین بندر آئے دیکھا روٹیاں پھیلی پڑی ہیں، اب دیکھ رہے ہیں کھاتے نہیں، دیکھتے دیکھتے چلے گئے، کچھ دیر بعد چودہ پندرہ بندر آئے وہ بھی دیکھ کر چلے گئے، پھر دس پندرہ منٹ کے بعد پچاس ساٹھ بندروں کی قطار جو بڑے موٹے قسم کے تھے، آئے اور روٹیوں کو گھیر اڈال کر بیٹھ گئے، مگر کھانے کے لیے آگے کوئی نہ بڑھا۔

کچھ دیر بعد ایک بوڑھا بندر آگے بڑھا، اس نے روٹی کو توڑ کر سونگھا، دوسرے نے توڑا اور سونگھا، تیسرے نے توڑا اور سونگھا اور کھائے بغیر سارے بھاگ گئے، گویا کہ وہ نتیجے پر پہنچ گئے، ہم نے سمجھا کہ یہ تدبیر بھی ناکام ہو گئی مگر کوئی بیس منٹ گزرے تو سو دو سو بندروں کی ایک قطار آئی اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک پتوں والی ٹہنی تھی، انہوں نے آکر روٹیوں کے ٹکڑے کیے اور روٹیوں کے ٹکڑے کھاتے اور اوپر سے پتے کھاتے اور دندناتے ہوئے چلے گئے، نہ ان میں سے کوئی بے ہوش ہوا اور نہ کوئی مرا، وہ جڑی بوٹی زہر کا تریاق تھا، تو ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے شعور رکھا ہے اور زندہ رہنے کا انداز بتلایا ہے۔ (تفسیر ذخیرۃ الجنان)

{وَالَّذِی أَخْرَجَ الْمَرْعَی} جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے، اللہ تعالیٰ نے انسان وحیوان کو پیدا فرمایا، پھر ان کی تمام ضروریات بھی پیدا فرمائیں، یہاں تخلیق وراہنمائی کے ذکر کے بعد چارہ وگھاس نکالنے اور پیدا کرنے کا ارشاد بھی فرمایا گیا ہے گھاس کھیتوں، کھلیانوں اور جنگلوں میں اگتی ہے، جس سے اللہ کی دھرتی حسن وجمال کا نظارہ پیش کرتی ہے، جانور کھاتے ہیں، کھیل کے میدانوں

میں سبزہ سے آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے، نظارگی ہوتی ہے، گھر کے صحنوں میں تیار کی جانے والی گھاس گھر کے حسن وجمال کو دوبالا کر دیتی ہے، جب یہی گھاس کھیتی کی شکل میں تیار ہوتی ہے تو دیکھنے والے کو حیرت میں ڈال دیتی ہے، قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اللہ نے اس بات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

ہماری زندگی میں دیہات اور شہر کی اپنی اپنی جگہ پر اہمیت ہے، دیہات میں لوگوں کے پاس جانور ہوتے ہیں، ان کی ضروریات اسی گھاس سے پوری ہوتی ہیں، دیہاتی گھروں کے اڑوس پڑوس میں بڑے بڑے کھیتوں میں گھاس اگائی لگائی جاتی ہے، کہیں گھاس خودرو بھی ہوتی ہے، خودرو ہو یا محنت سے اگائی جائے دونوں ہی صورتوں میں انسانی آنکھوں کو اپنی طرف مبذول کرواتی ہے، شہروں میں رہنے والے لوگ اپنے بڑے بڑے مکانات اور کوٹھیوں کے کھلے آنگن میں گھاس لگواتے اور اپنی نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گھاس کیا ہے، یہ چارہ کیا ہے؟ آیئے اس عام سے پودے کا قریبی جائزہ لیں، تمام قسم کے سبز چھوٹے پودوں کو عموماً گھاس ہی کہا جاتا ہے، ان پودوں کے علاوہ، جنہیں سائنسی طور پر گھاس کے خاندان کا حصہ قرار دیا جاتا ہے، بعض اشخاص سعادہ اور اسل کو بھی گھاس خیال کرتے ہیں، لیکن حقیقی معنوں میں گھاس کے خاندان سے تعلق رکھنے والے پودوں کو ہی گھاس کہا جا سکتا ہے، ان کی اقسام میں عموماً چند عام خصوصیات ہوتی ہیں، جسے آپ گھاس کا تنا خیال کرتے ہیں اُس کا قریبی جائزہ لیں۔

کیا تنا لمبا اور گہرا ہے، کیا اس میں گرہ یا جوڑ ہیں؟ کیا اس کے پتے لمبے، چپٹے اور تنگ ہیں جن پر شاخ کے گرد غلاف سے نکلنے والی متوازی نسیں دکھائی دیتی ہیں؟ کیا تنے کے مخالف حصوں سے نکلنے والے متواتر پتے دو عمودی صفتیں تشکیل دیتے ہیں، کیا جڑیں بنیادی جڑ کی شاخوں کی بجائے چھوٹے چھوٹے ریشوں کا ایک پیچیدہ جال ہیں؟ کیا پھول اگر آپ انہیں دیکھ سکتے ہیں چھوٹے، تعداد میں کم اور گچھے، خوشے یا جھرمٹ کی شکل میں ہیں؟ اگر آپ کے جوابات ہاں میں ہیں تو وہ پودا غالباً گھاس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

اگرچہ گھاس کے خاندان کے پودوں کی شکل تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے تو بھی اس کی ۸،۰۰۰ سے ۱۰،۰۰۰ اقسام میں حیران کن تنوع پایا جاتا ہے، پودوں کی لمبائی ۲ سینٹی میٹر سے لے کر بعض بانس کے پودوں میں ۱۳۰ فٹ ہوتی ہے، گھاس زمین کو ڈھانپنے والے سبزے کا بنیادی حصہ ہے، نیز اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ یہ زمین پر پایا جانے والا سب سے زیادہ مطابقت پذیر پودا ہے جو قطبی علاقوں اور صحراؤں، حاری وبرساتی جنگلات اور کوہستانی ڈھلوانوں پر اُگتا ہے، گھاس تمام سبزہ زاروں جیسا کہ وسیع میدانی خطوں، جنوبی امریکہ کے شمالی مرغزاروں، پام پز، پریز اور وسیع صحراؤں کی نمایاں خصوصیت ہے۔

گھاس کی مختلف اقسام کی کامیابی کی بنیادی وجہ اس کی مضبوطی ہے، دیگر پودوں کے برعکس، گھاس سرے کی بجائے گرہ کے اُوپر کے حصہ سے بڑھتی ہے، نیز نئی شاخیں تنے سے زمین کے نیچے یا اُوپر افقی سمت میں بڑھ سکتی ہیں، لہٰذا جب لان کی کٹائی یا گائے کے دانت سے گھاس کے سرے ٹوٹ جاتے ہیں تو دیگر پودوں کے برعکس جو اگنا بند کر دیتے ہیں، گھاس اُگتی رہتی ہے، اسی لئے لان کی اکثر کٹائی سے گھاس دوسرے پودوں کی جگہ لے لیتی ہے اور لان گھنا اور خوبصورت بن جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، گھاس کے بہتیرے پودوں میں یہ خاص بات پائی جاتی ہے کہ اگر ان کے تنے پاؤں کے نیچے آئیں یا ہوا سے مڑ جائیں تو یہ اُس حصے سے جو زمین کی طرف ہوتا ہے تیزی سے بڑھ کر بالکل سیدھے کھڑے ہو سکتے ہیں، ان وجوہات کی بِنا پر گھاس عموماً نقصان برداشت کرنے کے بعد بہت جلد ایک بار پھر بحال ہو جاتی ہے اور یوں سورج کی روشنی حاصل کرنے کی کوشش میں یہ دوسرے پودوں پر سبقت رکھتی ہے، نیز ہمیں اس بات پر خوشی ہونی چاہئے کہ یہ ایک مضبوط پودا ہے، اس لئے کہ ہم اس پر انحصار کرتے ہیں۔

گھاس سب سے زیادہ اُگنے والا پودا ہونے کے علاوہ زمین پر موجود پھولدار پودوں میں سب سے اہم بھی ہے، ایک ماہر نباتات نے بیان کیا کہ گھاس ہماری خوراک کا بنیادی حصہ ہے، یہ "ایک بند کی

مانند ہے جو نسلِ انسانی کو قحط سے بچاتا ہے۔" ذرا یاد کریں کہ آپ نے آج کیا کھایا تھا؟ کیا آپ نے باجرے، چاول، جئی یا سُرغو سے بنے دلیے کے پیالے سے آغاز کیا تھا؟ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے گھاس کے دانے کھائے تھے، یا ممکن ہے کہ آپ نے ڈبل روٹی یا کسی اَور قسم کی روٹی کھائی تھی، اس میں استعمال ہونے والا آٹا گھاس کے دانوں سے بنا تھا، گندم، رائی، جَو اور دیگر اناج کے دانے سب گھاس ہیں، کارن فلیکس اور مکئی کی پڈنگ کے علاوہ مکئی کے آٹے سے بنی ترتلا کی بابت بھی یہ بات سچ ہے۔ مکئی، آپ کا خیال بالکل درست ہے گھاس ہے کیا؟ آپ نے اپنی چائے یا کافی میں چینی ملائی تھی؟ چینی کی آدھی سے زائد مقدار گنے سے حاصل کی جاتی ہے جو گھاس ہے، دودھ اور پنیر کی تیاری میں بھی ایک لحاظ سے گھاس کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ گائے، بھیڑ اور بکریوں کی خوراک ہے۔

آج صرف جانور ہی نہیں انسان بھی گھاس سے اور زمین سے اُگنے اور پیدا ہونے والی چیزوں سے تیار کردہ اشیاء استعمال کرتے اور کھاتے ہیں، پیزا کی تہ بھی گندم کے آٹے سے بنتی ہے، مرغیوں اور دیگر پرندوں کے کھانے کے لئے اکثر اناج کے دانے استعمال کئے جاتے ہیں، مویشیوں کو تمام قسم کی گھاس کھلائی جاتی ہے، یوں، ایک بڑی حد تک جو انڈے، پالتو پرندے اور گائے کا گوشت ہم کھاتے ہیں در حقیقت وہ گھاس ہی ہے جو جانوروں میں عملِ استحالہ سے تبدیل ہوتی ہے، نیز آپ گھاس پی بھی سکتے ہیں، دودھ کے علاوہ، بہتیرے عام الکحلی مشروبات: بیئر، وسکی، رم، ساکی اور مختلف قسم کی چیزیں گھاس ہی سے تیار کی جاتی ہیں۔

گھاس سے بہت سے کھانے کی چیزیں تیار ہوتی ہیں بعض اندازوں کے مطابق، دُنیا بھر میں استعمال ہونے والی کیلوریز کی نصف سے زائد تعداد گھاس سے آتی ہے، اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ گھاس زرعی زمین کے ۷۰ فیصد حصے کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ گھاس صرف کھانے کے کام ہی نہیں آتی بلکہ کچے گھروں کی دیواریں بھی مٹی اور بھوسے کی بنی ہیں، گھاس ہی ہے جو انہیں درکار مضبوطی عطا کرتی ہے، دُنیا کے

مختلف خطوں میں گھاس سے بنی ہوئی چھپر کی چھتیں ڈالی جاتی ہیں، جنوب مشرقی ایشیا میں پاڑ، پائپ، فرنیچر، دیواروں اور متعدد چیزوں کی تیاری میں بانس استعمال کئے جاتے ہیں۔

چٹائیاں اور ٹوکریاں گھاس سے بنائی جاتی ہیں اور یہ گوند اور کاغذ کے لئے خام مال فراہم کرتی ہے، انسانی پہناووں کی بات کرلیتے ہیں، کپڑے کی بناوٹ گھاس اورزمین سے پیدا ہونے والی کپاہی سے ہوتی ہے، بہتیرے جانور جن سے ہم اُون اور چمڑا حاصل کرتے ہیں، گھاس کھاتے ہیں، گھاس کی قسم ارنڈو ڈونیکس کلارنیٹ لکڑی کے بنے ہوئے پھونک مار کر بجائے جانے والے سازوں کے لئے نرسل فراہم کرتی ہے، کوئی دوسرا مواد اس مقصد کے لئے استعمال ہونے والے قدرتی نرسل کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

گھاس زمین کے بہت سے حصے کو ڈھانپ کر آراستہ کرتی ہے، نیز ایک ہری بھری چراگاہ یا اچھی دیکھ بھال سے بنایا گیالان کیاہی خوبصورت، پُرسکون اور تسکین بخش نظارہ فراہم کرتا ہے، کثیر مقدار میں سبزہ پیدا کرنے کے باعث گھاس آکسیجن فراہم کرنے کا ایک بنیادی ذریعہ ہے، اس کی باریک جڑیں زمین کو کٹاؤ سے محفوظ رکھتی ہیں، اس کی افادیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم یہ جان کر حیران نہیں ہوتے کہ گھاس کی کاشتکاری اور استعمال کی تاریخ بہت پُرانی ہے۔

گھاس کی تاریخ: ہمیں پہلی بار گھاس کا ذکر بائبل کے تخلیقی بیان میں ملتا ہے۔ خدا نے تیسرے تخلیقی دن پر کہا: ”زمین گھاس اُگائے۔ (پیدایش ۱:۱۱)

تمام بڑی ثقافتوں نے گھاس کی کسی نہ کسی قسم پر انحصار کیاہے، مثال کے طور پر، مصریوں، یونانیوں اور رومیوں کی بنیادی غذا گندم اور جَو تھی، چینی لوگ باجرا اور چاول، سندھ کے لوگ گندم، جَو اور باجرا، مایا، آزٹک اور اَن کا کے باشندے مکئی کھایا کرتے تھے، نیز وسیع وعریض میدان منگول سپاہیوں کے گھوڑوں کے چارے کیلئے درکار گھاس فراہم کرتے تھے، جی ہاں، گھاس ہمیشہ سے نسلِ انسانی کیلئے بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔

قرآن کریم جو علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے، اس کی روشن تعلیمات اور نورانی آیات میں جگہ جگہ زمین سے پیدا ہونے والی اجناس کا ذکر ہے، ان کی خوبصورتی اور دلکشی کا ذکر ہے، یہاں بھی مرعیٰ چارے اور گھاس کا ذکر ہے۔

{فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى} حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر ان سرسبز چاروں کو خشک اور سیاہ رنگ کر دیا۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں غثاء اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب میں اوپر آجاتا ہے، احویٰ، حوۃ سے مشتق ہے گہری سبزی میں جو ایک قسم کی سیاہی آجاتی ہے اس کو حوت کہتے ہیں، اس آیت میں حق تعالیٰ نے نباتات سے متعلق کچھ اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا ہے کہ زمین سے سرسبز گھاس نکالی پھر اس کو خشک کرکے سیاہ رنگ کر دیا وہ سرسبزی جاتی رہی، اس میں انسان کو اس کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ جسم کی شادابی خوبصورتی اور چستی چالاکی حق تعالیٰ کا عطیہ ہے مگر انجام کار پھر اس سب کو ختم ہونا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۸)

{سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى} اس آیت کی دو تفسیریں منقول ہیں، ایک تفسیر کے مطابق اس آیت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، حضرت مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں "مرنے کے بعد تیرے نامہ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے، گو تو اے انسان! اب اس کو نہیں پڑھ سکتا، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرا کتابک کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمال نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا، سب تیرے یاد آجاویں گے، الا ماشاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے اور وہ نیکوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار، گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدائے پاک وہاں بھی یاد نہ دلائے گا تاکہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں، خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوصاً قیامت میں ایک حضور علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے، کس لیے کہ سہو ونسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائے گا اور ہمارے دفتر اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا"۔ (تفسیر حقانی)

اس آیت کی ایک اور تفسیر حضرات مفسرین کرام نے فرمائی، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور آپ کو معلوم تھا کہ کامل تسبیح جب ہوگی جب آپ قرآن کے موافق تسبیح پڑھیں، اس لیے آپ قرآن مجید کو یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے، مبادا آپ قرآن مجید بھول جائیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے۔

مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ، مقاتل رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت جبریل آپ پر قرآن نازل کرتے تو آپ جلدی جلدی دہرانے کی کوشش کرتے کہ آپ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے۔

اس کی نظیر سورۃ طٰہٰ میں بیان فرمائی کہ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ: ۱۱۴) (اے پیغمبر) جب قرآن وحی کے ذریعے نازل ہو رہا ہو تو اس کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے، ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے، اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

① حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے کئی بار قرآن مجید پڑھیں گے تو اس کو بار بار سن کر آپ کو خوب حفظ ہو جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھولیں گے۔

② ہم آپ ﷺ کا شرح صدر کر دیں گے، آپ ﷺ کی قوتِ حافظہ اس طرح مضبوط کر دیں گے کہ آپ ﷺ کو مضبوط حفظ ہو جائے گا، پھر اس کے بعد آپ ﷺ بھولیں گے نہیں۔

③ سورۃ الاعلیٰ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو تسبیح کرنے کا حکم فرمایا گویا اللہ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ تسبیح پڑھتے رہیے، ہم آپ کو عنقریب قرآن مجید پڑھائیں گے، جو تمام اولین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے، اس میں آپ کی اور آپ کی قوم کا ذکر ہے، ہم اس کو آپ کے دل میں جمع کر دیں گے اور اس پر عمل کرنا ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔ (تفسیر کبیر)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دو وجہوں سے دلالت کرتی ہے، ایک اس وجہ سے کہ آپ اُمی شخص تھے اور آپ کا اس ضخیم کتاب کو بغیر درس اور تکرار اور بغیر لکھنے کے یاد کرنا خلافِ عادت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے دہرانے سے منع فرما دیا تھا تو صرف ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے سن کر اس قدر ضخیم کتاب کو حفظ کر لینا غیر معمولی اور خلافِ عادت کام ہے اور یہ آپ کا زبردست معجزہ ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورت الاعلیٰ مکہ میں نازل ہونے والی اوائل سورتوں میں سے ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ آٹھویں سورت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرمادی کہ نبی ﷺ قرآن مجید کو نہیں بھولیں گے اور یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، یہ اخبار عن الغیب سے متعلق ہے۔

{إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ} مفسر قرآن حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو آپ ﷺ کو پڑھائیں گے وہ آپ ﷺ بھولیں گے نہیں مگر وہ بھولیں گے جو اللہ چاہیں گے کہ آپ ﷺ بھولیں، اللہ کی منشاء اور مرضی کے بغیر آپ ﷺ بھول نہیں سکتے۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراخان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جس حکم کو اللہ تعالیٰ منسوخ کر دیں گے وہ آپ کے ذہن سے نکل جائے گا اور جس کو محفوظ رکھنا ہے وہ نہیں بھولے گا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام جو آپ ﷺ کو سناتے تھے وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتا تھا اور پھر آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو فوراً سنا دیتے تھے اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے، تقریباً اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاتبینِ وحی تھے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(ذخیرۃ الجنان)

{إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى} اللہ پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں۔ ظاہر سے مراد ہے نبی کریم ﷺ حضرت جبریل کے ساتھ جو قرآن مجید پڑھتے تھے، اور پوشیدہ سے مراد ہے نبی کریم ﷺ تنہائی میں جو اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، نبی کریم ﷺ بھولنے کے خطرہ سے قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتایا آپ خوف نہ کریں میں اس کا ضامن ہوں کہ آپ قرآن نہیں بھولیں گے۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے، جس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے دشوار ہو گا، وہ اس حکم کو منسوخ کر دے گا اور اس آیت کی قرأت آپ سے بھلا دے گا کیونکہ وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔(تفسیر کبیر)

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى: اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے۔ سہولت سے مراد ہے وہ نیک اعمال جو سہولت مہیا کرتے ہیں، اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں،

① ہم آپ ﷺ کو قرآن مجید کے حفظ کرنے کے آسان اور سہل طریقہ کی توفیق دیں گے۔

② ہم آپ کو ایسے نیک اعمال کی توفیق دیں گے، جس سے آپ کے لیے جنت کا راستہ آسان اور سہل ہو جائے گا۔

③ ہم آپ ﷺ پر نزول وحی کو آسان کر دیں گے تاکہ آپ ﷺ سہولت سے وحی کو حفظ کر سکیں، جان سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔

④ ہم آپ ﷺ پر ایسے شرعی احکام نازل کریں گے جن پر عمل کرنا آسان ہو گا اور لوگوں کے لیے شرعی احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ (الاعراف ۲) یہ ایک کتاب ہے جو آپ ﷺ پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ آپ اس سے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں سو آپ کے سینہ میں اس سے تنگی نہ ہو۔

اور احادیث میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دین آسان ہے۔ (بخاری، سنن نسائی، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور لوگوں کو بددل اور متنفر نہ کرو۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کی طرف جھپٹے، تو ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس جگہ کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو، کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (بخاری، مسلم، احمد)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر سہولت اور آسانی کے اس قدر دروازے کھولے ہیں کہ کسی اور پر اس قدر دروازے نہیں کھولے، آپ کو جاہلیت کے معاشرہ میں پیدا کیا، والد پہلے فوت ہو چکے تھے، پھر والدہ رحمہا اللہ بھی فوت ہو گئیں اور چند سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، کسی مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں گئے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال اور افعال کو تمام جہانوں کے لیے نمونہ بنا دیا اور آپ کو تمام مخلوق کا ھادی بنا دیا۔ (کبیر، تبیان القرآن)

فی ظلال القرآن میں علامہ قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اور ہم تمہیں آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں" یہ خوشخبری بھی رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی ہے اور اس سے اس دین کا مزاج بھی معلوم ہوتا ہے، دعوتِ اِسلامی کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ انسانی زندگی میں کیا کردار ادا کرتی ہے اور اس کائنات میں اسلامی نظام زندگی کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ بظاہر تو یہ دو لفظ ہیں۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى: لیکن ان کے اندر جو حقیقت بیان کی گئی وہ اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی نظام اور شریعت کی ایک عظیم حقیقت ہے، نیز وہ اس پوری کائنات کا بھی خلاصہ اور روح ہے، یہ حقیقت رسول اللہ کے مزاج کو، اس کائنات کے مزاج اور اس دین کے مزاج سے ملا دیتی ہے، یہ پوری کائنات دستِ قدرت نے بڑی آسانی سے بنادی ہے، یہ کائنات نہایت آسانی سے چل رہی ہے، جس رخ پر اسے ڈال دیا گیا ہے وہ نہایت آرام اور سکون اور سہولت سے اسی رخ اور سمت پر چل رہی ہے، غرض یہ نور سے نکلی ہے اور ایسے حقائق کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو حدود و قیود سے ماوراء ہے۔

جس ذات کو اللہ آسانیاں میسر کر دے وہ اپنی زندگی کی راہوں پر بسہولت چلتا ہے، وہ اس کائنات کے ساتھ چلتا ہے جس کا وجود اور جس کی ترتیب باہم متناسب، جس کی حرکت متوازن اور جس کا رخ ایک طرف ہے یعنی اللہ کی طرف، ایسا شخص صرف ان قوتوں سے ٹکراتا ہے، جو اس عظیم کائنات کے خطوط سے منحرف ہوں، ایسے لوگوں کا موازنہ اگر اس پوری کائنات سے کیا جائے تو ان کا کوئی وزن نہیں رہتا، ایسا شخص جب چلتا ہے تو اس کی حرکت آسان، لطیف اور نرم ہوتی ہے، اس کائنات کے ہم آہنگ دنیا کے واقعات سے ہم آہنگ، دنیا کی چیزوں اور اشخاص کے ساتھ ہم آہنگ، اس کے ہاتھوں میں آسانی ہوتی ہے، اس کی زبان میں یسر ہوتا ہے، اس کے اقدامات آسان ہوتے ہیں، اس کا عمل یسر ہوتا ہے، اس کے خیالات آسان ہوتے ہیں، اس کی فکر آسان ہوتی ہے جو معاملات کو آسانی سے لیتا ہے، معاملات کو نہایت آسانی سے لیتا ہے، اپنے نفس کے لئے بھی آسان ہوتا ہے دوسروں کے لئے بھی آسان ہوتا ہے۔

یہ تھے رسول اللہ ﷺ، اپنے تمام امور میں یسر ہی یسر۔ حضور اکرم ﷺ جب دو کاموں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے تو آسان کو لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ جب اپنے گھر میں تنہا ہوتے تو آپ تمام لوگوں سے نرم مزاج ہوتے، مسکراتے ہوئے اور ہنستے ہوئے اور صحیح بخاری کی ایک روایت ہے ایک لونڈی بھی رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔ لباس، طعام، بچھونے وغیرہ میں آپ کی جو سیرت تھی اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ سادگی، آسانی اور بے تکلفی کو پسند فرماتے تھے۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب زاد المعاد میں لباس کے سلسلے میں آپ کی سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک پگڑی تھی جسے السحاب کہا جاتا تھا، یہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی، آپ پگڑی باندھتے اور اس کے نیچے ٹوپی پہنتے، کبھی آپ ٹوپی بغیر عمامہ کے پہنتے، کبھی عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی باندھتے، آپ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملے کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا دیتے، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔

حضرت عمر ابن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا اور آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور آپ نے اس کا ایک طرف دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ہے، بالوں کی لٹ کی طرح۔

اس سے معلوم ہوا کہ شملہ ہمیشہ کاندھوں کے درمیان سے نہ لٹکاتے تھے۔ کہا جاتا ہے آپ مکہ میں داخل ہوئے، آپ نے جنگی لباس پہنا ہوا تھا اور آپ کے سر پر خود تھا، لہٰذا ہر موقع کی مناسبت سے لباس پہنتے تھے۔

زاد المعاد میں ایک دوسرے مقام پر وہ فرماتے ہیں کہ بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے جو طریقہ آپ نے رائج فرمایا اور جس کا حکم دیا اور جس کی ترغیب دی اور اس پر مداومت کی، لباس میں

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جو لباس میسر ہوتا آپ وہ پہنتے کبھی اُونی، کبھی رُوئی، کبھی کتان کا، آپ ﷺ نے یمنی چادر بھی پہنی، سبز چادر بھی پہنی، حلہ (سرخ رنگ کا جوڑا)، قبا اور قمیص بھی زیب تن فرمائی، پاجامہ، ازار اور چادر بھی پہنی، چمڑے کے موزے اور جوتے، یہ سب چیزیں آپ نے استعمال فرمائیں اور عمامہ کا شملہ کبھی آپ نے پیچھے سے لٹکایا اور کبھی نہ لٹکایا۔

اور کھانے کے بارے میں آپ کی سیرت یہ تھی کہ آپ کسی موجود کھانے کو رد نہ فرماتے اور نہ غیر موجود کے بارے میں تکلف فرماتے، پاکیزہ چیزوں میں سے جو بھی آپ کو پیش کی گئی آپ نے اسے تناول فرمایا، الا یہ کہ کسی چیز کو آپ کی طبعیت نہ چاہتی ہو تو آپ نے بغیر حرام قرار دینے کے اسے چھوڑ دیا، آپ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر چاہت ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے، جس طرح آپ نے ضب (گوہ) کو تناول نہ فرمایا کیونکہ آپ اس کے کھانے کے عادی نہ تھے لیکن امت پر اسے حرام بھی قرار نہیں دیا، بلکہ اسے آپ کے دستر خوان پر آپ کے دیکھتے ہوئے کھایا گیا۔

آپ ﷺ نے حلویٰ اور شہد تناول فرمایا، ان کو آپ بہت پسند فرماتے تھے، آپ نے تازہ اور خشک کھجوروں کو تناول فرمایا، آپ نے خالص دودھ بھی پیا اور ملا ہوا بھی، آپ نے شہد اور ستو پانی کے ساتھ تناول فرمائے، آپ نے کھجوروں کا صاف پانی پیا، آپ نے حریرہ استعمال کیا، یہ ایک قسم کی کھیر ہے جو دودھ اور آٹے سے بنتی ہے، آپ نے تر و تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی کھائی، پنیر تناول فرمایا، کھجور کے ساتھ روٹی کھائی، سرکہ کے ساتھ روٹی کھائی، آپ نے پکا ہوا کدو کھایا اور اس کو آپ بہت پسند فرماتے تھے، آپ نے اُبالا ہوا کدو بھی کھایا، گھی کے ساتھ ثرید کھایا، پنیر کھایا، تیل کے ساتھ روٹی کھائی، خربوزوں کو تازہ کھجوروں کے ساتھ اور کھجوروں کو مکھن کے ساتھ کھایا اور یہ آپ کو بہت پسند تھا، کسی پاکیزہ چیز کو آپ رد نہ کرتے اور نہ بتکلف خواہش کرتے بلکہ آپ کا طریقہ یہ تھا جو میسر ہو وہ تناول فرماتے، اگر کوئی چیز نہ ملتی تو صبر کرتے۔

سونے اور بیدار ہونے کے بارے میں آپ کی سنت یہ تھی، کبھی اپنے بستر پر سوتے، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر، کبھی زمین پر، کبھی تخت پر، کبھی سیاہ کمبل پر سوتے

آپ ﷺ کے فرمودات وارشادات میں آسانی اور نرمی کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اپنے پیروکاروں اور سننے والوں کو اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، فرمایا کہ یہ دین آسان ہے، جو شخص اس دین کے ساتھ کشتی کرے گا وہ شکست کھاجائے گا (بخاری) فرمایا کہ اپنے نفسوں پر سختی مت کرو ورنہ تم پر سختی کی جائے گی، ایک قوم نے اپنے آپ کو سختیوں میں ڈالا تو اس پر سختی کی گئی۔ (ابوداؤد) فرمایا کہ جو شخص اپنی سواری پر سختی کرتا ہے وہ نہ تو سفر طے کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سواری زندہ رہتی ہے (بخاری) فرمایا کہ آسانیاں کرو سختی نہ کرو (بخاری و مسلم)

اور معاملات کے بارے میں آپ کی ہدایات یہ ہیں، فرمایا کہ اللہ رحم کرے، اس شخص پر جو فروخت کرے تو نرمی اور فراخ دلی سے، خریدے تو نرمی اور فراخ دلی سے اور تقاضا کرے تو بھی نرمی اور فراخ دلی سے (بخاری) فرمایا کہ مومن آسان اور نرم ہوتا ہے (بیہقی) فرمایا کہ مومن لوگوں سے مانوس ہوتا ہے اور لوگ اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ (دار قطنی) فرمایا کہ اللہ کے ہاں مبغوض ترین شخص وہ ہے جو جھگڑالو اور لڑنے والا ہو۔ (بخاری و مسلم)۔

آپ ﷺ کی سیرت میں اس بات کی روشن مثالیں ملتی ہیں کہ آپ سختی اور مشکل کو پسند نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ نام اور چہرے کے خدوخال میں بھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزاج کیسا تھا اور آپ کے ساتھ اللہ کا سلوک کیسا تھا اور کس طرح اللہ نے آپ کو آپ کی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے سہل پسند بنایا تھا اور اس کی طرف آپ کی رہنمائی فرمائی تھی۔

حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے، تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تمہارا نام کیا ہے؟ والد نے کہا میرا نام حزن ہے (یعنی سخت دشوار) تو آپ نے فرمایا نہیں آپ " سہل " ہیں، تو انہوں نے کہا میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے

رکھا ہے۔ ابن مسیب کہتے ہیں اس کے بعد ہمارے خاندان میں برابر سختی رہی (بخاری) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے عاصیہ کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا تھا (مسلم) اور آپ کی مشہور حدیث ہے یہ بات نیکی کا حصہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ہنس مکھ ہو کر ملو (ترمذی)۔

غرض آپ اس قدر حساس تھے کہ آپ کو ناموں، چہرے کے خدوخال میں بھی درشتی پسند نہ تھی اور آپ نرمی اور آسانی کی طرف مائل ہوتے تھے، چنانچہ آپ کی پوری سیرت نرمی، یسر، سہولت اور سہل برتاؤ پر مشتمل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معاملات اور لین دین میں نرمی سے کام لیا۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا، وہ کوئی چیز مانگ رہا تھا، آپ نے اسے دے دی تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا؟ تو اس نے کہا: نہیں! آپ نے اچھا سلوک نہیں کیا، مسلمانوں کو سخت غصہ آیا اور وہ اس کی طرف لپکے، آپ نے اشارہ فرمایا کہ کچھ نہ کہو، آپ پھر گھر میں داخل ہوئے اور کچھ مزید دیا اور پھر پوچھا: کیا میں نے اچھا سلوک کیا؟ تو اس نے کہا: "ہاں"۔ اللہ آپ کو جزا دے، آپ اچھے خاندان کے ہیں۔

اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے پہلے جو بات کی وہ تمہیں معلوم ہے جس کی وجہ سے میرے ساتھی خفا ہوئے اور ان کے دل صاف نہیں، تو اگر تم پسند کرو تو یہ باتیں جو تم نے میرے سامنے کی ہیں ان کے سامنے بھی کرو، تاکہ ان کے دلوں میں تم پر جو غصہ ہے، وہ دور ہو جائے، تو اس نے کہا "اچھا" دوسرے دن وہ پھر آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دیہاتی نے کل جو کچھ کہا وہ تمہیں معلوم ہے، ہم نے اسے مزید کچھ دیا، اب اس کا خیال ہے کہ وہ راضی ہو گیا ہے، بتاؤ بھائی کیا یہ درست ہے؟ تو دیہاتی نے کہا ہاں اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے خاندان سے ہیں، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور اس دیہاتی کی مثال اس طرح ہے کہ اس شخص کی اونٹنی بگڑ گئی، لوگوں نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اور بھاگنے لگی، تو مالک نے لوگوں کو چلا کر کہا: "میری ناقہ کو اور مجھے چھوڑ دو میں

اس کے ساتھ زیادہ نرم سلوک کرتا ہوں اور اس کے مزاج کو اچھی طرح جانتا ہوں، چنانچہ اس کا مالک اس کے سامنے سے آیا اور زمین سے کچھ گھاس پھونس جمع کر کے اس کے لئے لے آیا اور اسے آہستہ آہستہ واپس لایا، یہاں تک کہ وہ اپنے مقام پر آکر بیٹھ گئی، اس نے اس کا کجاوا کسا اور سوار ہو گیا، جب اس شخص نے جو کچھ کہا تھا اور تم اس پر لپکے تھے تو میں اگر تمہیں چھوڑ دیتا اور تم اسے قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں چلا جاتا۔

یہ تھا حضور ﷺ کا طرز عمل ان لوگوں کے ساتھ جو نہایت ہی سخت اور بد کنے والے تھے، اس قدر سادگی اور آسانی کے ساتھ اور اللہ کی ایسی توفیق کے ساتھ، آپ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، اس قسم کے بے شمار نمونے آپ کی سیرت میں موجود ہیں، یہی وہ بات ہے جو اس آیت میں بطور خوشخبری آپ کو کہی گئی ہے اور آپ کو اپنی پوری زندگی میں، آپ کو دعوت میں اور آپ کے معاملات میں اس کی آپ کو توفیق دی گئی۔

آپ ﷺ کی ذات گرامی جو محبوب خلائق اور بلند اخلاق کی مالک تھی اور جسے ایک آسان دین کی طرف آسانی سے رہنمائی کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا اور اسی انداز سے انسانیت کو دعوت دی، آپ ﷺ کا مزاج ہی اس طرح بن گیا اور آپ ﷺ کی ماہیت ہی دین سہل میں بدل گئی اور آپ ﷺ اسی امانت کبریٰ کے اٹھانے کے قابل ہو گئے، یہ امانت تو بہت بڑی اور بھاری تھی مگر اللہ نے اس ذمہ داری کی توفیق آپ ﷺ کو دی اور آپ ﷺ اس بھاری ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو گئے، آپ ﷺ نے پسندیدہ طریقے سے کام کیا اور اچھے انداز سے محنت کی اور خوشی اور شرح صدر سے کام کیا۔ (فی ظلال القرآن)

فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى: یہاں اِن ما کے معنیٰ میں ہے، شرطیہ نہیں ہے، یعنی یہ معنیٰ نہیں کہ آپ نصیحت کریں اگر نصیحت نفع دے، بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ نصیحت کریں نصیحت نفع دیتی ہے، دوسرے مقام پر اہلِ ایمان کے بارے میں وضاحت سے یہ بات آئی ہے کہ آپ نصیحت کریں

کیونکہ نصیحت اہلِ ایمان کو نفع دیتی ہے، حضرت ابن عباسؓ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ نصیحت میرے دوستوں اور دشمنوں کو فائدہ دیتی ہے، دنیا میں جو رشد وہدایت کی بہاریں ہیں، لوگ برائی چھوڑ کر اچھائی کی طرف آئے ہیں اس کے پیچھے بھی نصیحت ہی کارفرما ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیوی اوراخروی تمام مصالح کوآسان کرنے کی تکمیل فرمائی تو مخلوق کو حق کی طرف بلانے کا حکم دیا، کیونکہ انسانی احوال کا کمال اس میں ہے کہ وہ اللہ کے اخلاق میں رنگ جائے، اس میں اخلاق اللہ کا پرتو کام اور پورے طریق سے دکھائی دے، اس لحاظ سے حضرت نبی کریم ﷺ ونیسرک للیسریٰ والی آیت کے کامل مصداق ہیں، جب آپ کامل مصداق ہیں تو اللہ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ ﷺ اپنے کواس مقتضا میں سب سے اوپر رکھیں، آپ ﷺ اس مقصد کے لیے وعظ ونصیحت اورتذکیر کا فریضہ انجام دیں، کیونکہ یہی وہ کام ہے جو ناقصوں اور کوتاہ اندیشوں کی تکمیل کا تقاضا کرتا ہے، وعظ ونصیحت سے گم گشتگان راہ کوراہ ملتی ہے اورجو شخص اس طرح ہوجائے گا وہ کمالات میں بہت فیاض ہوگا، وہ کامل اور کاملوں سے بھی اوپر ہوگا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں چند سوالات اٹھائے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں، یہ توآپ ﷺ کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو آپ ﷺ نصیحت کریں، چاہے نصیحت انہیں فائدہ دے یا نہ دے، تو یہاں حرف شرط لانے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ ﷺ انہیں نصیحت کریں اگر نصیحت انہیں فائدہ دے؟

امام رازی رحمہ اللہ نے اس اشکال کاجواب بھی پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حکم کسی شرط پر موقوف ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ شرط نہ پائی جائے تو اس حکم پر عمل نہ کیا جائے یعنی یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور یہ چیز حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے، قرآن کریم

میں ارشاد ہے وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّناً (النُّورِ: ۳۳) اور تم اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکیزہ رہنے کا ارادہ کریں۔

اس ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تمہاری باندیاں پاکیزہ رہنے کا ارادہ نہ کریں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کرو۔ اسی طرح ارشاد ہے وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (الْبَقَرَةِ: ۱۷۲) اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم واقعتاً اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر تم اس کی عبادت نہیں کرتے تو اس کی شکر گزاری بھی نہ کرو، شکر گزاری تو ہر حال میں لازم ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ (النِّسَاءِ: ۱۰۱) تم پر (سفر میں) نمازوں کو قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم کو یہ خطرہ ہو کہ کفار (دورانِ نماز) تم پر حملہ کر دیں گے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم صرف حالت جنگ میں نمازوں کی قصر کر سکتے ہو اور حالت امن میں نمازوں کی قصر نہیں کر سکتے، خوف نہ بھی ہو پھر بھی قصر کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِباً فَرِهَانٌ (الْبَقَرَةِ: ۲۸۳) اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لیے جائیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قرض کی رقم کو لکھنے والا مل جائے تو پھر قرض کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں ہے، حالانکہ لکھنے والا موجود ہو پھر بھی رہن رکھنا جائز ہے، کتابت اور رہن دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح ارشاد ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ (الْبَقَرَةِ: ۲۳۰) ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اگر انہیں حدود اللہ قائم رکھنے کا گمان نہ بھی ہو پھر بھی وہ دونوں رجوع کر سکتے ہیں، مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

ان قرآنی آیات سے اس سوال کا جواب ہو گیا جو یہاں پیدا ہوتا ہے، ساتھ ہی فقہ حنفی کا یہ مؤقف اظہر من الشمس ہو گیا جس میں بتایا گیا کہ شرعی احکامات میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا۔

یہاں قرآن کریم میں جب یہ فرمایا گیا کہ آپ نصیحت کریں اگر نصیحت فائدہ دے، یہ شرط عائد کرنے کا کیا فائدہ ہے، امام رازی رحمہ اللہ اس بارے کئی فوائد بیان کرتے ہیں

① اگر شرط عائد کرنے سے مقصد اچھے طریقے سے ہاتھ آتا ہو تو پھر شرط عائد کرنا ہی زیادہ بہتر ہے، بار بار نصیحت کرنے سے مقصد ہاتھ آنا ممکن ہے اس لیے اللہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت کو مفید سمجھتے ہیں تو۔

② یہاں اللہ تعالیٰ نے دو حالتوں میں سے سب سے اعلیٰ اور اشرف حالت کا ذکر فرمایا ہے اور دوسری پر خبردار کیا ہے، جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی لباس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: ۸۱) اور تمہارے لیے ایسے لباس پیدا کیے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔

تو یہاں الحر (گرمی) کے بعد والبرد (ٹھنڈ) محذوف ہے، یعنی اللہ نے تمہارے لیے ایسے لباس پیدا کیے جو تمہیں گرمی اور سردی دونوں موسموں سے بچاتے ہیں، مگر ذکر ایک کا کیا ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرَى أَوْ لَمْ تَنْفَعْ آپ نصیحت فرمائیں نصیحت فائدہ دے یا نہ دے، آپ کا کام یہی ہے۔

③ اس سے مراد آپ ﷺ کو نصیحت کرنے سے فائدہ اٹھانے کی طرف آمادہ کرنا تھا، جیسے کوئی آدمی کسی دوسرے کو حق سچ بتانے اور واضح کرنے کے بعد یوں کہے کہ اگر آپ یہ بات سمجھ لیں تو میں نے آپ کے سامنے بات کی وضاحت کر دی ہے، تو اس کی اس بات کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ بات کو قبول کر لے اور اس کی بات سے نفع اٹھالے۔

④ یہ طرزِ کلام اس کے قائم مقام ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ ان کافروں کو کسی قسم کی تذکیر و نصیحت فائدہ نہیں دے گی، جیسے کسی شخص کو کہا جائے کہ فلاں شخص اگر تجھے جواب دے تو اُسے بلالے اور میرا نہیں خیال کہ وہ تجھے کوئی جواب دے گا۔

⑤ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو بہت زیادہ اللہ کی طرف دعوت دی، جس قدر آپ ﷺ کی دعوت زیادہ ہوتی تھی ان لوگوں کی سرکشی اور تمرد بھی اسی قدر زیادہ ہوتا تھا، اس بات پر نبی کریم ﷺ کا دل پریشان ہوتا تھا، آپ ﷺ ان کی اس بے رخی سے کڑھتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ (ق: ۴۵) اور آپ ان کو جبراً مومن بنانے والے نہیں ہیں، لہٰذا آپ صرف ان ہی لوگوں کو قرآن مجید سے نصیحت کیجئے جو (عذاب آخرت کی) وعید سے ڈرتے ہوں۔

یعنی عام لوگوں کو نصیحت کرنا ابتداءً تو ضروری ہے لیکن بار بار اور پیہم صرف ان ہی لوگوں کو نصیحت کرنا ضروری ہے، جن کے حق میں نصیحت کرنا مفید ہو، اس لیے عبارت کو اس معنیٰ و مفہوم کے ساتھ یہاں مقید کیا گیا۔ (تفسیر کبیر للرازی)

ایک اور سوال یہاں یہ ہے کہ کسی حکم کے ساتھ کوئی شرط لگانا اس کے حق میں ٹھیک ہے جسے کام کے انجام کا علم نہ ہو، اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اسے معلوم ہے کہ کافروں کو یہ نصیحت فائدہ نہیں دے گی، پھر یہ شرط لگانا اس ذات عالی کے شایان شان کیسے ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغ اور پیغام بھیجنے کا حکم اور چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو عواقب امور اور مغیبات کا علم ہونا دوسری چیز ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر مبنی نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طه: ۴۴) آپ دونوں فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى: جو اللہ تعالیٰ سے تقوی اختیار کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے وہ نصیحت حاصل کرے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابن مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی) علامہ رازی رحمہ اللہ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَقَدْ يَذَّكَّرُ مَنْ يَرْجُوهُ، إِلَّا أَنَّ تذكرة الخاش أَبْلَغُ مِنْ تَذْكِرَةِ الرَّاجِي فَلِذَلِكَ عَلَّقَهَا بِالْخَشْيَةِ دُونَ الرَّجَاءِ، وَإِنْ تَعَلَّقَتْ بِالْخَشْيَةِ وَالرَّجَاءِ جو آدمی اس سے امید رکھتا ہے وہ بھی نصیحت حاصل کرتا ہے مگر ڈرنے والے کا نصیحت حاصل کرنا امید رکھنے والے کے نصیحت حاصل کرنے سے زیادہ بلیغ ہے، اس وجہ سے یہاں تذکرہ کو خشیت کے ساتھ معلق کیا ہے رجاء کے ساتھ معلق نہیں کیا۔

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وعظ و نصیحت ہر کسی کو کریں گے اگرچہ وعظ اسے نفع دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے لیکن آپ کو دعوت کا ثواب تو مل جائے گا۔

آخرت اور معاد کے بارے میں لوگوں کی تین اقسام ہیں ایک عارفین وہ جو دارِ آخرت اور اعمال کی جزاء و سزا کے یقینی طور پر قائل ہیں۔ دوم متوقفین وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد و شکی ہیں، یہ دونوں قسم کے لوگ ڈر جاتے ہیں، اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں، یہ لوگ عارف باللہ ہیں، اللہ کی کمال قدرتوں اور حکمتوں سے خوب آگاہ ہیں، سورۃ فاطر کی آیت ۲۸ میں ان لوگوں کو علماء کہا گیا ہے کہ اللہ کے بندوں میں ڈرنے والے علماء ہیں، اس لیے جب اللہ نے یہاں فرمایا کہ آپ ﷺ نصیحتیں کریں نصیحت فائدہ دیتی ہے تو اس سے یہ بات بہت اچھی طرح واضح اور ظاہر ہو گئی کہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ کون ہیں۔

جس کے دل میں خشیت الٰہی اور خوف خدا ہو گا وہی نصیحت حاصل کرے گا اور دلوں کے بھید اور رازہائے سربستہ اللہ ہی جانتا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اس لیے رسول کریم ﷺ دعوت

و تبلیغ، تذکیر ووعظ کا کام سب لوگوں میں کریں اور حصول مقصد کی طرف متوجہ رہیں، وعظ و نصیحت سے مقصود ان لوگوں کو نفع پہنچانا ہے جو اس نفع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، مگر یہ مقصود تب ہی حاصل ہو گا جب بالعموم بلا تخصیص یہ تذکیری اور دعوتی و تبلیغی مشن جاری وساری رہے۔

دوسری قسم کے لوگ اس وقت ڈرتے ہیں جب ان کے سامنے عذاب آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے، آخرت کا ذکر کیا جاتا ہے، یا دنیا میں کوئی آفات وبلیلات، مصائب و پریشانیاں، المناک واقعات اور حوادث سامنے آتے ہیں تو وہ بھی ڈر جاتے ہیں، ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔

تیسری قسم معاندین کی ہے جو منکر اور سخت معاند ہے، ڈھٹائی کرتا ہے، اس کو حالات وواقعات، حوادث وسوانح اثر نہیں کرتے، وہ ہر المیہ کے بعد مزید تکبر کا اظہار کرتا ہے، ہر جھنجوڑ کے بعد نئی سرکشی کا اظہار کرتا ہے، وہ خوشحالیوں کو اپنی دماغی اختراعات سے تعبیر کرتا ہے اور اکڑفوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى: اس نصیحت یا نجات سے بدبخت اور بڑا شقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشقی وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں، پھر اگر یہ کسی رسم وعادت یا کسی کی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کر لیا ہے تو یہ لاعلاج ہے، اس کے حق میں آیا ہے **لَا يَنفَعُ الْاٰيَاتُ وَالنُّذُرُ** اس جگہ اشقیٰ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر حقانی)

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى: اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں، ایک سے ایک بڑا، پس جو یہاں اشقیٰ یعنی بڑا شقی ہے اس کے لیے وہاں آگ بھی بڑی

ہے، یہی شقاوت آگ بن جاوے گی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب ناقابل برداشت سے موت رستگاری کر دیتی ہے، اسی لیے سخت مصائب وآلام میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آئے گی اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں ارواح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے، اس لیے جس طرح روح فناپذیر نہ ہو گی ابدان بھی نہ ہوں گے، وہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہو جائے گی جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ جب ان کی چمڑیاں جل جائیں گی تو ہم ان کی وہ والی چمڑیاں بدل دیں گے۔

وَلَا يَحْيَىٰ: اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہو گی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہو گی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔ ارباب تفسیر کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید، عتبہ اور ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ: جس نے تزکیہ اختیار کیا وہ کامیاب وکامران ہو گیا، امام تفسیر فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ تزکیہ کفر اور شرک کو چھوڑ کر اپنے باطن کو پاک صاف کرنا اور کفر کی تاریکی کو اپنے دل سے دور کر کے نور ایمان ایقان کے ساتھ اسے منور کرنے کا نام تزکیہ ہے، چونکہ یہاں تزکی مطلق ذکر کیا گیا ہے، تزکیہ کو مطلق ذکر کرنے سے مقصود اس کا فرد کامل مراد لینا ہے اور تزکیہ کا فرد کامل کفر وشرک کو دور کرنا ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان سے بھی ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تزکیہ کا معنیٰ لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ کی تفسیر میں فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دی اور یہ شہادت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وذکر اسم ربہ فصلی کی تفسیر میں فرمایا، یہ پانچ نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (مسند البزار، مجمع الزوائد)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کا باطن شرک سے اور ظاہر ہر نجاست سے اور مال زکوٰۃ نہ دینے کے میل سے اور دل یاد الٰہی کی غفلت سے اور ضمیر نفسانی عیوب سے اور اعضاء جسمانی گناہوں کے میل کچیل سے پاک ہو گیا، وہ کامیاب ہو گیا (مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ سے جس نے مالی کثافت کو دور کیا اور نماز سے ظاہری نجاست کو اور ذکر خداوندی سے دل کی کدورت کو اور نفس کو امراضِ نفسانیہ کی آلائش سے اور اعضاء جسم کو گناہوں کے گندگی سے دور کیا وہی نجات پا گیا۔ (تفسیر مظہری)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے ایمان کے ذریعے شرک سے پاکیزگی حاصل کی وہ کامیاب ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت میں چلا گیا، بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ کفر و شرک اور ہر قسم کے کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے دل کو صاف کر دینا تزکیہ کہلاتا ہے اس پر بہت سی قرآنی آیات دلالت کرتی ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰﴾ (المؤمنون)

ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں

تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو وارث ہوں گے۔ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں اس آیت کے ذیل میں بہت سی روایات نقل فرما کر اس کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس آیت میں تزکیہ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں مَن شَهِدَ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَخَلَعَ الأَندَادَ وَشَهِدَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے شریکوں کو چھوڑ دیا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (البزار)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ جس نے شرک سے تزکیہ اختیار کیا۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، درمنثور)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے تزکیہ کا مفہوم یہ بیان فرمایا کہ جس نے لا الہ اللہ کہا اس نے تزکیہ اختیار کیا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابو نعیم، درمنثور) حضرت عطاء تزکیہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ جس نے بہت زیادہ استغفار پڑھا اس نے تزکیہ اختیار کیا۔ (ابن ابی حاتم، درمنثور) حضرت قتادہ رحمہ اللہ تزکیہ کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ جو نیک عمل کرتا ہے وہ تزکیہ اختیار کرتا ہے۔ (عبد الرزاق، عبد ابن حمید، ابن ابی حاتم، درمنثور)

ایک روایت میں ہے کہ

أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَن يُّصَلِّيَ صَلَاةَ الْعِيدِ وَيَتْلُو هَذِهِ الْآيَةَ {قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى} وَفِي لَفْظٍ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زَكَاةِ الْفِطْرِ قَالَ: {قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكّٰى} فَقَالَ: هِيَ زَكَاةُ الْفِطْرِ نبی کریم ﷺ عید کی نماز پڑھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیتے تھے اور ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (مسند البزار، ابن ابی حاتم، امام بیہقی)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صدقہ فطر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى سے مراد صدقہ فطر ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا اپنا ذاتی عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ عید الفطر کے دن نماز عید کی ادائیگی کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے۔ (ابن مردویہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے۔ (ابن مردویہ) حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے مال کو پاک کیا اور جس شخص نے اپنے اخلاق سے اپنے باطن کو پاکیزہ کیا۔ (ابن جریر) حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے صدقہ کیا، پھر نماز پڑھی، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن ابی حاتم)

تزکیہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو باطل عقیدوں سے پاک رکھے اور بڑے گناہوں میں مبتلا نہ ہو، انتہائی عجز وانکساری، خشیت وللّٰہیت کے ساتھ اللہ کی بندگی اور پنجگانہ نماز بجالائے، اللہ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کرے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى: رب کا نام لینا، اللہ کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلق اور لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے، اس لیے بندہ اپنے رب کا نام لیتا ہے اس کو یاد کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور انہی چیزوں کی وجہ سے فرائض میں نماز سب سے اہم ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز اُم العبادات المقربہ ہے، یعنی تمام عبادات کی جڑ ہے، قرآن پاک میں ارشاد موجود ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ اگر کفار ومشرکین کفر اور شرک سے توبہ کرلیں نماز شروع کر دیں زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، ان کے ساتھ حالت جنگ ختم ہوگئی، گویا نماز اور جماعت المسلمین میں شمولیت کی نشانیاں ہیں، جو شخص ان عبادات پر کاربند ہے، اسے اپنی ہی جماعت کا رکن سمجھو اور جو نماز نہیں

پڑھتا زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ مسلمانوں کی پارٹی کا ممبر نہیں ہے، مقصد یہ کہ زکوٰۃ اور نماز اتنی اعلیٰ درجے کی عبادات ہیں کہ جماعت میں شمولیت کے لیے بمنزلہ شرط ہیں۔ تو فرمایا وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے نماز ادا کی اور نماز کے مقصد کو سمجھ گیا وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ یہ نماز بوجھل ہے، بڑا مشکل کام معلوم ہوتا ہے، مگر ان لوگوں کے لیے بڑی آسان چیز ہے، جن کے دل میں خوف خدا آگیا ہے، نماز ایک پر سرور عبادت ہے، جس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے، اس کے سامنے عاجزی اور مناجات ہے، خدا کے قرب کا ذریعہ ہے، اس میں قیام رکوع اور سجدہ ہے، قرآن پاک کی تلاوت ہے، یہ تمام چیزیں انسان کو اللہ سے قریب کرنے والی ہیں (معالم العرفان فی دروس القرآن)

برخلاف اس کے منافق کے لیے نماز بڑی ہی بوجھل عبادت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نمازیں منافق پر بڑی بوجھل ہیں، یعنی فجر اور عشاء کی نمازیں، عشاء کا وقت سونے کا وقت یا گپ شپ لگانے کا وقت ایسا ہوتا ہے، جس میں نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور منافق نماز کی خاطر بیدار نہیں ہو سکتا۔ (معالم)

مسند البزار کی ایک روایت کے مطابق یہاں نماز سے پنجگانہ نماز مراد ہے هِيَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْمُحَافَظَةُ عَلَيْهَا وَالِاهْتِمَامُ بِهَا یہ پانچ نمازیں ہیں، ان کی حفاظت کرنا اور ان کا اہتمام کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر) تفاسیر میں تزکی سے مراد صدقہ فطر بھی لیا گیا ہے، جو نماز عید سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى: تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو اور دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل ہے فانی ہے آخرت شریف ہے باقی ہے کوئی عاقل ایسا نہیں کر سکتا کہ فانی کو باقی کی جگہ اختیار کر لے اور اس فانی کے انتظام میں پڑ کر اس باقی کے اہتمام کو چھوڑ دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ، وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ، وَلَهَا یَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو اسے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بیوقوف ہیں۔ (مسند احمد)

حضرت عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ آثَرْنَا الدُّنْیَا عَلَی الْآخِرَةِ فَسَکَتَ الْقَوْمُ، فَقَالَ: آثَرْنَا الدُّنْیَا لِأَنَّا رَأَیْنَا زِینَتَهَا وَنِسَاءَهَا وَطَعَامَهَا وَشَرَابَهَا، وَزُوِیَتْ عَنَّا الْآخِرَةُ فَاخْتَرْنَا هَذَا الْعَاجِلَ وَتَرَکْنَا الْآجِلَ (طبری، تفسیر ابن کثیر، ابن جریر) سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی؟ لوگ خاموش رہے تو آپ نے پھر فرمایا کہ اس لیے کہ ہم دنیا کے گرویدہ ہوگئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا آخرت نظروں سے اوجھل ہے اس لیے ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس نظر نہ آنے والی سے آنکھیں پھیر لیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مَنْ أَحَبَّ دُنْیَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ، وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْیَاهُ، فَآثِرُوا مَا یَبْقَی عَلَی مَا یَفْنَی جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔ (تفسیر ابن کثیر، مسند احمد)

آخرت دنیا کی زندگی کے مقابلے میں بہت ہی بہترین اور باقی رہنے والی ہے، وہاں جوانی پر بڑھاپا نہیں آئے گا، وہاں پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، وہاں خوش وخرم رہا جائے گا، وہاں حالات وحوادث نہیں آئیں گے، وہاں محنت ومشقت نہیں ہوگی، وہاں بغض وحسد، کینہ اور کدورتیں نہیں ہوں گی، وہاں طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا، وہاں انسانی چاہت کے مطابق ہر چیز ملے

گی، ان کی خواہش پر جنت میں چیزیں حاضر کی جائیں گی، اللہ کا دیدار اور پیغمبر اسلام ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہو گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب ایک چھوٹی سی بات اس آیت کے متعلق عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ قرآن شریف میں دنیا کے ساتھ تو لفظ حیات لائے۔ مثلاً فرمایا الحیوۃ الدنیا اور آخرت کے ساتھ لفظ حیات نہ لائے یوں نہیں فرمایا و حیوۃ الآخرۃ خیر وابقی پر کیا بات ہے؟

سو اصل میں یہ بتلایا ہے کہ آخرت حیات ہی حیات ہے، وہاں ممات کا کچھ کام نہیں، پس اس میں حیات کا لفظ لانے کی ضرورت ہی نہیں، حیات آخرت تو جب کہا جائے گا جب کہ اس میں غیر حیات کوئی اور شئے بھی ہو، پس جب کہ حیات آخرت ایسی چیز ہے اور لوگ پھر بھی اس کی طلب نہیں کرتے، تو اب میں کہہ سکتا ہوں کہ لوگوں نے آخرت کو پہچانا ہی نہیں ورنہ اس کی طرف توجہ تام کرتے بلکہ دنیا کو بھی نہیں پہچانا ورنہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرتے، دنیا ہی کو پہچان لو، اسی کو سوچو، اگر اس کی پوری حقیقت سمجھو تو اس مردار کا نام بھی نہ لو، تم دنیا کے عاشق ہوئے ہو، ذرا اس کو دیکھو تو سہی۔

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی بدہئیت عورت نے پوڈر مل رکھا ہو اور دو چار چندھے اس پر عاشق ہو جاویں، دنیا کی بالکل ایسی حالت ہے۔ حقیقت میں دنیا کی ایسی مثال ہے، اسی واسطے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی ہے، بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقی کہ دنیا ایسی رذیل چیز کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت خیر اور ابقیٰ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کو ترجیح دینا یہ شکایت کی بات ہے نہ دنیا کو طلب کرنا، اسی لئے یوں ارشاد فرمایا بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا اور یہ نہیں فرمایا، بل تطلبون الدنیا آگے فرماتے ہیں والاخرۃ خیر و ابقی (یعنی تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو) حالانکہ آخرت خیر بھی ہے اور باقی بھی اس کو ترجیح دینا چاہیے نہ دنیا کو کیونکہ آخرت دو وجہ سے دنیا پر فضیلت رکھتی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ خیر یعنی بہتر ہے دنیا کے

محل سے، اعلیٰ درجہ کے باغ نہریں، بہتی ہوئی جن کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا نہایت شیریں غرض ہر نعمت اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ باقی ہوگی کہ یہ تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوں گی کبھی زائل نہ ہوں گی۔ تندرستی ایسی کہ کبھی سر میں درد تک نہ ہوگا۔(اشرف التفاسیر)

بعض اہل تفسیر نے آخرت کا دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی اور بہتر ہونے کی چند وجوہات بیان فرمائی ہیں ① آخرت جسمانی اور روحانی سعادتوں پر مشتمل ہے جب کہ دنیا میں صرف دنیاوی لذتیں ہیں۔ ② دنیا کی لذتیں مصیبت اٹھانے کے بعد ملتی ہیں اور آخرت کی لذتیں ابتدا ہی میں ملتی ہیں۔ ③ دنیا کی لذتوں کے ساتھ یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ یہ لذتیں کسی وقت بھی زائل ہو سکتی ہیں۔ ④ دنیا کی لذتیں فانی ہیں اور آخرت کی لذتیں باقی ہیں۔(تبیان القرآن)

إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى: یہ بات یقیناً پچھلے (آسمانی) صحیفوں میں بھی درج ہے۔ یہاں اسم اشارہ ھذا ہے، اس کے مشارٌ الیہ میں اختلاف ہے کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے؟ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ پوری سورۃ الاعلیٰ اس کا مشار الیہ ہے، کیونکہ یہ سورۃ اللہ کی توحید، نبوت، اللہ کا انکار کرنے پر وعید، اور اللہ کی اطاعت کرنے پر جنت کے وعدوں پر مشتمل ہے۔(تفسیر کبیر للرازی)

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس کا اشارہ **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** کی طرف ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر اس چیز سے پاک وصاف رکھے جو اس کے لیے مناسب اور شایان شان نہیں ہے، قوت نظریہ میں تمام عقائد فاسدہ سے اور قوت عملیہ میں تمام برے اخلاق سے اسے پاک ہونا چاہیے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ میں اشارہ ہے کہ انسان اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت سے تاباں اور منور کرے۔ **فَصَلّٰى** میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے اعضاء جسمانیہ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت سے مزین ومرصع کرے۔ **بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا** میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زیب وزینت میں مست ومگن ہو کر اللہ کی بندگی، عبادت اور اطاعت سے غافل نہ

ہو جائے۔ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى اس میں انسان کو اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ آخرت کی زندگی میں اپنی توجہات مرکوز کرے، کیونکہ وہ ایسا جہان ہے جو بہترین ہے اور باقی رہنے والا ہے، دنیا میں کار خیر اور اطاعت کے باعث اللہ وہاں اجر وثواب عطا کرے گا۔

یہاں جن جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے یہ ضروری نہیں کہ شریعتوں کے بدلنے کی وجہ سے ان باتوں میں کوئی تبدیلی آئی ہو، یہ وہ چیزیں ہیں جو سب شریعتوں میں یکساں تسلیم کی جاتی ہیں اور پہلے سے چلتی آئی ہیں، پرانی کتابوں میں بھی ان باتوں کا ذکر موجود تھا اور اس کتاب اور شریعت میں بھی ان باتوں کا ذکر موجود ہے، اسی لیے فرمایا کہ یہ باتیں جو یہاں بیان کی جارہی ہیں پہلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں اور موسیٰ کے صحیفوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ھذا کا مشار الیہ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ہے کیونکہ اشارہ اس کی طرف ہوتا ہے جو سب سے زیادہ قریب ذکر کیا گیا ہو، اور قریب ترین جو بات ذکر کی گئی ہے وہ یہی آیت ہے۔

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى: اس سورت میں بیان کردہ جملہ مضامین یا آخرت کا دنیا کے مقابلے میں بہتر اور سدا باقی رہنے والا مضمون پہلی کتابوں میں بھی تھا، خاص کر کے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفے تو ان مضامین سے خالی نہیں تھے۔

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں حضرت ابوذر غفار رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے تھے اور کیا تھے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ كَانَتْ أَمْثَالًا كُلُّهَا: أَيُّهَا الْمَلِكُ الْمُتَسَلِّطُ الْمُبْتَلَى الْمَغْرُورُ، إِنِّي لَمْ أَبْعَثْكَ لِتَجْمَعَ الدُّنْيَا بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَكِنْ بَعَثْتُكَ لِتَرُدَّ عَنِّي دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ. فَإِنِّي لَا أَرُدُّهَا وَلَوْ كَانَتْ مِنْ فَمِ كَافِرٍ ان صحیفوں میں امثال عبرت کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے

مغرور مبتلی میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے بلکہ میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے سونپا تھا کہ تو مظلوم کی بد دعا مجھ تک نہ پہنچنے دے کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔

اور ایک مثال میں عام لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا کہ وَعَلَى الْعَاقِلِ أَنْ يَكُونَ لَهُ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ: سَاعَةٌ يُنَاجِي فِيهَا رَبَّهُ، وَسَاعَةٌ يُحَاسِبُ فِيهَا نَفْسَهُ، يُفَكِّرُ فِيهَا فِي صُنْعِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ، وَسَاعَةٌ يَخْلُو فِيهَا لِحَاجَتِهِ مِنَ الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ اپنے رب کی عبادت اور اس سے مناجات کا ہو، دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبے کا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت وصنعت میں غور وفکر کا، تیسرا حصہ اپنی ضروریات معاش حاصل کرنے اور طبعی ضرورتیں پورا کرنے کا۔

اسی کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وَعَلَى الْعَاقِلِ أَلَّا يَكُونَ ظَاعِنًا إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: تَزَوُّدٍ لِمَعَادٍ، وَمَرَمَّةٍ لِمَعَاشٍ، وَلَذَّةٍ فِي غَيْرِ مُحَرَّمٍ. وَعَلَى الْعَاقِلِ أَنْ يَكُونَ بَصِيرًا بِزَمَانِهِ، مُقْبِلًا عَلَى شَأْنِهِ، حَافِظًا لِلِسَانِهِ. وَمَنْ عَدَّ كَلَامَهُ مِنْ عَمَلِهِ قَلَّ كَلَامُهُ إِلَّا فِيمَا يُعِينُهُ دانش مند پر لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کے سوا کسی کے لیے سفر نہ کرے آخرت کے لیے زادِ راہ، زندگی کو بہتر بنانے کے لیے حلال چیز میں لذت پانے کے لیے، دانش مند پر یہ بھی لازم ہے وہ اپنے زمانہ پر نظر رکھتا ہو اپنی حالت کی طرف متوجہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو، جو آدمی زبان کو بھی اپنے اعمال میں شمار کرتا ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے مگر جو اس کے لیے معاون ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صحف موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں جن میں سے چند کلمات یہ ہیں، عَجِبْتُ لِمَنْ أَيْقَنَ بِالْمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ! وَعَجِبْتُ لِمَنْ أَيْقَنَ بِالْقَدَرِ كَيْفَ يَنْصَبُ. وَعَجِبْتُ لِمَنْ رَأَى الدُّنْيَا وَتَقَلُّبَهَا بِأَهْلِهَا كَيْفَ يَطْمَئِنُّ إِلَيْهَا! وَعَجِبْتُ لِمَنْ أَيْقَنَ

بِالْحِسَابِ غَدًا ثُمَّ هُوَ لَا يَعْمَلُ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش رہتا ہے؟ اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کیسے عاجز و درماندہ اور غمگین ہو؟ اور مجھے تعجب ہے، اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات اور لوگوں کے عروج و نزول کو دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہو بیٹھتا ہے؟ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہو وہ کیسے عمل کو چھوڑ بیٹھتا ہے؟

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ان صحیفوں میں سے کوئی چیز آپ کے پاس آنیوالی وحی میں بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر ہاں! یہ آیتیں پڑھو

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ۝ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى ۝ الاعلیٰ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں، میں نے کہا: بہت اچھے ہیں، میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی، پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم، شیث اور خنوخ، یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے بوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اصفہانی، تبیان القرآن)

حو دمل لن حو دمل آج سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میرے رب کریم نے پایہ تکمیل تک پہنچائی ہے، کافی دنوں سے تفسیر کا کام موقوف تھا، اس کی ایک وجہ تو یہ بنی کہ میرے چھوٹے بھائی حاجی ہارون الرشید عباسی کام کے دوران گرے اور انہیں سخت دماغی چوٹ آئی، وہ پندرہ دن تک پمز ہسپتال اسلام آباد میں بے ہوش رہے، زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ۳مارچ ۲۰۲۰ء شب کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے، ہسپتال میں مصروف رہنے کی وجہ سے ادھر توجہ نہیں دی جا سکی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کل پوری دنیا میں کرونا وائرس کی وباء بری طرح پھیل چکی ہے، پاکستان بھی اس کی لپیٹ میں ہے، اس وقت جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں دنیا کے ایک سو دو ملکوں سے یہ وباء تجاوز کر چکی ہے، چین سے شروع ہونے والی یہ وباء اس وقت امریکی ایوانوں میں ہل چل پیدا کر چکی ہے، اٹلی فرانس اور دنیا کے بڑے بڑے ممالک اس وباء کی لپیٹ میں ہیں اور ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ کسی طرح اس وباء کی قہرمانی سے جان بخشی ہو جائے، مگر نہیں بچ پا رہے، ایک وقت کوئی نو لاکھ سے اوپر لوگ اس وباء سے متاثر ہو چکے ہیں اور چھیالیس ہزار کے قریب مر چکے ہیں (اب جب میں اس تفسیر کی حروف بینی کر رہا ہوں اس وقت ساڑھے نو لاکھ تک لوگ کرونا وباء کی وجہ سے مر چکے ہیں، دو کروڑ سے اوپر صحت یاب ہو چکے ہیں)۔

اس وباء کا شکار ہونے والا شخص جب مرتا ہے تو اس کی میت کو پاک کرنے، اس کا جنازہ پڑھنے اور قبر کھودنے کی ترتیب بھی نہیں ہے، گڑھا کھودا جاتا ہے، میت کو لپیٹا جاتا ہے، رسیوں سے باندھا جاتا ہے اور گڑھے میں اتار کر اوپر سے مشینوں کے ذریعے مٹی ڈال دی جاتی ہے، پوری دنیا میں افراتفری ہے، لوگ کئی دنوں سے گھروں میں قید ہیں، کسی کو باہر نکلنے کی سرکاری طور اجازت نہیں ہے۔

اس وباء کے اثرات عرب و عجم میں پائے جاتے ہیں، مکہ اور مدینہ کی بڑی چھوٹی تمام مساجد نمازوں اور جمعہ اجتماعات کے لیے بند کر دی گئی ہیں، عرب اذانوں میں حی علی الصلاۃ کی بجائے صلوا فی بیوتکم کی صدائیں دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس وباء سے ساری دنیا کے لوگوں کو نجات عطا فرمائے اور ہم سب کی کوتاہ اعمالیوں سے صرف نظر فرمائے اور ہم سب کو معاف کر دے اور ایسے کام کرنے کی توفیق دے جس سے اللہ راضی ہو جائے۔ آمین

خادم اسلام محمود الرشید عباسی حدوٹی

۲۔اپریل ۲۰۲۰ء بروز جمعرات، رات ساڑھے تین بجے

حروف بینی: ۲۷ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار، بوقت ڈیڑھ بجے شب

الغاشیہ

قیامت، جہنم، جنت، منکرین

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۘ{۱}وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ {۲}عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ{۳}تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ{۴}تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۗ{۵}لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ {۶}لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ{۷}وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ {۸}لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ {۹}فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ {۱۰}لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً {۱۱}فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ {۱۲}فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ {۱۳}وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ {۱۴}وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ {۱۵}وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ {۱۶}اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ {۱۷}وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ {۱۸}وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ {۱۹}وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ {۲۰}فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ {۲۱}لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ {۲۲}اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ {۲۳}فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ {۲۴}اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ {۲۵}ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ {۲۶}الغاشیۃ

جواب ترجمہ: کیا آپ کو اس واقعے (یعنی قیامت) کی خبر پہنچی ہے جو سب پر چھا جائے گا؟ بہت سے چہرے اس دن اترے ہوئے ہوں گے۔ مصیبت جھیلتے ہوئے، تھکن سے چور۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔ ان کے لیئے ایک کانٹے دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہو گا۔ جو نہ جسم کا وزن بڑھائے گا اور نہ بھوک مٹائے گا۔ بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے۔ (دنیا میں) اپنی کی ہوئی محنت کی وجہ سے پوری طرح مطمئن۔ عالیشان جنت میں ہوں گے۔ جس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اس میں اونچی اونچی نشستیں ہوں گی۔ اور سامنے رکھے ہوئے پیالے۔ اور قطار میں لگائے ہوئے گداز

تکیے۔ اور بچھے ہوئے قالین۔ تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟ اور آسمان کو کہ اسے کس طرح بلند کیا گیا؟ اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا؟ اور زمین کو کہ اسے کیسے بچھایا گیا؟ اب (اے پیغمبر) آپ نصیحت کیے جائیں۔ آپ تو بس نصیحت کرنے والے ہیں، آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لیے مسلط نہیں کیا گیا، ہاں مگر جو کوئی منہ موڑے گا، اور کفر اختیار کرے گا، تو اللہ اس کو بڑا زبردست عذاب دے گا۔ یقین جانو ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

سورۃ الغاشیہ کے آغاز میں لفظ ھل استعمال فرمایا گیا ہے جو قد کے معنیٰ میں ہے جیسے سورۃ الدھر کے شروع میں بھی لفظ ھل قد کے معنیٰ میں ہے، ارشاد فرمایا هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الدھر) یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہیں تھا۔

اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں معنیٰ یہ ہے کہ اے محمد! یقیناً آپ کے پاس قیامت کی خبر آچکی ہے جو اپنی ہولناکیوں کے ساتھ مخلوقات پر چھا جائے گی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الغاشیہ سے مراد آگ ہے جو کفار کے مونہوں تک جا پہنچے گی۔

قرآن کریم کی سورۃ ابراہیم میں ایک آیت ہے جس سے ترجمہ کی تائید ہوتی ہے، ارشاد ہے وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم) آگ ان کے چہروں پر چھا جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ غاشیہ کا معنیٰ مخلوقات پر چھا جائے گی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے لیے پھونکا جائے گا کیونکہ وہ تمام مخلوقات پر غالب آجائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ غاشیہ سے مراد جہنمی لوگ ہیں جو اس پر چھا جائیں گے اور اس میں داخل ہو جائیں گے، ایک قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ کے لیے بطور استفہام استعمال کیا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے اگر آپ تک غاشیہ کی خبر نہیں پہنچی تھی تو اب وہ آپ تک پہنچ چکی ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غاشیہ

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس لیے کہ وہ سب پر آئے گی سب کو گھیرے ہوئے ہو گی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی۔(تفسیر ابن کثیر)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہی آیت هل أتٰك پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا نَعَم قَدْ جَآءَنِی یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے۔(ابن ابی حاتم، ابن کثیر)

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے بارے میں آگاہ کر دیا، يَوْمَئِذٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔

خَاشِعَةٌ سے مراد عذاب کے ساتھ ذلیل کرنا ہے ہر کمزور پست ہمت عاجزی کرنے والا ہوتا ہے، عرب محاورے میں خَشَعَ فِي صَلَاتِهِ جب بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے نماز میں سر جھکایا اور عاجزی کا اظہار کیا، قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اسی معنیٰ میں یہ الفاظ ہیں وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ آوازیں رحمان کے سامنے پست ہو جائیں گی۔

وجوہ (چہروں) سے مراد اصحاب وجوہ یعنی چہروں والے ہیں حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آگ میں عاجز و ذلیل ہوں گی، یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام کفار کے وجوہ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے چہرے ہیں کہ وہ دنیا میں تھکے ماندے ہوں گے کیونکہ دارِ آخرت عمل کا مکان نہیں پھر اس آیت کا معنیٰ یہ ہو گا وہ دنیا میں مشقت میں مبتلا اور تھکے ماندے ہوں گے، وہ آخرت میں ذلیل رسوا ہوں گے۔

علماء لغت نے کہا، جب ایک آدمی لگاتار مصروف کار رہے تو کہتے ہیں، قَدْ عَمِلَ يَعْمَلُ عَمَلًا،

اسی طرح وہ بادل جو لگاتار چمکتا رہے اس کے لیے کہتے ہیں، قَدْ عَمِلَ يَعْمَلُ عَمَلًا۔

نَاصِبَةٌ: تھکے ماندے، نَصَبَ يَنْصِبُ نَصْبًا کا معنی ہے وہ تھک گیا أَنْصَبَه غَيْرَه، اسے کسی دوسرے نے تھکا دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، هُمُ الَّذِينَ أَنْصَبُوا أَنْفُسَهُمْ فِي الدُّنْيَا عَلَى مَعْصِيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَعَلَى الْكُفْرِ، مِثْلُ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ، وَكُفَّارُ أَهْلِ الْكِتَابِ مِثْلُ الرُّهْبَانِ وَغَيْرِهِمْ، لَا يَقْبَلُ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ مِنْهُمْ إِلَّا مَا كَانَ خَالِصًا لَّهُ (قرطبی) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر میں تھکا دیا جیسے بت پرست اور اہل کتاب میں سے راہب وغیرہ، اللہ تعالیٰ ان سے کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا مگر جو اس کے لیے خالص ہوتا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ کا معنیٰ یوں بیان فرماتے ہیں کہ تَكَبَّرَتْ فِي الدُّنْيَا عَنْ طَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَأَعْمَلَهَا اللهُ وَأَنْصَبَهَا فِي النَّارِ بِجَرِّ السَّلَاسِلِ الثِّقَالِ، وَحَمْلِ الْأَغْلَالِ، وَالْوُقُوفِ حُفَاةً عُرَاةً فِي الْعَرَصَاتِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (قرطبی) اس سے مراد ہے دنیا میں اس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے تکبر کیا اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم میں کام میں لگا دیا اور اسے تھکایا کہ وہ بھاری بیڑیاں کھینچتے ہیں طوق اٹھاتے ہوئے وہ میدان محشر میں ننگے پاؤں کھڑے ہیں جس میں ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ لَمْ تَعْمَلْ لِلهِ فِي الدُّنْيَا، وَلَمْ تَنْصَبْ لَهُ، فَأَعْمَلَهَا وَأَنْصَبَهَا فِي جَهَنَّمَ. دنیا میں انہوں نے کوئی کام اللہ کے لیے نہیں کیا، نہ اس کے لیے تھکے، چنانچہ اس نے انہیں جہنم میں کام میں لگا دیا اور جہنم میں تھکا دیا۔ کلبی اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ يُجَرُّونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ فِي النَّارِ انہیں منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔

حضرت کلبی رحمہ اللہ اور دوسرے اہلِ علم کا یہ فرمانا ہے کہ يُكَلَّفُونَ ارْتِقَاءَ جَبَلٍ مِنْ حَدِيدٍ فِي جَهَنَّمَ، فَيَنْصَبُونَ فِيهَا أَشَدَّ مَا يَكُونُ مِنَ النَّصَبِ، بِمُعَالَجَةِ السَّلَاسِلِ وَالْأَغْلَالِ

سَوَالْخَوْضِ فِي النَّارِ، كَمَا تَخُوضُ الْإِبِلُ فِي الْوَحْلِ، وَارْتِقَائِهَا فِي صُعُودٍ مِنْ نَارٍ، وَهُبُوطِهَا فِي حُدُورٍ مِنْهَا جہنم میں انہیں لوہے کے پہاڑ پر چڑھنے کا مکلف بنایا جائے گا تو وہ بیڑیوں اور طوقوں اور آگ میں داخل ہونے کی وجہ سے جو مشقت اٹھاتے ہیں اس سے زیادہ تھکیں گے وہ آگ میں یوں دھنس جائیں گے جس طرح اونٹ کیچڑ میں دھنس جاتا ہے اور وہ آگ کے پہاڑ پر چڑھیں گے اور اس سے نیچے اتریں گے اس کے علاوہ انہیں عذاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے، جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام آئے تو ایک بوڑھا پراگندہ حال راہب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو آپ رونے لگے اس نے پوچھا اے امیر المومنین! کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ فرمایا اس مسکین نے ایک امر کو طلب کیا تو اسے نہ پایا ایک امید کی تو اس میں غلطی کی پھر اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً: ان چہروں کو آگ کی تپش اور لپک پہنچے گی، حامِيَةً سے مراد سخت گرم ہے یعنی اسے طویل مدت تک روشن کیا گیا اور جلایا گیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جس کو تم جلاتے ہو) دوزخ کی آگ کا ستر ھواں حصہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا (جلانے کو تو) یہی بہت ہے، آپ نے فرمایا (وہاں اس کے باوجود) دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ گرمی میں ۶۹ درجہ بڑھی ہوئی ہے۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ: کافروں کے لیے بھڑکائی اور جلائی جانے والی غضب ناک آگ سے اللہ کی پناہ جب یہ لوگ اس میں جلیں گے سڑیں گے تو ان کے اندر تک اس کے اثرات پہنچیں گے، انہیں شدت کی پیاس ستائے گی، تشنگی کے عالم میں یہ لوگ پانی مانگیں گے، انہیں یہ خیال ہو گا کہ شاید پانی پینے سے اندرونی گرمی اور حدت ختم ہو جائے گی، ان کی چیخ وپکار پر انہیں پانی پیش کیا جائے گا جو کھولتے اور ابلتے ہوئے چشمہ کا پانی ہو گا اس گرم ترین پانی کو پیتے ہیں ان کے ہونٹ جل جائیں

گے، آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی، پھر تر ت سے ٹھیک بھی ہو جائیں گی، یہ عذاب ان کا ختم ہونے والا نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ ہوتا رہے گا، جہنم کے اس کھولتے ہوئے پانی کا اگر ایک قطرہ دنیا کے پہاڑوں پر انڈیلا جائے تو یہ پہاڑ پگھل جائیں۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ: دوزخیوں کو اگر پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو کھانے کے لیے اس سے بھی بدترین چیز پیش کی جائے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے لیے کوئی کھانا سوائے کانٹے دار جھاڑی کے نہ ہو گا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش کی لغت میں ضریع کو موسم بہار میں شبرق کہتے ہیں جس کا معنی ہے کانٹے دار جھاڑی اور گرمی کے موسم میں ضریع کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ضریع سے مراد زقوم کا درخت ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ حَتَّى يَعْدِلَ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ {مِنْ ضَرِيعٍ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ}** دوزخ والوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اس عذاب کے مشابہ ہو جائے گی جس میں وہ مبتلا ہوں گے وہ کھانے کی فریاد کریں گے تو ان کو وہ کھانا دیا جائے گا جو ضریع ہے جس کے بارے میں فرمایا آیت **مِن ضَرِيعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ** کانٹے دا جھاڑی میں سے جو نہ فربہ کرتی ہے اور نہ بھوک کو دور کرتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ **لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ** کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **شَيْءٌ يَكُونُ فِي النَّارِ شِبْهَ الشَّوْكِ أَمَرُّ من الصَّبِرِ وَأَنْتَنُ مِنَ الْجِيفَةِ وَأَشَدُّ حَرًّا مِّنَ النَّارِ سَمَّاهُ اللهُ الضَّرِيعَ إِذَا طَعِمَهُ صَاحِبُهُ لَا يَدْخُلُ الْبَطْنَ وَلَا يَرْتَفِعُ إِلَى الْفَمِ فَيَبْقَى بَيْنَ ذٰلِكَ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ** (ابن مردویہ، در منثور)

دوزخ میں کانٹے کی شکل کی ایک چیز ہو گی جو ایلوا سے زیادہ کڑوی اور بدبو دار لاش سے زیادہ بدبو دار ہو گی اور آگ سے زیادہ گرم ہو گی اس کا نام اللہ تعالیٰ نے ضریع رکھا ہے جب دوزخی اس کو کھائے گا تو پیٹ میں داخل نہیں ہو گی اور نہ ہی منہ کی طرف اوپر آئے گی اور درمیان میں ہی باقی رہ جائے گی اور نہ بھوک دور کرے گی۔ ابن قفال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دوزخیوں کو اس طرح کا پانی اور اس طرح کا کھانا پیش کرنے کا مقصد ان کی انتہائی درجے کی ذلت بیان کرنا ہے۔

جہنم میں دوزخیوں کو کیا کھلایا اور کیا پلایا جائے گا اس بارے میں قرآن کریم میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں، کہیں ضریع، کہیں غسلین، کہیں زقوم، کہیں حمیم یہ الگ الگ تعبیرات دوزخیوں کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہیں، کسی کو ضریع اور کسی کو غسلین، کسی کو حمیم اور کسی کو زقوم پیش کیا جائے گا۔

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ: ضریع کو کھانے والا موٹا نہیں ہو گا جو کانٹے کھاتا ہے وہ کیسے موٹا ہو گا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ہمارے اونٹ تو ضریع کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی انہوں نے جھوٹ بولا کیونکہ اونٹ اسے اس وقت کھاتا ہے جب وہ تر ہو جب وہ خشک ہو جائے تو اسے نہیں کھاتا، ایک قول یہ کیا گیا ہے ان پر اس کا معاملہ مشتبہ ہو گیا انہوں نے اسے گمان یہ کیا کہ یہ بھی دوسری نفع مند چیزوں جڑی بوٹیوں کی طرح ہے کیونکہ مضارعۃ کا معنی مشابہت ہے انہوں نے اسے پایا کہ وہ نہ موٹا کرتی ہے اور نہ ہی بھوک مٹاتی ہے۔ (قرطبی)

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ: اہل ایمان کے چہروں پر بروز محشر بشاشت و رونق ہو گی، وہ بارونق اور تر و تازہ ہوں گے، سورۃ المطففین میں بھی اہل ایمان کے ان پر رونق چہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ان کے چہروں میں نعمتوں کی تر و تازگی اور رونق کو پہچان لو گے۔

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ: اہل ایمان اپنے نیک اعمال پر خوش و خرم ہوں گے، انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کرنے کی جو کوشش اور جد و جہد کی تھی، اس پر ان کی تعریف کی جائے گی، کیونکہ ان ہی نیک اعمال کی

وجہ سے ان کو آخرت میں اچھی جزاء حاصل ہو گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے کیا خوب عمل کیے تھے اور جب ان کے نیک اعمال کی تعریف کی جائے گی تو وہ خوش اور راضی ہوں گے، اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب وہ اپنے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتیجے میں بہت عظیم ثواب کا مشاہدہ کریں گے تو وہ بہت خوش اور راضی ہوں گے۔ (تبیان القرآن)

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ: اہل ایمان بلند جنت میں ہوں گے، اس بلندی سے ایک مراد یہ ہو سکتی ہے کہ وہ جنت مسافت میں بلند ہو گی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت شرف اور مرتبہ میں بلند ہو گی، کیونکہ جنت کے بعض درجات بعض دوسرے درجات سے اعلیٰ ہوں گے، عطاء نے کہا: دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً: جنت ایسی بہترین اور پر فضا جگہ ہو گی جہاں کوئی شخص کسی سے بے ہودہ، لایعنی بے مقصد اور بے تکی بات نہیں سنے گا، سورۃ مریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں کسی کی کوئی لغو، فضول اور بے ہودہ بات نہیں سنیں گے، وہ کوئی فضول بات کرے گا ہی نہیں۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ: جنت ویسے ہی بہت خوبصورت ہو گی، اس کی سرسبزی اور شادابی ہی اہل جنت کو ورطہ حیرت میں ڈال رہی ہو گی، پھر اس میں جاری چشمے، آبشاریں اور پانی کے جھرنے سب ہی اس کے حسن و جمال، دلکشی اور دلربائی میں اضافہ کرتے چلے جائیں گے، جنت میں جاری چشمے اہل جنت کی توجہات اپنی طرف کھینچ رہے ہوں گے۔

فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ: جنت والوں کے بیٹھنے کے لیے اونچے تخت ہوں گے اور یہ تخت ہوا میں بلند ہوں گے، تاکہ اہل ایمان جب ان تختوں پر براجمان ہوں تو ان تمام چیزوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی نعمتیں عطا فرمائیں۔

حضرت خارجہ بن مصعب رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بلند کر دے گا، جب اللہ کا کوئی ولی اس پر بیٹھنے کے لیے آئے گا تو یہ اس کے لیے جھک

جائے گا، جب وہ اس پر بیٹھ جائے گا تو اللہ اسے جہاں چاہے گا بلند کر دے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ تخت سونے کے ہوں گے، زمرد کی طرح کے قیمتی پتھروں، موتیوں اور یاقوت کا جڑاؤ ہو گا۔

وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ: اکوابٌ کوبٌ کی جمع ہے۔ کوب اور کپ ایک ہی چیز ہے، یہ پیالے، آب خورے، جام سب کے لیے آتا ہے۔

مَوْضُوعَةٌ: کے معنی ہیں قرینہ سے رکھے ہوئے، ترتیب اور سلیقے سے رکھے ہوئے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت کے لیے یہ جام اس طرح رکھے ہوئے ہیں جیسے کوئی آدمی کسی سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو وہ اسے اسی لمحے کہہ دیتا ہے کہ یہ لو یہ ہے تمہاری مطلوبہ چیز، گویا وہ چیز اس نے پہلے ہی سے تیار کر کے رکھی ہوئی تھی۔

دوسری بات ان جاموں سے متعلق یہ ہے کہ یہ بہتے چشموں کے کناروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب بھی کوئی اس چشمہ سے پینا چاہے گا تو ان کو شراب سے بھرا ہوا پائے گا۔ تیسری بات یہ ہے یہ جام بھرے ہوئے ان کے سامنے رکھے ہوں گے کیونکہ ایسا انداز انہیں اچھا لگتا ہو گا، یہ جام سونے، چاندی اور جواہرات سے تیار شدہ ہوں گے، پھر ان میں جو کچھ بھی ہو گا اس سے لذت حاصل کریں گے۔ چوتھی بات یہ کہ جام درمیانی سائز کے ہوں گے نہ چھوٹے اور نہ بڑے۔

وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ: نمارق نُمرقہ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے گاؤ تکیے قالین غالیچے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں گے، جنتی جب اور جہاں چاہے گا ان پر بیٹھے گا، چاہے تو ایک پر بیٹھے اور دوسرے پر ٹیک لگائے۔

وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ: زرابی جمع ہے زربیۃ کی یہ تکیوں اور نہالچوں کے معنی میں آتا ہے یعنی قالینوں پر تکیے اور نہالچے ہر طرف بکھرے پڑے ہوں گے، بیٹھنے والا جہاں بیٹھے وہ اس کے لیے آسائش کا باعث ہوں گے، آج صوفوں کا دور ہے لیکن ان پر بھی گدیاں اور تکیے رکھنے کا رواج ہے۔ (تدبر)

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ: منکرین قیامت اور روز حساب کو قرآن کریم اپنے انداز میں راہ راست پر لانے کے لیے ہر طرح کے دلائل پیش کرتا ہے، ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی یہاں لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو آفاق کی بعض نہایت نمایاں نشانیوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ انہیں اگر قیامت کی ہر بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اور وہ بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا وقوع پذیر ہونا ممکن نہیں، تو سوال یہ ہے کہ جب وہ اپنے گرد و پیش میں آفاق کی نشانیاں دیکھتے ہیں اگر وہ ان کے سامنے موجود نہ ہوتیں اور انہیں کہا جاتا کہ ایسا ہوا ہے یا ہوگا تو یہ کبھی اسے تسلیم نہ کرتے، لیکن اب جبکہ وہ وجود میں آچکی ہیں تو انہیں ان کے ہونے پر کوئی اعتراض نہیں، مگر جو چیزیں ان کے تجربے اور مشاہدے میں ابھی نہیں آئی ہیں ان کے بارے میں وہ بے تکلف فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ان کا ہونا ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ ایسی ہی نشانیوں میں سے چار نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن میں سے سب سے پہلے اونٹ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اس کے بعد آسمان کی طرف، پھر پہاڑوں کی طرف اور آخر میں زمین کی طرف، سبب ان کی طرف توجہ دلانے کا یہ ہے کہ یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تقریباً عرب میں رہنے والے ہر شخص کا سابقہ پڑتا ہے، مثلاً اس ماحول میں رہنے والا کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کے پاس اپنا اونٹ نہ ہو، جب وہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا تھا تو سر پر اسے آسمان کی تنی ہوئی چھت دکھائی دیتی تھی اور اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے پہاڑ نظر آتے تھے اور نیچے زمین بچھونے کی طرح بچھی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

چنانچہ انہی باتوں کی طرف جو ہر شخص کا روز کا معمول تھیں توجہ دلاتے ہوئے سب سے پہلے اونٹ کا ذکر فرمایا کہ کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح بنایا گیا؟ اور کیسا بنایا گیا ہے؟ اور کن صفات و خصوصیات کے ساتھ اسے پیدا کیا گیا ہے؟

اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور طویل قد و قامت رکھتا ہے اور نہایت طاقتور ہے، لیکن اللہ

تعالیٰ نے اس کی ضروریات کو اس طرح کا بنایا ہے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اس کو رکھنے میں دشواری محسوس نہیں کرتا، مالک اگر اسے چارہ خرید کر نہیں ڈال سکتا تو وہ اسے چھوڑ دے وہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا، اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت کرنے کی بھی ضرورت نہیں، یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارا کر لیتا ہے۔

اپنی تمام جسامت اور طاقت کے باوجود اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے جہاں چاہو لے جاؤ، وہ بے چون وچرا اپنے مالک کی اطاعت کرتا ہے، اتنا وفادار ساتھی ہے کہ حضر میں، سفر میں اور صحرا میں ہر جگہ اپنے مالک کا ساتھ دیتا اور سفینے کی طرح اس کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

عرب میں پانی بہت کم ہوتا ہے، قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزرو ٹینکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹینکی میں محفوظ کر لیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ پانی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے، اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لیے سیڑھی نہیں لگانا پڑتی بلکہ قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے ہیں کہ جب وہ تہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اترنا آسان ہو جاتا ہے، کسی بڑی سے بڑی مشقت سے بھی انکار نہیں کرتا، اس کا گوشت پوست دودھ ہر چیز مالک کے کام آتی ہے، یہاں تک کہ اس کا بول وبراز بھی رائیگاں جانے والی چیز نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اتنے گوناگوں فوائد اور مصالح کے ساتھ یہ جانور آپ سے آپ پیدا ہو گیا اور انسان نے اس کو اتفاق سے پکڑ کر اپنے لیے ساز گار بنا لیا ہے؟ یا رب کریم نے اپنی قدرت یا حکمت سے اس کو پیدا کیا اور اس کو انسان کی خدمت میں لگا دیا، ظاہر ہے کہ عقل اس دوسری بات ہی کی گواہی دیتی ہے اور اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا انسان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار بن کر زندگی گزارے جس نے اس کے لیے بغیر کسی استحقاق کے زندگی کی یہ آسائشیں فراہم کی ہیں، ورنہ ایک دن اپنے رب کے آگے جوابدہی اور اپنے کفرانِ نعمت کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہے۔ (تفسیر روح القرآن)

وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ: اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دیکھو اسے کیسے بلند کیا گیا اور کیسے اٹھایا گیا ہے، اتنی بڑی چھت کے لیے کوئی ستون نظر نہیں آتا، پھر اس سے بھی بڑی عجیب بات یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کب سے قائم ہے، ہزار کوشش کے باوجود کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں کسی معمولی سے معمولی رخنہ یا خلاء کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔

مزید حیران کن بات یہ ہے کہ زمین سے انتہائی دور ہونے کے باوجود اس کے سورج، چاند، ستارے اور سیارے زمین کی رونق اور اس کے لیے روشنی، حرارت اور زندگی کا ذریعہ ہیں، اسی سے بارش نازل ہوتی ہے، اسی کے سورج سے اہل زمین کے چولہے جلتے ہیں، اسی سے اناج میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور اہل زمین کی روزی کا بہت حد تک اس پر انحصار ہے۔ انسان ذرا غور کرے کہ جس خالق کی قدرت و حکمت کا یہ حال ہے کہ وہ آسمان جیسی حیرت انگیز مخلوق پیدا کر سکتا ہے تو کیا اس کے لیے انسانوں کو از سر نو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے؟ (روح القرآن)

وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ: اس کے بعد پہاڑوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دیکھو انہیں کیسے گاڑ دیا گیا ہے؟ یہ کس طرح رنگ برنگ کی مٹی اور پتھر اور طرح طرح کی معدنیات لیے ہوئے جمے کھڑے ہیں؟ وہ کس طرح زمین کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں؟ کس طرح ہواؤں اور بادلوں کو بھی کنٹرول کرتے ہیں؟ وہ خود پتھر کے ہیں لیکن قدرت نے ان کے اندر سے مخلوق کی سیرابی کے لیے شیریں پانی کے سوتے جاری کر رکھے ہیں، وہ اپنے اندر قیمتی خزانے لیے ہوئے امین کا حق ادا کر رہے ہیں، ان میں ایسے پہاڑ بھی ہیں جو ناقابل عبور ہیں لیکن قدرت نے ان کے اندر درے اور راستے نکال دیئے ہیں۔ (روح القرآن)

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ: اس کے بعد زمین کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ زمین کیسے بچھ گئی ہے جس پر انسان رہتا اور بستا ہے، جس کی پیداوار سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں، جس کے چشموں اور کنوؤں پر اس کی زندگی کا انحصار ہے، اس کی مسطح سطح پر انسانوں کی آبادیاں ہیں،

میدانوں میں ان کے کھیت اور باغ و چمن ہیں، ان کے چوپایوں اور گلوں کے لیے پیٹ بھرنے کے غیر محدود وسائل موجود ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ کسی قادر مطلق حاذق حکیم کی کاریگری کے بغیر ہو گیا ہے؟

یہ تمام نشانیاں انسان کو یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پناہ ہے، اس کی حکمت نے ہر چیز کو کسی نہ کسی مقصد کا پابند کیا ہے، اس کی سب سے اشرف مخلوق انسان ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو بے شمار صلاحیتیں دے کر عقل اور شعور سے نواز کر اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے نیکی اور بدی کے دونوں راستوں کو کھول کر شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دے اور کبھی اس کو اپنے حضور میں حاضر کر کے اس کے اعمال کی جواب طلبی نہ کرے، نہ اس کی نیکی کی جزاء دے اور نہ اس کی نافرمانی پر سزا دے۔ (روح القرآن للدکتور اسلم صدیقی)

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ: منکرین معاد اور یوم آخرت کے سامنے دلائل و براہین پیش کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اے میرے حبیب! آپ نصیحت فرمائیں آپ کا کار منصبی نصیحت کرنا ہے، آپ ﷺ مذکر ہیں، نصیحت کرنے والے، دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آپ نصیحت فرمایئے نصیحت فائدہ دیتی ہے، اہل ایمان کا ایک موقع پر صراحت کے ساتھ ذکر آیا کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ: آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں کیونکہ دلوں کا مالک تو اللہ ہے، آپ جبر کر کے ان کے دلوں کو نہیں پھیر سکتے، دل تو اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہیں، یہ اللہ کا کام ہے کہ جس دل کو چاہے ایمان کی طرف پھیر دے۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اگر پیغمبر ﷺ کا فریضہ صرف تبلیغ تھا تو پھر جہاد کیوں فرض کیا گیا؟ جہاد اس لئے نہیں فرض ہوا کہ لوگوں کو مومن بنایا جائے بلکہ اس لئے فرض کیا گیا کہ تبلیغ کے راستے میں رکاوٹیں دور کی جائیں، یہ نہ ہو کہ لوگوں تک دین کی بات ہی نہ پہنچے اور یہ بھی نہ ہو کہ اگر کوئی دین اسلام کو قبول کرلے تو اس پر تشدد ہو، جہاد کا مقصد یہ تھا کہ تبلیغ دین کے راستے میں سیاسی

رکاوٹیں دور کی جائیں، رسول کا اصل فریضہ بہر حال دعوت دین ہے۔

یہ اشارات وہدایات کہ رسول اللہ ﷺ کی ڈیوٹی صرف تبلیغ ہے، اس کو قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں، پہلا سبب یہ ہے کہ تبلیغ کرنے کے بعد اگر لوگ نہیں مانتے تو رسولِ خدا پریشان نہ ہوں، ان کو تسلی ہو جائے کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، وہ مطمئن ہو جائیں اور لوگوں کو تقدیر الٰہی کے حوالے کر دیں کہ وہ جو چاہے کریں، کیونکہ انسانوں بالخصوص دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے دلوں میں اس بات کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ ان کا مشن کامیاب ہو اور غالب ہو، تمام لوگ اس کو قبول کر لیں اس لئے اللہ نے بار بار اس کی تاکید کی کہ داعی کا کام دعوت دینا ہے اور اسے اس قدر اخلاص سے کام کرنا چاہیے کہ ذاتی خواہش اور ذاتی پسند کو دعوت کے کھاتے سے نکال دے اور دعوت کا کام جاری رکھے، آگے انجام کیا ہوتا ہے، یہ اللہ پر چھوڑ دے، اسے کیا ہے کہ کوئی مومن بنتا ہے یا کافر بنتا ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جب کسی معاشرے میں دعوت و تبلیغ کے لئے حالات ساز گار نہ ہوں، لوگ دین سے دور ہوں اور دین کی راہ میں مادی وسیاسی رکاوٹیں ہوں تو داعی کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔(فی ظلال القرآن)

إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَ كَفَرَ ()فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ: رہا وہ شخص جو منہ موڑے اور انکار کرے، تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا، آپ کی تمام تبلیغی مساعی کے باوجود جو شخص حق سے منہ پھیرے گا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کرے گا تو اولاً تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ دنیا ہی میں عذاب کا شکار ہو جائے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کی وجہ سے وہ دنیا میں عذاب سے بچا رہا تو آخرت کا عذاب جو عذاب جہنم ہے وہ تو اس کے لیے لازمی ہو گا، اس لیے کہ دنیا میں تو بعض دفعہ پروردگار اپنی حکمت کی وجہ سے ڈھیل دیتے رہتے ہیں، لیکن آخرت چونکہ دارالجزاء اور دارالعدل ہے، وہاں نیک عمل کی جزاء بھی ضرور ہو گی اور برے عمل پر سزا بھی ضرور ہو گی، ایمان کا صلہ ملے گا اور کفر پر سخت عذاب ہو گا۔(روح القرآن)

الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ: ڈاکٹر اسلم صدیقی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کا عذاب ہے، اسے عذاب

اکبر اس لیے کہا گیا ہے کہ دنیا کا کوئی عذاب بھی اپنی شدت میں جہنم کے عذاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی عذاب ہمیشگی اور پائیداری میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے، اس لیے سابق سورۃ میں اس کی شدت کی طرف اضافہ کرتے ہوئے اسے النَّارُ الْكُبْرٰى سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن کریم کے متعدد مقامات پر عذاب اکبر ہی کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَكْبَرُ: اس میں دنیا کے عذابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آخرت کے عذاب کو اکبر فرمایا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں جس قوم پر عذاب آیا ہے اس کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، بعض دفعہ ان کی دھرتی الٹ دی گئی ہے اور وہ تاریخ میں عبرت بن کر رہ گئے ہیں، لیکن ان عذابوں کے مقابلے میں آخرت کے عذاب کو عذاب اکبر قرار دینا ایسا تصور پیدا کرتا ہے جس سے پتّہ پانی ہونے لگتا ہے۔

اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ: نبی کریم ﷺ کے سر پر تاج نبوت سجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کو راہ راست پر لانے کی ہدایات دیں، اپنے پیغمبر کی راہنمائی بھی اللہ تعالیٰ ساتھ ساتھ کرتے گئے، یہاں بھی ان کو نصیحت کرنے اور سختی نہ کرنے کا اشارہ موجود ہے، مگر ہمارے نبی ﷺ چونکہ امت کو جہنم سے بچا کر جنت کی طرف لیجانے میں بہت ہی زیادہ فکر مند تھے، اس فکر مندی کو ایک روایت میں آپ کے سینے سے ہنڈیا کے کھولنے جیسی آواز سے تعبیر کیا گیا۔

یہاں اللہ آخر میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ اگر یہ لوگ وعظ و نصیحت سے مانتے ہیں تو فبہا اگر نہیں مانتے تو انجام کار ان کو ہماری طرف پلٹنا ہے، حشر بپا ہو گا تو یہ لوگ میدان محشر میں آئیں گے، اس کے بعد ہم جانیں اور یہ جانیں ہم ان سے ان کی کوتاہ اعمالیوں کا حساب لیں گے، انہیں کٹہرے میں لایا جائے گا۔

سید قطب فرماتے ہیں یوں دعوت و تبلیغ کے کام میں رسول ﷺ کے کردار پر بھی حدود و قیود عائد کر دیئے جاتے ہیں اور آپ کے بعد بھی ہر داعی پر صرف دعوت دینا فرض ہے، یہ کہ ہر داعی کا کام یہ ہے کہ وہ یاد دہانی کراتا رہے اور حساب لینا اللہ کی ذمہ داری ہے، اللہ سے وہ کہیں بھاگ نہیں

سکتے، نہ وہ اللہ کے محاسبے سے بچ سکتے ہیں، ہاں داعیانِ حق کی یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ انہوں نے دعوت کے راستے میں پیدا کی جانے والی رکاوٹوں کو بھی دور کرنا ہے تاکہ لوگوں تک دعوت آزادانہ پہنچ سکے اور رکاوٹیں دور کرنے کا کام فریضہ جہاد سے پورا ہوتا ہے۔ (ظلال القرآن)

حودہلشلنحودہلل آج سورۃ الغاشیہ کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عالی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

خادم ا الم، ہحودال رشی دحودٹی

۸، اپریل ۲۰۲۰ء بروز بدھ رات ۲ بجے

حروف بینی: ۲۷ ستمبر ۲۰۲۰ء نو بجے شب

الفجر

فجر، لیال عشر، جفت وطاق

سوال اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں کن چیزوں کی قسم کھائی ہے اور جواب قسم کیا ہے؟

وَالْفَجْرِ ۙ{۱}وَلَيَالٍ عَشْرٍ {۲}وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ{۳}وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ{۴}هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ {۵}الفجر.

جواب قسم ہے فجر کے وقت کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت کی اور طاق کی۔ اور رات کی جب وہ چل کھڑی ہو۔ (کہ آخرت میں جزاء و سزا ضرور ہو گی) اور رات کی جب وہ چل کھڑی ہو۔ (کہ آخرت میں جزاء و سزا ضرور ہو گی) ایک عقل والے (کو یقین دلانے) کے لیے یہ قسمیں کافی ہیں کہ نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے یہاں فجر، دس فضیلت والی راتوں، جفت اور طاق اور رات کی (قسم) کھائی ہے۔ اور جواب قسم اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ہے۔

قسم کی اہمیت: اہلِ عرب ان اشیاء کی قسم کھاتے ہیں جو ان کے ہاں عظمت والی ہوتی ہیں، اللہ جل شانہ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر یہ واضح فرمایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان و عظمت اور اہمیت والی ہیں اور یہ چیزیں اس لیے عظیم ہیں کہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید پر دلائل ہیں اور مخلوق پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

وَالْفَجْرِ: اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم کھائی ہے، فجر سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے، علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں ان اقوال وارشادات کو یکجا کیا ہے

مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد معروف صبح ہے اور وہ صبح صادق کا صبح کاذب سے پھٹ کر نمودار ہونا ہے، اس وقت رات ختم ہو جاتی ہے اور روشنی پھیل جاتی ہے اور انسان، حیوان، پرندے اور وحشی جانور سب اپنے اپنے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں اور اس میں اس کی مثال ہے جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے سو اس میں غور و فکر کر کے اس وقت کو یاد کرنا چاہیے، صبح کے وقت کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں صبح کا ذکر فرمایا ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (المدثر: ۳۴) اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے۔

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (التکویر: ۱۸) اور قسم صبح کی جب وہ طلوع ہو جائے۔ صبح کی عظمت واہمیت کو اس وقت چار چاند لگ جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے خالق ہونے پر صبح کا ذکر کرتا ہے، ارشاد فرمایا

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ (الأنعام: ۹۶) اللہ صبح کو نکالنے والا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الفجر سے مراد نماز فجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے نماز فجر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ وہ دن کے شروع میں ادا کی جاتی ہے اور اس میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً (الإسراء: ۷۸) بے شک فجر میں قرآن پڑھنے پر (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں۔ یعنی رات اور دن کو ڈیوٹی کرنے والے فرشتے فجر کی نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں تلاوت قرآن کریم سننے کے لیے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس فجر سے مراد معین فجر ہے، اس قول پر اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد قربانی کے دن کی فجر ہے، اس لیے کہ قربانی کے مناسک ملتِ ابراہیم کی خصوصیات میں سے ہیں، اہلِ عرب حج نہیں چھوڑا کرتے تھے، کیونکہ یہ ایک عظیم دن ہے، اس میں لوگ اپنے جانور ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس سے ذی الحجہ کی فجر مراد ہے، اسی لیے دس

راتوں کا ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے کیونکہ حج اسی مہینہ میں ہوتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس فجر سے محرم کی فجر مراد ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے کیونکہ یہ ہر نئے اسلامی سال کی پہلی فجر ہوتی ہے، قمری مہینوں میں اسی سال کے حساب سے حج، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی ترتیب بنائی جاتی ہے۔

پھر حدیث شریف میں بھی اس کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے أَنَّ أَعْظَمَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ الْمُحَرَّمُ (تفسیر کبیر) اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں میں زیادہ عظمت والا مہینہ محرم الحرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فرمان میں بھی اس سے یہی مراد ہے۔

چوتھا قول امام رازی رحمہ اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ فجر سے مراد وہ چشمے ہیں جن سے پانی نکلتا ہے اور اس کے ساتھ مخلوق کی زندگی وابستہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَلَيَالٍ عَشْرٍ: دس راتوں سے کیا مراد ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں دو مسئلے ہیں، ایک یہ ہے کہ یہاں دس راتیں نکرہ ذکر فرمائی ہیں، کیونکہ یہ دس ایسی راتیں ہیں جو ایسے فضائل کے ساتھ خاص ہیں جو کسی اور میں نہیں پائے جاتے اور نکرہ بڑی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس میں اہل علم نے کئی وجوہات ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں، کیونکہ فی الجملہ ان دس راتوں کے ایام اسی عبادت کی مشغولیت میں گزرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِ أَفْضَلُ مِنْ أَيَّامِ الْعَشْرِ ان دس دنوں میں کیے جانے والے اعمال سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ان دس راتوں سے مراد محرم الحرام کی دس راتیں ہیں، یہ خبردار کرنا ہے اس بات پر کہ محرم الحرام کے دن بڑی شرف وفضیلت والے ہیں، انہی میں عاشورا کا دن بھی ہے، اس دن کے روزے کے فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

تیسرا یہ کہ ان دس راتوں سے رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں جن کے شرف وفضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے، ان دس راتوں میں ایک شب قدر بھی ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اُطْلُبُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ شب قدر کو رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔

پھر رحمت کائنات ﷺ کا اپنا عمل مبارک یہ تھا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ اس کے اہتمام کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے، اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے، ازدواجی معاملات سے رک جاتے تھے اور اپنے گھر والوں کو تہجد پڑھنے کی ہدایات کرتے تھے۔ (تفسیر رازی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل کرنا جتنا پسند ہے اور جتنا اس کے نزدیک ان دنوں میں نیک عمل افضل ہے اور کسی دن میں نہیں ہے، تم ان دنوں میں بہ کثرت لا الہ الا اللہ پڑھو، اللہ اکبر پڑھو، کیونکہ یہ تہلیل، تکبیر اور اللہ کے ذکر کے ایام ہیں اور ان ایام میں نیک عمل کا سات سو گنا اجر دیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کے دس دنوں میں کی جانے والی عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے، ان میں سے ہر دن میں روزہ رکھنا ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی راتوں میں سے ہر رات میں قیام کرنا لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، شرح السنہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان دس دنوں کے علاوہ کبھی دس دن (نفلی) روزے رکھتے ہوئے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو یہ دس دن بہت زیادہ پسند ہیں، سو تم ان دس دنوں میں زیادہ سے زیادہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ (مسند احمد)

ان احادیث میں ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی فضلیت ہے، اس کی تایید اس آیت میں ہے وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ (الحج: ۲۸) اور ان

مقررہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔

ایام معلومات سے مراد ذبح کے ایام یعنی ایام تشریق ہیں جو یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن ہیں یعنی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحج، عام طور پر ایام معلومات سے عشرہ ذی الحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرہ: ۲۰۳) اور ان کی گنتی کے چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں بہ آواز بلند تکبیرات پڑھی جائیں، یعنی اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔ (تبیان القرآن)

دس راتوں کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد محرم کے ابتدائی دس دن ہیں، جن میں دس محرم یوم عاشورا بھی شامل ہے اور ان دونوں کی فضلیت میں بھی احادیث ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتایئے کہ اگر میں رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھوں تو کس مہینہ میں روزے رکھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھنا چاہتے ہو تو محرم کے مہینہ میں روزے رکھو کیونکہ وہ اللہ کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور وہ اس مہینہ میں دوسروں کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔ (ترمذی، مسند احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے یوم عاشورا (دس محرم) کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عاشورا کے سوا روزہ رکھنے کے لیے کسی ایسے دن کو تلاش کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کی اور دنوں پر فضلیت ہو اور یوم عاشورا کے علاوہ رمضان کا مہینہ۔ (بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشورا کے دن انبیاء سابقین روزہ رکھتے تھے، سو تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس دن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے

نجات دی تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا، پس ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار اور زیادہ قریب ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

محرم الحرام کی دسویں یعنی یوم عاشور کو اللہ نے بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے ہمیں عاشورا کے دن فضلیت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ نے آسمانوں کو یومِ عاشورا میں پیدا کیا اور اسی طرح زمینوں کو بھی اور عرش کو یومِ عاشورا میں پیدا کیا اور اسی طرح کرسی کو بھی اور پہاڑوں کو یومِ عاشورا میں پیدا کیا اور اسی طرح ستاروں کو بھی اور قلم کو یومِ عاشورا میں پیدا کیا اور اسی طرح لوح کو بھی اور حضرت جبریل علیہ السلام کو یوم عاشورا میں پیدا کیا۔

اور فرشتوں کو یوم عاشورا میں پیدا کیا اور یوم عاشورا میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا، حضرت ابراہیم یوم عاشورا میں پیدا ہوئے اور یوم عاشورا میں ان کو اللہ نے آگ سے نجات دی اور یوم عاشورا میں اللہ نے ان سے فدیہ قبول فرمایا، اور یوم عاشورا میں فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوم عاشورا میں آسمان پر اٹھا لیا، حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یومِ عاشورا میں ہوئی، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یومِ عاشورا میں حکومت دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء میں ہوئی (صحیح روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے) رب تعالیٰ عرش پر یومِ عاشورا میں مستوی ہوا اور قیامت کا دن بھی یوم عاشورا میں ہو گا۔ ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (فضائل الاوقات بحوالہ تبیان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عاشورا کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو، اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھو اور اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔ (شعب الایمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نو محرم اور دس محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی

مخالفت کرو۔(شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یوم عاشورا کا روزہ رکھا، اس نے گویا ایک سال کے روزے رکھے اور جس نے یوم عاشورا کو صدقہ کیا اس نے گویا ایک سال صدقہ کیا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی، تم اس دن نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی، وہب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ عشرہ محرم کے پہلے دن سے میرا قرب حاصل کریں۔(لطائف علمیہ، بحوالہ تبیان)

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ: اور جفت سے مراد قربانی کا دن ہے اور طاق سے مراد یوم عرفہ ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الشفع سے یوم النحر اور الوتر سے یوم عرفہ مراد لیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے۔ (الاتحاف، بحوالہ تبیان القرآن) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی دن دوزخ سے اتنے بندوں کو آزاد نہیں کرتا جتنے یومِ عرفہ کو کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے۔(مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یومِ عرفہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ حجاج کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کی طرف دیکھو، ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور یہ گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں، یہ دور دراز سے فریاد کرتے ہوئے میرے پاس آئے ہیں، میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ان سب کو بخش دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن دوزخ سے لوگ آزاد نہیں کیے جاتے۔(فضائل الاوقات، کنز العمال)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ سے زیادہ کسی اور دن شیطان کو اس قدر غم اور غصہ میں نہیں دیکھا گیا ماسوا یوم بدر کے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما رہا ہے۔ (موطا امام مالک، کنز العمال)

جفت سے مراد یوم نحر ہے یعنی دس ذوالحجہ کا دن، عید الاضحیٰ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ کھانے اور پینے کے ایام ہیں۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں، آپ سے پوچھا گیا: ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، آپ سے پوچھا گیا: اور اُون کے بدلہ میں؟ آپ نے فرمایا: ہر اُون کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔ (ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد، شعب الایمان) عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے بغیر عید گاہ نہیں جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ سے واپس آئے بغیر نہیں کھاتے تھے، پھر آکر آپ اپنی قربانی کی کلیجی سے کھاتے تھے۔ (ترمذی، احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے دن کسی آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب نہیں ہے کہ وہ (قربانی کے جانور کا) خون بہائے، بیشک قربانی کا وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے، سو تم خوشی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا قربانی کرنا واجب ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی، اس نے پھر سوال کیا تو انہوں

نے کہا: کیا تم میں عقل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر ہے، پھر اس کے بعد دوسرا دن ہے، رسول اللہ ﷺ کے قریب پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں، ان میں سے ہر ایک بڑھ کر آپ کے قریب آرہی تھی کہ آپ اس سے قربانی کی ابتدا کریں۔ (ابو داؤد)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے یہاں الشفع (جفت، جوڑا) اور الوتر (طاق) کے بارے میں مزید عقلی احتمالات پر اقوال نقل فرمائے ہیں،

① الشفع سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہیں اور الوتر سے مراد اللہ تعالیٰ۔

② الشفع سے مراد وہ نمازیں ہیں جو جفت ہیں جیسے فجر، ظہر، عصر اور عشاء اور الوتر سے مراد وہ نماز ہے جو طاق ہے جیسے مغرب، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے **هِيَ الصَّلَوَاتُ مِنْهَا شَفْعٌ وَمِنْهَا وَتْرٌ** ان نمازوں میں کوئی جفت ہیں اور کوئی طاق۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ ایمان کے بعد نماز کا مرتبہ ہے اور عبادات میں نماز کا جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

③ الشفع سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے، جیسے سورۃ النباء میں ارشاد ہے کہ ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، (کبیر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **إِنَّ اللهَ وَتْرٌ يُحِبُّ الْوَتْرَ** اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

④ دنیا کی ہر چیز یا زوج ہے یا فرد ہے گویا کہ میں زوج اور فرد کے رب کی قسم کھاتا ہوں، اس کی مثال ان آیات میں ملتی ہے، ارشاد ربانی ہے **فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ** (الحاقہ) مجھے ان چیزوں کی قسم ہے جنہیں تم دیکھتے ہو اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔

⑤ الشفع سے مراد جنت کے درجات ہیں جن کی تعداد آٹھ ہے اور الوتر سے مراد دوزخ کے طبقات ہیں جن کی تعداد سات ہے۔

⑥ الشفع سے مراد مخلوق کی صفات ہیں جیسے علم، جہالت، قدرت، عاجزی، ارادہ، ناپسندیدگی، زندگی اور موت اورالوتر سے مراد حق تعالیٰ کی صفات ہیں کہ اس کا وجود عدم کے بغیر ہے، اس کی حیات موت کے بغیر ہے، اس کا علم جہل کے بغیر ہے، اس کی قدرت عاجزی وانکساری کے بغیر ہے، اس کی عزت ذلت کے بغیر ہے۔

⑦ الشفع سے مراد ہر وہ نبی ہے جس کے دونام ہیں جیسے حضرت محمد ﷺ کے دو نام ہیں ایک محمد اور دوسرا احمد، عیسیٰ کے دونام ہیں عیسیٰ اور مسیح، یونس کے دونام ہیں یونس اور ذوالنون اورالوتر سے ہر وہ نبی مراد ہے جس کا ایک ہی نام ہے جیسے حضرت آدم، نوح، ابراہیم۔

⑧ الشفع سے مراد حضرت آدم اور حوا ہیں جب کہ الوتر سے حضرت مریم مراد ہیں۔

⑨ الشفع سے مراد دن اور رات دونوں ہیں اورالوتر سے مراد اکیلا وہ دن ہے جس کے بعد کوئی رات نہیں آئے گی اور وہ حشر کا دن ہو گا۔

⑩ الشفع سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو عصائے موسوی کے پتھر پر لگنے کی وجہ سے بن گئے تھے اورالوتر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات ہیں۔

⑪ الشفع سے مراد وہ دن ہیں جن میں قومِ عاد پر عذاب آیا تھا، ان دنوں کی تعداد آٹھ ہے اورالوتر سے مراد ان دنوں کی راتیں ہیں جن کی تعداد سات تھی۔

⑫ الشفع سے مراد بارہ برج ہیں اورالوتر سے مراد سات سیارے ہیں۔

⑬ الشفع سے مراد تیس دن کا مہینہ ہے جب کہ الوتر سے انتیس دن کا مہینہ ہے۔

⑭ الشفع سے ہونٹ مراد ہیں جب کہ الوتر سے زبان مراد ہے، جس کا ذکر سورۃ البلد میں اللہ نے فرمایا ہے۔

⑮ الشفع سے مراد نماز کے دو سجدے ہیں اورالوتر سے نماز کا رکوع مراد ہے۔

الشفع سے مراد جنت کے دروازے ہیں جو کہ آٹھ ہیں اور الوتر سے مراد جہنم کے دروازے ہیں جو کہ سات ہیں۔

مفسر قرآن امام رازی رحمہ اللہ نے الشفع اورالوتر کے مصداق میں بہت سے اقوال ذکر فرمائے اس کے بعد فرمایا کہ الشفع اورالوتر دوبڑی اہمیت وبزرگی والی چیزیں ہیں اور یہاں جن چیزوں کا ذکر کیا ہے، وہ سب " الشفع " اور " الوتر " سے مراد ہوسکتی ہیں اور قرآن مجید میں ان میں سے کسی چیز کی تعیین کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا، اگر ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے یا اہل علم کے اجماع سے ثابت ہو جائے تو پھر وہی مراد ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چیز مراد ہوسکتی ہے، لیکن اس کا ثبوت ظنی ہو گا قطعی نہیں ہو گا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام چیزیں مراد ہیں کیونکہ " الشفع " اور " الوتر " میں الف لام استغراق کا ہے، یعنی تمام جفت اور تمام طاق۔ (کبیر)

امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں والشفع والوتر کے مصداق میں بہت سے اقوال نقل فرمائے اس کے بعد فرمایا کہ حدیث شریف میں اگر کوئی اس کی وضاحت مل جاتی ہے تو پھر وہی چیز ان سے مراد ہو گی، مجھے حیرانی ہوئی کہ امام رازی رحمہ اللہ جیسے بحر العلوم والفنون، ہمالیہ علم وفضل کی نظر دُور بین سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نہیں گزری جسے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الْعَشْرَ عَشْرُ الْأَضْحَى، وَالْوَتْرُ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّفْعُ يَوْمُ النَّحْرِ (مسند احمد) دس راتوں سے یہاں قربانی کے مہینے کی دس راتیں مراد ہیں، الوتر سے یہاں عرفہ کا دن مراد ہے، جب کہ الشفع سے یہاں قربانی والا دن مراد ہے۔

علامہ غلام رسول سعید رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ کے بارے میں جو بات لکھی وہ مناسب نہیں تھی، کیونکہ علامہ سعیدی رحمہ اللہ کی تفسیر میں جابجا لمبی لمبی عبارات اسی عظیم مصنف اور مفسر کی تفسیر سے نقل کی گئی ہیں، مولانا سعیدی لکھتے ہیں امام رازی پر چونکہ عقلیات کا غلبہ ہے، اس لیے وہ اس حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوسکے، دوسری بات یہ ہے کہ احادیث تک رسائی کے جتنے وسائل اب میسر ہیں وہ امام رازی رحمہ اللہ کے دور میں حاصل نہ تھے، اس لیے امام رازی اس حدیث تک نہ پہنچ سکے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ : اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے۔ رات کی اہمیت جتانے کے لیے اللہ نے

یہاں قسم کھائی ہے، سورۃ المدثر میں بھی رات کا ذکر یوں فرمایا وَالَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (الْمُدَّثِّرِ: ۳۳) اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرے۔ اسی طرح سورۃ التکویر میں رات کا ذکر یوں فرمایا وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ (التَّكْوِيرِ: ۱۷) اور رات کی قسم جب وہ جانے لگے۔

رات کے چلنے سے مراد اس کا اختتام ہے اور بعض اس کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد رات کی تاریکی میں چلنا ہے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رات کے چلنے سے مراد اس کا آنا جانا ہے۔

اکثر مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جس رات کا ذکر ہے اس سے مراد کوئی خاص رات نہیں ہے، بلکہ اس میں عموم ہے، اس دلیل کے ساتھ کہ اللہ نے واللیل اذادبر فرمایا ہے، اور وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ فرمایا ہے، کیونکہ رات اور دن کے متواتر آنے جانے میں اور ان کی مقدار کے مختلف ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بہت عظیم نعمت ہے، اس لیے رات کی قسم کھانا ممکن ہے اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ رات اور دن کا متواتر ایک دوسرے کے بعد آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تدبیر پر مبنی ہے۔

حضرت مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے عیدالاضحیٰ کی رات مراد ہے۔ (تفسیر مقاتل، بحوالہ تبیان القرآن)

اور امام رازی رحمہ اللہ نے مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے، کیونکہ اس رات کے اول میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے اور اس کے آخر میں بھی گزرنا ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کمزور لوگوں کو اس رات میں پہلے بھیج دیتے تھے۔

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ: بے شک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔ حجر کا معنیٰ روکنا ہے، اسی لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کہ عقل انسان کو غلط اور نامناسب کاموں سے روکتی ہے، فراء کہتے ہیں کہ عرب والے اس شخص کو ذو حجر کہتے ہیں جو اپنے نفس پر غالب ہو اور اپنے نفس پر قابو رکھنے والا ہو۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص عقل والا ہو گا وہ سمجھ لے گا کہ یہاں بیان کی گئی چیزیں بہت ہی عجیب و غریب ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

اوراس کی ربوبیت پر بہت سے دلائل موجود ہیں اور یہ چیزیں پیدا کرنے والے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے یہ چیزیں اسی لائق ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

امم سابقہ کے اعمال اور عبرت ناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ {٦} اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ {٧} الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ {٨} وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ {٩} وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ {١٠} الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ {١١} فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ {١٢} فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ {١٣} اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ {١٤} الحجر

جواب ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس اونچے ستونوں والی قوم اِرَم کے ساتھ۔ جس کے برابر دنیا کے ملکوں میں کوئی اور قوم پیدا نہیں کی گئی؟ اور ثمود کی اس قوم کے ساتھ کیا کیا جس نے وادی میں پتھر کی چٹانوں کو تراش رکھا تھا؟ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا کیا؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں سرکشی اختیار کرلی تھی۔ اور ان میں بہت فساد مچایا تھا۔ چنانچہ تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ یقین رکھو تمہارا پروردگار سب کو نظر میں رکھے ہوئے ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ اس کا معنی ہے: کیا آپ کو نہیں معلوم؟ اس لیے کہ عاد اور ثمود اور فرعون کی خبریں، عرب میں تواتر کے ساتھ منقول تھیں، ان آیتوں میں بہ ظاہر نبی ﷺ کو خطاب ہے، لیکن یہ خطاب ہر شخص کو عام ہے، اور اس سے مقصود کفارِ مکہ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر وہ اسی طرح کفر اور شرک پر اڑے رہے تو یہ خطرہ ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب آجائے جو عاد اور ثمود اور قوم فرعون پر آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے کفار کی تین قوموں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر

عذاب کا کوڑا برسایا لیکن ان کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، البتہ سورۃ الحاقہ میں ان قوموں کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

قوم ثمود کے عذاب کے بارے میں ارشاد فرمایا

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (الحاقہ ۵) رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔

قوم عاد کے بارے میں فرمایا

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (۶) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (۸) الحاقہ

اور جو عاد کے لوگ تھے، انہیں ایک ایسی بے قابو طوفانی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ جسے اللہ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط رکھا چنانچہ تم (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ لوگ وہاں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح پچھاڑے ہوئے پڑے تھے، اب کیا ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ عاد کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں عاد کا نام ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح، پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا، پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اُولیٰ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے

وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى [النَّجْمِ: ۵۰] بے شک اس نے عاد اُولیٰ کو ہلاک کر دیا۔

اور متأخرین کو عاد الاخیرہ کہا جاتا ہے اور اِرم عاد کے دادا کا نام ہے، یہاں اِرم سے کون مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام رازی نے چند اقوال نقل فرمائے ہیں

① اس سے مراد قبیلہ عاد کے متقدمین ہیں جنہیں عاد اُولیٰ کہا جاتا ہے، اسی لیے انہیں ان کے دادا کے نام پر اِرم کہا جاتا ہے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ جس شہر میں یہ لوگ مقیم تھے اس کا نام اِرم تھا اور یہ اِسکندریہ تھا اور بعض

کہتے ہیں کہ اس شہر کا نام دمشق تھا۔

③ اِرم اس قوم کا نام تھا جو میناروں کی شکل میں یا قبروں کی شکل میں پہاڑوں کے اندر اپنے گھر تعمیر کرتی تھی۔

عاد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شداد تھا اور دوسرے کا شدید، دونوں نے بادشاہی کی، شدید کی موت کے بعد تخت شاہی پر شداد براجمان ہوا، اس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ اس کے سامنے سرنگوں ہوتے تھے، اس نے کہیں سے جنت کا تذکرہ سن لیا تو حکم دے دیا کہ جنت کی طرح جنت بناؤ، چنانچہ ارم نے عدن کے ایک صحرا میں تین سو سال لگا کر جنت بنائی، اس کی اپنی عمر نو سو سال تھی، ارم نے ایک عظیم شہر سجایا، اس میں سونے، چاندی کے محلات کھڑے کر دیے، ان کے ستون زبرجد اور یاقوت کے تھے، قسم قسم کے درخت اور نہریں بھی تھیں، جب اس نے یہ جنت بنادی تو شداد اَرباب مملکت کے ہمراہ اس کی طرف گیا، جب ابھی ایک دن اور رات کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک چیخ بھیجی جس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسکندریہ میں ایک کتاب پائی گئی جس میں شداد کے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے أَنَا شَدَّادُ ابنُ عَادٍ، الَّذِی رَفَعَ الْعِمَادَ، بَنَیْتُهَا حِینَ لَا شَیْبَ وَلَا مَوْتَ میں شداد بن عاد ہوں، جس نے ستون بلند کیے، میں نے اسے اس وقت بنایا جب بڑھاپا اور موت نہیں تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ یہ بات کہتے ہیں کہ وہ وہ وقت تھا جب سو سو سال گزر جاتا تھا کوئی جنازہ کہیں نہیں ہوتا تھا۔ (قرطبی)

ثور بن زید کہتے ہیں کہ شدّاد نے کہا تھا

أَنَا شَدَّادُ بْنُ عَادٍ، وَأَنَا رَفَعْتُ الْعِمَادَ، وَأَنَا الَّذِی شَدَدْتُ بِذِرَاعِی بَطْنَ الْوَادِّ، وَأَنَا الَّذِی كَنَزْتُ كَنْزًا عَلَى سَبْعَةِ أَذْرُعٍ، لَا یُخْرِجُهُ إِلَّا أُمَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (قرطبی) میں شداد بن عاد ہوں، میں نے ہی ستون بلند کیے، میں وہ ہوں جس نے بطن وادی میں اپنے بازو پھیلائے، میں وہ ہوں جس نے سات ہاتھ تک خزانے جمع کیے، ان خزانوں کو امت محمدیہ کے علاوہ

کوئی نہیں نکال سکے گا۔

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ: وہ اِرم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لمبے قد والے، امام رازی فرماتے ہیں کہ اِرم قبیلے کا نام ہے، یہ بدوی لوگ تھے جو خیموں میں رہتے تھے، اور خیموں کے لیے ستونوں کا ہونا ضروری ہے، یہ لوگ لمبے لمبے جسموں والے تھے اس لیے ان کے قدوں کو ستونوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بلند عمارتوں والے لوگ تھے، یہ ستون کھڑے کر کے ان پر محلات تعمیر کر لیتے تھے، اسی طرف اللہ نے اشارہ فرمایا أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ (الشُّعَرَاءِ: ۱۲۸) کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لیے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گذرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے، اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (روح المعانی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ كَانَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ طُولُهُ خَمْسمِائَةِ ذِرَاعٍ، وَالْقَصِيرُ مِنْهُمْ طُولُهُ ثلاثمائة ذِرَاعٍ بِذِرَاعِ نَفْسِهِ (قرطبی) ان میں سے لمبے قد کا آدمی پانچ سو ذراع کا ہوتا تھا (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) اور ان میں سے چھوٹے قد کا آدمی تین سو ذراع کا ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ أَنَّ طُولَ الرَّجُلِ مِنْهُمْ كَانَ سَبْعِينَ ذِرَاعًا ان میں سے ایک آدمی کے قد کی لمبائی ستر ذراع تھی۔

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ نے صحیح روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بات کو غلط قرار دیا ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي

الْهَوَاءِ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ إِلَى الْآنِ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کا طول ہوا میں ساٹھ ذراع تھا، پھر اب تک مخلوق کا قد بتدریج کم ہوتا رہا ہے۔ (بخاری، مسلم، قرطبی)

حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے ذات العماد کا معنیٰ یہ بیان فرمایا کہ ستون والے سے مراد یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ قوت والے تھے، اس کی دلیل قرآن میں ان کا قول ہے وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ: ۱۵) انہوں نے کہا، ہم سے زیادہ قوت وطاقت والا کون ہے؟

الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ: ان جیسا شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا، ان میں بہت زیادہ قوت وطاقت رکھی گئی تھی، ان جیسے جسموں کی ضخامت اور قدوں کی لمبائی کسی اور قوم کی نہیں بنائی گئی تھی، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار سو ہاتھ ان کی لمبائی تھی، ایک شخص بھاری چٹان اٹھا کر کسی مجمع پر پھینک کر انہیں ہلاک کر سکتا تھا۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ: اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں، ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں كَانُوا يَجُوبُونَ الْبِلَادَ فَيَجْعَلُونَ مِنْهَا بُيُوتًا وَأَحْوَاضًا وَمَا أَرَادُوا مِنَ الْأَبْنِيَةِ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں کو کاٹا پھر ان میں گھر بنائے اور حوض تعمیر کیے اور جو بھی عمارتیں بنانا چاہتے تھے بنا لیتے تھے۔ (کبیر)

قرآن کریم میں ارشاد ہے وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ (الحجر: ۸۲) یہ لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے پہاڑوں، پتھروں اور بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹا وہ قوم ثمود ہی تھی، جنہوں نے دو ہزار سات سو شہر بنائے جو سارے کے سارے پتھروں سے تعمیر کیے گئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سنہ ۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوم ثمود کی بستی سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ (بخاری) ان عذاب دیے گئے لوگوں کی بستیوں سے جب گزرو تو روتے

ہوئے گزرو اگر تم رونے والے نہیں تو تم یہاں سے مت گزرو، کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ آجائے جو انہیں آیا تھا۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ: اور میخوں والا فرعون تھا۔ بہت زیادہ لاؤلشکر رکھنے کی وجہ سے اسے ذی الاوتاد کہا جاتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا اور میخیں ان میں گاڑھ دیتا تھا یہاں تک کہ وہ موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

أَنَّ فِرْعَوْنَ وَتَّدَ لِامْرَأَتِهِ أَرْبَعَةَ أَوْتَادٍ وَجَعَلَ عَلَى صَدْرِهَا رَحَا وَاسْتَقْبَلَ بِهَا عَيْنَ الشَّمْسِ فَرَفَعَتْ رَأْسَهَا إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ، فَفَرَّجَ اللهُ عَنْ بَيْتِهَا فِي الْجَنَّةِ فَرَأَتْهُ (مفاتیح الغیب للرازی) فرعون نے اپنی بیوی کو چار میخیں گاڑھی تھیں، اس کی چھاتی پر چکی اور منہ سورج کی طرف اور سر آسمان کی طرف کیا ہوا تھا، اسی عالم میں فرعون کی بیوی پکار اٹھی تھی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر سے جنت کے نظارے اسے کرادیے، اس نے جنت دیکھ لی۔

سرکش فرعون کو اللہ تعالیٰ نے نشان عبرت بنایا اور قرآن کریم میں جابجا اس کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے، سورۃ یونس میں اس کا ذکر یوں کیا گیا، ارشاد فرمایا

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (۹۰) آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (۹۱) فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (۹۲) (یونس)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزار دیا، پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے ان کا تعاقب کیا، حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے

ہوں۔(جواب آیا:) اب ایمان لایا ہے اور اس سے پہلے تو سرکشی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج ہم صرف تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے نشان عبرت ہو جائے، اور بیشک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ: ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی ، پھر انہوں نے ان شہروں میں دہشت گردی پھیلائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد، قوم ثمود اور فرعون کی سرکشی اور دہشت گردی کا ذکر فرما کر ان کی مذمت فرمائی اور ان کو ملنے والی سزا کی وجہ اور علت بیان فرمائی کہ اگر کسی پر چیخ وچنگھاڑ آئی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اگر کسی کو غرقاب کیا تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی طرف یہاں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ: پھر اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

جب ان لوگوں کو اللہ نے انبیاء کرام کے ذریعے بار بار سمجھایا، انہیں راہ ہدایت دکھانے کے لیے اپنے جلیل القدر نبی بھیجے تو یہ لوگ ان کی بات ماننے کی بجائے ان کا استہزا کرتے تھے اور انہیں نیچا دکھانے کی سازشیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا اور ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، یہ دیکھنے والوں کے لیے دنیا کا عذاب تھا، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں بھی عذاب الیم و عظیم دیں گے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں بہت سے کوڑے ہیں، وہ سب ان پر نہیں برسائے بلکہ ایک ہی کوڑا ان پر برسایا۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ: بیشک آپ کا رب ان کی گھات میں ہے۔ مِرْصَاد مِفْعَال کے وزن پر ہے، اس کا معنی ہے گھات لگانے کی جگہ یعنی کسی کا انتظار کرنے کا مقام، جو شخص گھات لگا کر کسی پوشیدہ مقام میں بیٹھا ہو، اس کے پاس سے گزرنے والا دشمن اس سے بچ کر گزر نہیں سکتا اور اس کا دشمن اس سے چھپا نہیں رہ سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی در پردہ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اس سے بچ کر یا اس سے چھپ کر کوئی بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔

گھات لگانے کے چار اجزا ہیں : ① گھات لگانے کا مقام دشمن سے مخفی ہو، ② دشمن کی گزر گاہ

ہو۔ ③ جہاں گھات لگا کر بیٹھنے والے کو دشمن کے احوال کی خبر ہو جائے، ④ دشمن گھات لگانے والے کی گرفت سے بچ نہ سکے، اللہ تعالیٰ جو گھات لگاتا ہے اس میں یہ چاروں امور متحقق ہیں، بندوں کو نہیں معلوم کہ اللہ کے علم کا کیا ذریعہ ہے اور وہ کس طرح ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کہاں سے دیکھ رہا ہے، زندگی کا راستہ سب کو طے کرنا ہے، سب اس راستہ سے گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اقوال اور اعمال اور احوال کا، کامل علم ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (تبیان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

إِنَّ عَلَى جَهَنَّمَ سَبْعَ قَنَاطِرَ، يُسْأَلُ الْإِنْسَانُ عِنْدَ أَوَّلِ قَنْطَرَةٍ عَنِ الْإِيمَانِ، فَإِنْ جَاءَ بِهِ تَامًّا جَازَ إِلَى الْقَنْطَرَةِ الثَّانِيَةِ، ثُمَّ يُسْأَلُ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنْ جَاءَ بِهَا جَازَ إِلَى الثَّالِثَةِ، ثُمَّ يُسْأَلُ عَنِ الزَّكَاةِ، فَإِنْ جَاءَ بِهَا جَازَ إِلَى الرَّابِعَةِ. ثُمَّ يُسْأَلُ عَنْ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِنْ جَاءَ بِهِ جَازَ إِلَى الْخَامِسَةِ. ثُمَّ يُسْأَلُ عَنِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنْ جَاءَ بِهِمَا جَازَ إِلَى السَّادِسَةِ. ثُمَّ يُسْأَلُ عَنْ صِلَةِ الرَّحِمِ، فَإِنْ جَاءَ بِهَا جَازَ إِلَى السَّابِعَةِ. ثُمَّ يُسْأَلُ عَنِ الْمَظَالِمِ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: أَلَا مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ فَلْيَأْتِ، فَيُقْتَصُّ لِلنَّاسِ مِنْهُ، يُقْتَصُّ لَهُ مِنَ النَّاسِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (تفسیر القرطبی)

جہنم کے اوپر سات پل ہیں، پہلے پل پر انسان سے اس کے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر وہاں سے نجات ہو گئی تو پھر وہ دوسرے پل پر آئے گا، وہاں اس سے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر اس سے نجات ہو گئی تو تیسرے پل پر آئے گا، پھر اس سے زکوۃ کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر وہ چوتھے پل پر آئے گا، پھر اس سے ماہ رمضان کے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر روزے پورے تھے تو پھر وہ پانچویں پل پر آئے گا، وہاں اس سے حج اور عمرہ کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر ساتویں پل پر آئے گا، وہاں اس سے لوگوں کے حقوق کے متعلق سوال کیا جائے گا، ایک منادی ندا کرے گا: جس کسی کا اس پر حق ہے وہ آکر اس سے وصول کر لے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے: بیشک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے۔

ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَبِالْمِرْصَادِ یَعْنِی جَهَنَّمَ، عَلَيْهَا ثَلَاثُ قَنَاطِرَ: قَنْطَرَةٌ فِيهَا الرَّحِمُ، وَقَنْطَرَةٌ فِيهَا الْأَمَانَةُ، وَقَنْطَرَةٌ فِيهَا الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى (قرطبی) لبالمرصاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم پر تین پل ہیں، ایک پل میں رشتہ داری ہے، دوسرے میں امانت ہے اور تیسرے میں رب تبارک وتعالیٰ ہے، یعنی اس کی حکمت، اس کا ارادہ اور اس کا امر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ أَيْضًا لَبِالْمِرْصَادِ أَيْ يَسْمَعُ وَيَرَى لبالمرصاد کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی ان کی باتیں سن رہا ہے اور ان کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ (قرطبی)

کافر کے پراگندہ خیالات

سوال ایک کافر انسان کو جب اپنے رب کی طرف سے نعمتیں اور آسائشیں ملیں تو وہ اپنے رب کے بارے میں کیا کہتا ہے اور جب اس پر حالات تنگ ہو جائیں تو وہ کس قسم کے جذبات وخیالات کا اظہار کرتا ہے؟ تو کیا جس طرح کے خیالات وجذبات کا وہ اظہار کرتا ہے وہ درست ہیں اور اس کے منہ سے نکلنے والی باتیں صحیح ہیں؟

جواب انسان کو جب اللہ تعالیٰ نعمتیں دے کر امتحان میں ڈالتا ہے اور اس کے لیے رزق میں وسعت وکشائش پیدا کرتا ہے اور اس کی عیش وعشرت کو اچھا کر دیتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اس عزت وشرافت کے عوض مل رہا ہے جو اس کی اس کے رب کے ہاں ہے تو پھر بول اٹھتا ہے کہ میرے رب نے میری عزت کی ہے، اور جب اس کا امتحان لیتا ہے اس کی گزراوقات تنگ کر دیتا ہے، رزق میں تنگی آجاتی ہے تو اس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کا کوئی مرتبہ ومقام نہیں ہے اسی لیے تو اس نے میری توہین کی ہے۔

حالانکہ عزت، اکرام، بزرگی اور شرافت کا یہ معیار نہیں کہ انسان مالدار، تونگر اور غنی ہو تو اس کی عزت واکرام کیا جائے گا اور فقر وفاقہ کی صورت میں انسان کی بے اکرامی کی جائے گی، ایسا نہیں ہے، مکہ کے کافروں کا تو عجیب معاملہ تھا کہ یتیموں کا اکرام نہیں کرتے تھے ان کے ساتھ کوئی نیکی

نہیں کرتے تھے باوجود یکہ یہ مالدار لوگ تھے اور نہ ہی یہ لوگ ایک دوسرے کو اس بات کی ترغیب دیتے تھے کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلائیں، بلکہ ان میں بیماری اس طرح کی تھی کہ یہ دوسروں کے حقوق غصب کرتے تھے، میراث کا مال کھاجاتے تھے، اور پھر مال وزر سے خوب محبت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کا ذکر فرمایا ہے

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ الفجر

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اسے آزماتا ہے اور انعام واکرام سے نوازتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ: میرے پروردگار نے میری عزت کی ہے اور دوسری طرف جب اسے آزماتا ہے اور اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ: میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے، ہرگز ایسا نہیں چاہیے، صرف یہی نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ سمیٹ کر کھاجاتے ہو اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو۔

کافر انسان کا یہ حال ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی طرف ہے، اس کے نزدیک اہم چیز صرف دنیا کی لذتیں اور شہوتیں ہیں، اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہو جائیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری نہ ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ (تفسیر کبیر للرازی)

قرآن کریم میں اور بھی کئی مقامات پر کافروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم: ۷)

وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج: ۱۱) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر ان کو کوئی فائدہ ہوا تو وہ اس سے مطمئن ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت آگئی تو وہ اسی وقت پلٹ جاتے ہیں، انہوں نے دنیا اور آخرت دونوں جہان کا نقصان کر دیا، دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھانا ہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب کچھ دنیا کو سمجھنا اور آخرت کی طرف دھیان اور توجہ نہ دینا ان وجوہات کے باعث غلط ہے۔

① دنیا کی سعادت وشقاوت (نیک بختی اور بد بختی) آخرت کی سعادت وشقاوت کے مقابلے میں یوں ہے جیسے قطرہ کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں، دنیا کی نعمتیں سمیٹنے والا اگر آخرت میں بد بخت ہے تو یہ نعمتیں کوئی سعادت ونیک بختی نہیں ہیں اور اگر دنیا میں ایک شخص کو تکالیف کا سامنا ہے، محتاج ہے، لیکن آخرت کے لحاظ سے وہ نیک بخت وسعادت مند ہے تو یہ کوئی توہین اور شقاوت نہیں ہے، اس لیے دنیا میں لطف اندوز ہونے والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ان چیزوں کو اپنی سعادت ونیک بختی خیال کرے اور دنیا میں تکالیف اٹھانے والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے کو بد بختی اور ہلکا خیال کرے۔

② دنیا میں نعمتوں کا مل جانا اور تکالیف کا آجانا اس پر دلیل نہیں ہے کہ یہ اس بندے کا استحقاق تھا، بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ نافرمانوں اور کافروں پر بھی دنیا وسیع کی گئی، اس لیے کہ اللہ اپنی چاہت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے فیصلے صادر کرتا ہے، کبھی تو وہ مصلحتاً فیصلے کرتا ہے اور کبھی علی سبیل الاستدراج فیصلے کرتا ہے اور کبھی وہ نیکوکاروں پر دنیا تنگ کر دیتا ہے، اس لیے بندے کے لیے قیاس آرائیاں مناسب نہیں ہیں۔

③ جس شخص کو دنیا میں نعمتیں ملی ہوں اسے انجام سے غافل ہونا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ

اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے، اور فقیر و محتاج بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے غافل ہو جائے جو اللہ نے اسے عطا کر رکھی ہیں، ان میں اس کے بدن کی سلامتی، عقل، دین، آفات و بلیلات کا اس سے دور ہونا جن کی کوئی انتہاء نہیں ہے، ایسی مصیبتوں کے آجانے کی وجہ سے اسے اپنے لیے مطلقاً اہانت کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے۔

④ نفس انسانی کو محسوس ہونے والی چیزوں سے اس قدر الفت ہو جاتی ہے کہ جب اسے شہوات اور لذات حاصل ہوتی ہیں تو پھر ان سے جدائی اس کے لیے مشکل ہو جاتی ہے اور جب انسان کو اس طرح کی کوئی چیز حاصل نہ ہو تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ اس کی بندگی اور عبودیت میں مشغول ہو جاتا ہے، گویا کہ دنیا کا حصول اور لذتیں اللہ تعالیٰ سے انسان کو محروم کر دیتی ہیں، تو پھر یہ فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ کہ دنیا کا نہ ملنا بد بختی، شقاوت اور اہانت ہے۔

⑤ دنیوی لذتوں، نعمتوں اور راحتوں سے انسان جس قدر لطف اندوز ہو گا اسی قدر ان کی محبت اس میں رچ بس جائے گی، جس قدر ان چیزوں کے ساتھ اسے محبت والفت زیادہ ہو گی اسی قدر ان کی جدائی کے وقت اسے غم والم زیادہ ہو گا، جسے دنیا کے سازوسامان سے زیادہ تعلق ہو گا اسے اس سے محبت بھی زیادہ ہو گی پھر موت کے وقت اسے ان چیزوں سے جدائی میں دکھ بھی زیادہ ہو گا، اور جس کا دنیوی اسباب اور سازوسامان سے اتنا گہرا تعلق نہیں ہو گا اسے موت کے وقت ان دنیوی اشیاء کی جدائی کا اس قدر غم نہیں ہو گا، پتا چلا کہ دنیوی لذات کا حصول موت کے بعد سخت تکلیف کا سبب ہے اور دنیوی لذات کا نہ ملنا یہ موت کے بعد کی سعادت مندی کا سبب ہے، اس لیے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا مل جانا سعادت ہے اور دنیا کا چھوٹ جانا بد بختی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت عتبہ بن ربیعہ، ابو حذیفہ بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، کلبی کہتے ہیں کہ ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی، مقاتل فرماتے ہیں کہ امیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی، دوسرا قول یہ کیا گیا ہے کہ اس وصف کے ساتھ جو بھی کافر موصوف ہو گا وہی مراد ہے، جو روز جزا کا منکر ہے۔ (الکبیر للرازی)

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ: تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے۔ امام ابو منصور ماتریدی نے یتیم کی تکریم کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں،

① یتیم کے مال کی حفاظت کرے تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور اس کی عمدہ ترتیب کرے اور اس کو نیک اخلاق اور آداب سکھائے اور اس کو بری صحبتوں اور بری عادتوں سے بچائے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز اور مکرم ہو۔

② اس کو احکام شرعیہ کی تعلیم دے، اس سے نماز پڑھوائے، روزے رکھوئے اور دیگر مستحب کاموں کی تلقین کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معزز اور مکرم ہو۔

③ اس کے مال کو اپنی ضروریات بقدر حاجت خرچ کرے اور اس کے مال کو نفع بخش تجارت یا کسی عمدہ صنعت پر لگائے تاکہ اس کا مال ختم ہونے یا ضائع ہونے سے بچے، یہ اس کے مال کی تکریم ہے۔ (تبیان القرآن)

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ: اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو۔ ایک ہے یتیم کی خود کفالت کرنا، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا، اس میں بڑا اجر و ثواب ہے، اس کی ترغیب و فضائل احادیث میں موجود ہیں، ایک ہے دوسروں کو اس بات کی ترغیب دینا کہ وہ یتیموں کا خیال رکھیں ان کی تکریم کریں، ان کی ضروریات کو پورا کریں، انہیں کھانا کھلائیں، انہیں کپڑے پہنائیں، ان کو اشیائے ضروریہ مہیا کریں، یہ کام نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے یتیم کی کفالت کی فضیلت یوں بیان فرمائی ہے کہ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اتنا قریب ہوں گے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی قریب ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ (ابن ماجہ) مسلمانوں کے گھر میں وہ گھر بہترین ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھائی کی جاتی ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں

بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا: اور تم میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ جب کوئی مرنے والا مر جاتا ہے تو مال کی محبت کی وجہ سے دوسروں کے حصوں کا مال بھی کھا جاتے ہو چھوٹے بچے جو یتیم ہوتے ہیں اور مرنے والوں کی بیویاں جو بیوہ ہو جاتی ہیں اور جو وارث غائب ہوتے ہیں ان سب کا مال جس کے ہاتھ لگ جاتا ہے لے اڑتا ہے اور اصحاب حقوق کو نہیں دیتا۔ (انوار البیان)

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا: اور تم مال سے بہت محبت رکھتے ہو۔ اس آخری جملہ میں جب مال کی مذمت فرمادی، جتنے طریقوں سے بھی مال حاصل کیا جاتا ہے ان سب طریقوں میں لگ کر جو لوگ مال کے کمانے میں منہمک ہو جاتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں اور احکام شرعیہ کا لحاظ نہیں رکھتے اور نماز سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں آیت شریفہ کے الفاظ میں مجموعی طور پر ان سب کی مذمت بیان فرمادی، بلکہ جہاں جہاں وجوباً یا استحباباً مال خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ نہ کرنا بھی اسی مذمت کے ذیل میں آگیا، درحقیقت مال کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے اور بہت سے گناہوں پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهُ** دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اس لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔ (انوار البیان)

قیامت، رب تعالیٰ اور فرشتوں کی آمد، جہنم کی حاضری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ بروز محشر جہنم کیسے آئے گی اور اس کی کیا حالت ہوگی؟

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا {٢١} وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا {٢٢} وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى {٢٣} الفجر.

جواب ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں چاہیے۔ جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدان حشر میں) آئیں گے۔ اور اس دن جہنم کو

سامنے لایا جائے گا، تو اس دن انسان کو سمجھ آئے گی اور اس وقت سمجھ آنے کا موقع کہاں ہو گا؟

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا: یہاں قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہے کہ یقیناً اس دن زمین پست کر دی جائے گی اونچی نیچی زمین برابر کر دی جائے گی اور بالکل صاف ہموار ہو جائے گی پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا: خود اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لیے آ جائے گا یہ اس عام شفاعت کے بعد ہو گا جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہو گی اور یہ شفاعت اس وقت ہو گی جبکہ تمام مخلوق ایک ایک کر کے بڑے بڑے پیغمبروں کے پاس سے ہو آئے گی اور ہر نبی کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں پھر سب کے سب حضور ﷺ کے پاس آئیں گے اور آپ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لیے تیار ہوں پھر آپ جائیں گے اور اللہ کے سامنے سفارش کریں گے کہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائیے یہی پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ نے آپ ﷺ کو دینے کا وعدہ کر رکھا ہے، جس کی اذان کے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے تشریف لائے گا اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے کہ کیسے آئے گا، مگر آئے گا ضرور، فرشتے بھی اس کے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے اور جہنم بھی لائی جائے گی۔

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا** (مسلم) اس روز جہنم کو لایا جائے گا اور جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى: اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا، برائیوں پر پچھتائے گا نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا گناہوں پر نادم ہو گا۔

اس دن کی ہولناکی اور دہشت کا عالم یہ ہو گا کہ کافر بھی عبرت پکڑے گا اور توبہ تائب ہو گا مگر

افسوس اور حسرت کی بات یہ ہے کہ آج کے دن اس کا عبرت پکڑنا کام نہیں آئے گا، اس کا سجدہ کرنا کام نہیں آئے گا، وعظ و نصیحت کام نہیں آئے گا۔

حسرت کفار اور عذاب نار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ {۲۴} فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ {۲۵} وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ {۲۶} الفجر

جواب ترجمہ: وہ کہے گا کہ: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیج دیا ہوتا۔ پھر اس دن اللہ کے برابر کوئی عذاب دینے والا نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑنے والا ہوگا۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ: یعنی وہ کہے گا: کاش! میں نے دنیا کی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہوتا یا کاش! میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل کیا ہوتا جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ سے نجات مل جاتی۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ أَحَدٌ: سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا۔

وَلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ أَحَدٌ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے عذاب کی طرح اس کو کوئی عذاب نہیں دے گا، اور جس طرح اللہ نے اس کو جکڑا ہے اس طرح اس کو کوئی نہیں جکڑے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح عذاب نہیں دے گا جس طرح اللہ عزوجل آخرت میں کافر کو عذاب دے گا، یعنی جس طرح کافر کو زنجیروں اور طوق سے جکڑا جائے گا، اس طرح کوئی دنیا میں کسی کو نہیں جکڑے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد ابلیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد امیہ بن خلف ہے۔ اس آیت کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ (تبیان القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور اللہ کا پورا اطاعت گذار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے

گا اور چاہے گا کہ اگر میں دنیا کی طرف لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کا کام اور زیادہ کروں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہو گا۔ جو وہ اپنے نافرمان اور نافرجام بندوں کو کرے گا نہ اس جیسی زبردست پکڑ اور قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے۔ (مسند احمد)

نفس مطمئنہ کے لیے بشارت

سوال نفس مطمئنہ کو بروز محشر کیا کہا جائے گا؟

جواب بروز محشر نفس مطمئنہ کو کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ! تو اپنے اللہ کی یاد کی طرف راضی برضا لوٹ جا، اللہ تجھ سے راضی ہے، اللہ نے تیرے لیے جنت میں بیش بہا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، اللہ کے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور ان کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ{۲۷}ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً{۲۸}فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ {۲۹}وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ {۳۰}الفجر. اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

امام ابو منصور محمد بن ماتریدی حنفی فرماتے ہیں، نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو پر سکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ، وعید، امر، نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ جہاں تجھے تیرے رب نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید پر مطمئن ہو کر وہاں لوٹ جا، پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے، وہ اس کو عطاء فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہو جائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہو گی، اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہو گا، اس سے کہا جائے گا، تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور تو ان میں داخل ہو جا، جو جنت کے مستحق ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے گا کہ اے نفس! تو دنیا میں اللہ کے

وعدہ اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی، اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا، اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا، جن کو اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا، جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو جائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ثواب سے راضی ہو جائے گا۔ (تاویلات اہل السنۃ بحوالہ تبیان)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً: کا معنیٰ ہے تو ثواب سے راضی ہے اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي: کا معنیٰ ہے تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواح شریفہ قدسیہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی روحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکوس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے۔

وَادْخُلِي جَنَّتِي: کا معنیٰ ہے کہ نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہو جاتی ہے، اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہو گی، اس لیے وادخلی جنتی کو واؤ کے ساتھ ذکر فرمایا، فاء کے ساتھ نہیں فرمایا، کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل ہو گی اور فادخلی فی عبادی کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی ارواح میں شامل ہو جائے گی۔

ان آخری آیات کے ذیل میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب نیک بختوں کا حال سنئے جو

روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں پاک اور ثابت ہیں حق کی ساتھی ہیں ان سے موت کے وقت اور قبر سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف اس کے پڑوس کی طرف اس کے ثواب اور اجر کی طرف اس کی جنت اور رضامندی کی طرف لوٹ چل یہ اللہ سے خوش ہے اور اللہ اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا تو میرے خاص بندوں میں آجا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کیے ہوئے تھی تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی و رضامند ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَنَّ الْمَلَكَ سَيَقُولُهَا لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ (تفسیر قرطبی) اے ابو بکر! یہ کلمات فرشتہ تجھے کہے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا جس پر آپ نے یہ خوش خبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا۔

ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مفسر القرآن کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرندہ آیا جس طرح کا پرندہ کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے دیکھا گیا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے۔ (ابن کثیر)

اس سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سعادت و خوش نصیبی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ساری زندگی قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی بہت ہی مخلصانہ انداز میں خدمت فرمائی

تھی، قرآن کریم کے مشکل سے مشکل ترین مقامات کی تفسیریں انہوں نے بیان فرمائی تھیں، اللہ نے رحلت کے بعد یہ اعزاز بخشا۔

ابو ہاشم قنات بن زرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو ایک ایک کو وہ یہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کرو ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اڑادی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں اوپر آ گیا اور ان تینوں کی طرف دیکھنے لگا کہ اے فلاں! اور اے فلاں! اور اے فلاں! ان کے نام لے کر انہیں آواز دی جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب کے ساتھ سن رہا تھا اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ {۲۷} ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً {۲۸} فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ {۲۹} وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ {۳۰} اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ زن ہو گیا اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے بادشاہ نے اسی وقت دربار برخواست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یونہی قید میں رہے آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی۔

ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا یہ دعا پڑھا کر

قُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ، وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ، وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ الٰہی میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو تیری قضا پر راضی ہو تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو۔

۱۱، اپریل ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ بوقت پونے دس بجے علی الصبح

حروف بنی: ۲۸ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر، پونے ایک بجے شب

البلد

مکہ مکرمہ، نبی مکرم ﷺ اور انسان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے اور اس کا جواب قسم کیا ہے؟

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ البلد.

جواب ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ جبکہ (اے حبیب ﷺ) آپ اس شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور (قسم کھاتا ہوں) باپ کی اور اس کی اولاد کی۔ کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے بلد الحرام مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، جہاں نبی کریم ﷺ مقیم ہیں اور اللہ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی قسم کھائی ہے اور جو ان کی نسل پھیلی ہے اس کی قسم کھائی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ یہ جواب قسم ہے، جس میں انسان کی پر مشقت، پر تعب زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ: اس آیت میں لفظ "لا" زائد ہے اور اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا، کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے، فرمایا: وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (التین: ۳) اور اس امن والے شہر کی قسم! اور جب اللہ تعالیٰ جس شہر کی قسم کھا چکا ہے تو اس شہر کے قسم کھانے کی نفی کس طرح صحیح ہوگی، اس کی نظیر قرآن کریم میں دوسرے مقام پر موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا کہ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ (الأعراف: ۱۲) اے ابلیس! تجھے سجدہ نہ کرنے سے سے کس نے روکا؟ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہے مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ (ص: ۷۵) تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ جس طرح سورۃ الاعراف میں لا زائدہ ہے اسی طرح یہاں سورۃ البلد میں

بھی لازائدہ ہے، یعنی اس کا یہاں یہ معنیٰ نہیں ہو گا کہ میں قسم نہیں کھاتا ہوں، بلکہ یہ معنیٰ ہو گا کہ میں قسم کھاتا ہوں۔

یہاں اللہ نے البلد کی قسم کھائی ہے، البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جس میں اللہ کا گھر ہے، جس کو بیت اللہ اور کعبہ کہا جاتا ہے، جس کا سورہ آل عمران میں بھی تذکرہ موجود ہے، جو روئے زمین پر سب سے پہلا برکت والا گھر ہے، جسے عالمین کے لیے ہدایت کا سامان بنایا گیا ہے، جس میں اللہ کی بے پناہ نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے، جو اس میں ایک بار داخل ہو جاتا ہے اسے امان مل جاتی ہے، اس گھر کا طواف کیا جاتا ہے، صاحب استطاعت انسان پر زندگی میں ایک بار بیت اللہ شریف کا حج کرنا فرض ہے، باقی جب بھی موقع ملے تو حج نفلی ہو گا۔

یہ وہی بیت اللہ ہے جس کے لیے قرآن کریم کہتا ہے کہ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی جگہ بنادیا اور امن کی جگہ بنادیا، اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ (البقرہ)

رحمت کائنات ﷺ نے اسی مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ

إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلاَ يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلاَ يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، فَقُولُوا: إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا اليَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالأَمْسِ (بخاری)

مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے، اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا، جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ مکہ کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے قتال کرنے سے معارضہ کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے اور مجھے دن کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ)

میں قتال کی اجازت دی تھی، پھر اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔

نبی کریم ﷺ نے منٰی میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا،

أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟، قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَقَالَ: فَإِنَّ هٰذَا يَوْمٌ حَرَامٌ، أَفَتَدْرُونَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟، قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: بَلَدٌ حَرَامٌ، أَفَتَدْرُونَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟، قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا (بخاری)

کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ یوم حرام ہے (عزت اور حرمت والا دن ہے)، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بلد حرام ہے (حرمت والا شہر ہے) پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عزت اور حرمت والا مہینہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اور آج کے مہینہ کی حرمت ہے اور جس طرح تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ: اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں، البلد سے کون سا شہر مراد ہے؟ اس پر سب ارباب تفسیر کا اتفاق ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عزت و حرمت والے شہر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں ہیں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ بڑی شان والے ہیں، مرتبے اور مقام والے ہیں، اللہ کے حبیب و محبوب ہیں اور اللہ کو آپ سے بہت محبت ہے۔

علامہ واسطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نُحَلِّفُ لَكَ بِهٰذَا الْبَلَدِ الَّذِي شَرَّفْتَهُ

بِمَكَانِكَ فِيهِ حَيًّا، وَبَرَكَتِكَ مَيِّتًا، يَعْنِي الْمَدِينَةَ (مفاتیح الغیب) ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں آپ کے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے جب تک آپ حیات ہوں، یہ شہر مکرم ہے اور جب آپ کی وفات ہو تو یہ شہر برکت والا ہے، یعنی مدینہ منورہ۔

مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں جو فرمایا کہ وَأَنْتَ حِلٌّ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَا صَنَعْتَ فِيهِ مِن شَيءٍ فَأَنْتَ فِي حِلٍّ اس شہر میں آپ جو کام بھی کریں وہ آپ کے لیے حلال ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں، سو آپ نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کر دیا اور آپ کے بعد اور کسی شخص کے لیے مکہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا کہ

إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (مسلم)

یہ حرمت و عزت والا شہر ہے، جس دن سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا یہ اسی دن سے اللہ کی دی ہوئی عزت کے ساتھ حرمت والا ہے قیامت تک رہے گا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں قتال حلال نہیں تھا، اور نہ ہی میرے لیے دن کی اس ایک گھڑی کے علاوہ حلال ہوا ہے، یہ قیامت تک اللہ کی دی ہوئی عزت و حرمت کے ساتھ حرمت والا ہے۔

أَنْتَ حِلٌّ کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور یہ آپ کا محل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ اس میں محسن ہیں یعنی آپ اس شہر میں نیک کام کرنے والے ہیں اور میں اس شہر میں آپ سے راضی ہوں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس میں حلال ہیں یعنی آپ اس میں

گناہ گار نہیں ہیں، اہل لغت کہتے ہیں کہ محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حل ہے اور حلال ہے اور محل ہے، اس کا معنیٰ گرہ کھولنا، حلال ہونا اور نازل ہونا، اترنا اور ٹھہرنا ہے یعنی آپ مکہ میں نازل ہونے والے اور ٹھہرنے والے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی تعریف اور تحسین ہے یعنی آپ اس شہر میں کوئی ایسا کام کرنے والے نہیں ہیں، جس کا ارتکاب آپ پر حرام ہو، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے کیا حقوق ہیں، نہ کہ ان مشرکین کی طرح جو اس شہر میں کفر اور معصیت کے کام کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہے کہ میں اس بیت معظم کی قسم کھاتا ہوں جس کی عزت اور حرمت کو آپ جانتے ہیں، سو آپ اس بیت کی تعظیم کرتے ہوئے اس میں مقیم ہیں اور اس شہر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو آپ پر حرام ہو۔ (تفسیر کبیر للرازی)

شرحبیل بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس شہر میں حلال ہیں اور کفار مکہ میں قتل کرنے کو اور شکار کرنے کو اور اس کے درختوں کو کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود وہ مکہ سے آپ ﷺ کے نکالنے کو اور آپ ﷺ کے قتل کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر للرازی)

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ: اور انسان کے والد کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم۔ یہاں والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اس کی اولاد سے مراد ان کی نسل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عمدہ مخلوق ہیں، اس میں انبیاء علیہم السلام بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیگر دعوت دینے والے بھی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے نیک لوگوں کی قسم ہے اور جو کفار اور فساق اور فجار ہیں وہ گویا کہ حیوانات ہیں، ایک قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام

ہیں اور اولاد سے مراد ان کی ذریت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان کی تمام ذریت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ان کی ذریت میں سے مسلمان ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام والد اور اس کی اولاد ہے۔ ماوردی رحمہ اللہ نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ہوں کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ ﷺ کا ذکر ہے اور اولاد سے مراد آپ کی امت ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ (ابو داؤد، نسائی) میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ: بیشک ہم نے انسان کو اس کی مشقت میں پیدا کیا، یہاں انسان سے مراد ابن آدم ہے، کبد کا معنٰی دشواری اور مشقت ہے، انسان کو مشقت و دشواری کا یوم پیدائش سے ہی سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر انسان پر جو مرحلہ بھی گزرتا ہے وہ دشوار اور پر مشقت ہی ہوتا ہے، شکم مادر کا ایک مرحلہ ہے، ماں کے پیٹ میں بچے کا سر سیدھا ہوتا ہے، جب اللہ اسے دنیا میں لانا چاہتے ہیں تو اس کا سر ماں کی ٹانگوں کی طرف کر دیتے ہیں، دنیا میں آدم کے بعد پہلی مشقت کا سامنا اس وقت کرنا پڑتا ہے جب اس کی ناف کی نالی کاٹی جاتی ہے، پھر اسے جب نہلا دھلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کی مشقت ہے، پھر مدت رضاعت یعنی دودھ پینے کا مرحلہ ہے، اس میں بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دانت نکلتے وقت ایک مشقت کا سامنا ہے، زبان کو حرکت دینے میں بھی مشقت ہے، پھر دودھ چھڑانے کا مرحلہ آتا ہے وہ بھی مشقت والا ہوتا ہے، یہ مرحلہ تو اسے تھپڑ رسید کرنے سے بھی زیادہ پر مشقت ہوتا ہے، مدت پوری ہونے پر دودھ چھڑانا چاہتی ہے مگر بچہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا پھر اسے زبردستی چھڑا دیا جاتا ہے، پھر ختنے کرانے کے زمانہ میں بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر بچے کو مدرسہ میں داخل کرنے کا مرحلہ آتا ہے، اس کے لیے پریشانیوں کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جاتا ہے، اسے استاذ، معلم اور اتالیق کے رعب و دبدبے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر ادب سیکھنے

اورزندگی کے ڈھنگ رنگ سیکھنے میں اسے کئی بار جھڑکیاں کھانا پڑتی ہیں، یہ بھی اس کے لیے مشقت اور سختی کا زمانہ ہے۔

زمانہ طالب علمی سے فراغت کے بعد کاروبار، روزگاراور تلاش معاش کی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر شادی، نکاح اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کا وقت آن پہنچتا ہے، جو پر از مسائل ومشقت ہوتا ہے، پھر سلسلہ توالد وتناسل آگے بڑھتا ہے اس کی مشقتیں ہوتی ہیں، پھر نوکروں چاکروں کی مشقت ہوتی ہے، پھر گھر بنانے اور تعمیر کرنے کی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آفتاب شباب رفتہ رفتہ ڈھلتا ہے، چہرے اور سر پر سفید چاندی اترنا شروع ہوتی ہے، بڑھاپے کی آمد کے ساتھ ہی عہد ضعیفی کی مشقتیں شروع ہو جاتی ہیں، کہیں گھٹنے کے الم اور کہیں قدم کے درجاگ اٹھتے ہیں، رفتہ رفتہ بیماریاں اور مشقتیں ڈیرے ڈال لیتی ہیں، کہیں سر درد جان نہیں چھوڑتا اور کہیں داڑھ کی تکلیف عذاب جان بن جاتی ہے، کہیں آشوب چشم ڈیرے ڈال لیتی ہے اور کہیں بینائی رخصت ہو جاتی ہے، کہیں شنوائی متأثر ہو جاتی ہے۔

کمائی کا دور اختتام پذیر ہوتا ہے، فقر وفاقے کی مشقت گھیر لیتی ہے، قرض ادھار پر گزارہ کیا جاتا ہے، قرض خواہوں کی طلب وتقاضے سے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں، بڑھاپا کیا آیا کہ ہر چیز انسان کو مصیبت دکھائی دینے لگتی ہے۔

بڑھاپے کے بعد ملک الموت کی آمد کا انتظار ہے، ملک الموت آجاتا ہے جان قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے، یہ مرحلہ بھی کون سا آسان ہوتا ہے، حیات دنیا میں جب مصائب ومسائل کا سامنا ہوتا تھا تو کہتے تھے مر کر چین پائیں گے، اب مر کر بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے، سکرات الموت کی سختی ہوتی ہے، جان کنی کے عالم میں مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

موت کے بعد قبر کی اندھیری کوٹھڑی میں رکھ دیا جاتا ہے، جہاں بھیانک شکل والے منکر نکیر کے تیکھے اور ترچھے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایمان وایقان سے تہی انسان کو فرشتوں کے ہاتھوں پڑنے والے گرزوں سے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہوں گے، پھر ہنگامہ یوم النشور تک پر تعب

ومشقت، پر مصیبت و پر درد زندگی گزرتی ہے، زمانہ طویل یہاں کالی کوٹھڑی میں رہنے کے بعد پھر اٹھنا ہے اور میدان محشر کی طرف جانا ہے، وہ بھی بڑا کٹھن مرحلہ ہوگا، پھر پلصراط، پھر حساب، پھر دوزخ یا جنت، یہ سارے مراحل قریباً ہر شخص پر گزرتے ہیں اور گزریں گے۔

انسان، جہنم کی گھاٹی، مسکین، یتیم، اہل ایمان واہل کفر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۚ{۵}يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا {۶}اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۛ{۷}اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ {۸}وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ {۹}وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ{۱۰}فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ{۱۱}وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ{۱۲}فَكُّ رَقَبَةٍ{۱۳}اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ{۱۴}يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ {۱۵}اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ{۱۶}ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ{۱۷}اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ{۱۸}وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ {۱۹}عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ{۲۰} البلد.

جواب ترجمہ: کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا؟ کہتا ہے کہ: میں نے ڈھیروں مال اڑا ڈالا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔ پھر وہ اس گھاٹی میں داخل نہیں ہو سکا۔ اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی کی گردن (غلامی سے) چھڑا دینا ہے۔ یا پھر کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلا دینا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو۔ یا کسی مسکین کو جو مٹی میں رل رہا ہو۔ پھر وہ ان لوگوں میں بھی شامل نہ ہوا جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تاکید کی ہے، اور ایک دوسرے کو رحم کھانے کی تاکید کی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے نصیب والے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے، وہ نحوست والے لوگ ہیں، ان پر ایسی آگ مسلط ہوگی جو ان پر بند کر دی جائے گی۔

أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ: کیا ابن آدم یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے، اس کا تعاقب نہیں کرے گا، ایسا گمان کرنے والا شخص کون تھا؟ تفسیر خازن میں ہے کہ یہ ابوالاشد تھا یا ولید بن مغیرہ مخزومی تھا، یہی بدبخت نبی کریم ﷺ کی عداوت و دشمنی میں اندھا ہوا جارہا تھا۔

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالاً لُبَداً: مال لبد کا معنیٰ بہت زیادہ مال، لیث رحمہ اللہ نے کہا: مال لبد سے مراد یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ مال ہو کہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے فناء ہونے کا خوف نہ ہو، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر یہ کہتا ہے کہ میں نے (سیدنا) محمد ﷺ کی عداوت میں مال کثیر خرچ کیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی بڑائی اور فخر کو ظاہر کرنے کے لیے مال کثیر خرچ کرتے تھے، اس کے متعلق ان میں سے کسی نے کہا: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ: کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نہیں دیکھا اور وہ اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ کلبی نے کہا: وہ جھوٹا ہے، اس نے کچھ خرچ نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا خرچ کر رہا ہے اور کیا خرچ نہیں کر رہا، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَاناً وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟ اور کیا ہم نے اس کو خیر اور شر کے دونوں راستے نہیں دکھا دیے؟

حدیث قدسی ہے، حضرت ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: يَابن آدَمَ، إِنْ نَازَعَكَ لِسَانُكَ فِيمَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ، فقد أَعَنتُكَ عَلَيهِ بِطَبَقَين، فَأَطبِق، وإن نازعك بَصَرُكَ فِيمَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ، فَقَدْ أَعَنْتُكَ عَلَيْهِ بِطَبَقَيْنِ، فَأَطْبِقْ، وَإِنَّ نَازَعَكَ فَرْجُكَ إِلَى مَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ، فَقَدْ أَعَنْتُكَ عَلَيْهِ بِطَبَقَيْنِ، فَأَطْبِقْ (تفسیر قرطبی)

بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! اگر تیری زبان اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کے کرنے کے متعلق تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کرلے، اور اگر تیری آنکھ حرام کاموں کے کرنے میں تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کرلے اور اگر تیری شرم گاہ تجھ سے حرام کاموں میں جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کرلے۔

آنکھیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور عطاء ہیں، ان دو ظاہری نعمتوں کا تقاضا ہے کہ انسان ہمہ وقت اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے، ان دو نعمتوں کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو ان سے محروم ہو کر دوسروں کے محتاج بن جاتے ہیں، راستہ پانے سے لے کر منزل مقصود تک پہنچنے تک میں نابینا افراد دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

در منثور میں مکحول رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَقُولُ اللهُ يَا ابْنَ آدَمَ قَدْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكَ نِعَمًا عِظَامًا لَا تُحْصِي عَدَّهَا وَلَا تُطِيقُ شُكْرَهَا وَإِنْ مِمَّا أَنْعَمْتُ عَلَيْكَ أَنْ جَعَلْتُ لَكَ عَيْنَيْنِ تَنْظُرُ بِهِمَا وَجَعَلْتُ لَهُمَا غِطَاءً فَانْظُرْ بِعَيْنَيْكَ إِلَى مَا أَحْلَلْتُ لَكَ فَإِنْ رَأَيْتَ مَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ فَأَطْبِقْ عَلَيْهِمَا غِطَاءَهُمَا وَجَعَلْتُ لَكَ لِسَانًا وَجَعَلْتُ لَهُ غِلَافًا فَنَطِقْ بِمَا أَمَرْتُكَ وَأَحْلَلْتُ لَكَ فَإِنْ عَرَضَ لَكَ مَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ فَأَغْلِقْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَجَعَلْتُ لَكَ فَرْجًا وَجَعَلْتُ لَكَ سِتْرًا فَأَصِبْ بِفَرْجِكَ مَا أَحْلَلْتُ لَكَ فَإِنْ عَرَضَ لَكَ مَا حَرَّمْتُ عَلَيْكَ فَأَرْخِ عَلَيْكَ سِتْرَكَ ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَا تَحْمِلُ سَخَطِي وَلَا تَسْتَطِيعُ انْتِقَامِي (در منثور)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطاء کی ہیں، جو عدد شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا، اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنادی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لیے پردے (پلکیں) بنادیے ہیں، تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا تو ان

پردوں (پلکوں) کو بند کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لیے غلاف بنادیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول، جو باتیں تیرے لیے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حرام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے، اور میں نے تیرے لیے شرم بنائی ہے اور اس کے لیے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے لیے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے، اے ابن آدم! میری ناراضگی کو نہ اٹھا اور تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ: مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ** کا معنیٰ ہے ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرادی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہدایت اور گم راہی کے راستوں کی پہچان کرادی۔

امام ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: اے لوگو! یہ دو راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شر کا راستہ خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔

ان آیات میں اس پر واضح دلیل ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے، اس کو حواس عطاء کیے ہیں اور عقل سلیم دی ہے، اس کو نیکی اور بدی کے راستے دکھادیئے ہیں اور سمجھادیئے ہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ نیکی کے راستے کو اختیار کرے اور برائی کے راستے کو ترک کر دے اور اگر اس نے اختیار کے باوجود نیک عمل نہیں کیے اور برے عمل کرتا رہا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے دوزخ بنائے گا۔ (تبیان القرآن)

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ: پھر وہ اس گھاٹی میں داخل نہیں ہوسکا، گھاٹی دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کو کہتے ہیں، عام طور پر جنگ کے دوران ایسے راستے کو دشمن سے بچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، اور یہاں گھاٹی میں داخل ہونے سے مراد ثواب کے کام کرنا ہے، ان کو گھاٹی میں داخل ہونا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں مدد دیتے ہیں۔ (توضیح القرآن)

حسن رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دشوار گزاری گھاٹی پر چڑھنے کے ذکر میں یہ مثال دی ہے کہ انسان نے اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کی اور غلط نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا اور نیکی کرنے میں شیطان کے بہکانے سے جہاد کیوں نہیں کیا۔ حسن رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی گھاٹی بہت شدید ہے، اور یہ انسان کا اپنی ناجائز خواہشوں سے اور شیاطین انس اور جن سے جہاد کرنا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی تفسیر برحق ہے کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ محسوسات کے عالم سے نکل کر انوار الٰہیہ کے عالم میں پہنچ جائے اور اس مادی عالم اور عالم قدس کے درمیان بے شمار دشوار گزار گھاٹیاں اور پر خطرہ وادیاں ہیں جن کو عبور کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ: آپ کیا جانیں کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے نہیں ہے کہ وہ گھاٹی کوئی بہت بڑی ہے اور ناقابل عبور ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بہت اہم ہے، اللہ کے نزدیک اس کو عبور کرنا ضروری ہے تاکہ انسان جرأت کرکے گھس جائے اور جست لگادے، اگرچہ اس کی راہ میں مشکلات حائل ہوں، کیونکہ محنت اور مشقت کے بغیر تو کوئی کام بھی نہیں ہوتا اور اگر کوئی یہ مشقت برداشت کرے گا تو اسے ضرور اس کا ثمرہ مل جائے گا اور اس کی تکالیف کا صلہ اس کے سامنے ہوگا اور اس کا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا اور یہ کام ہر حال میں ہونے والا ہے۔

یہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ یہ وہ چیز ہے جس کی مکہ کی سوسائٹی کو بے حد ضرورت تھی، جہاں تحریک اسلامی دعوت کا کام کررہی تھی، ان غلاموں کو آزادی دلانا جو اس سوسائٹی میں نہایت ہی برے حالات کار میں کام کررہے تھے، اس خود غرض سوسائٹی میں لوگ نہایت ہی خود غرضی سے مفادات کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور نادار لوگ بھوک سے مر رہے تھے، اس میں لوگوں کے لئے ابتدائی انسانی ضروریات فراہم کرنا، یہ باتیں تو مکہ کی سوسائٹی کے پس منظر میں تھیں۔

باقی بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق کسی زمان ومکان سے نہیں ہے اور جن کا تعلق تمام انسانوں کے ساتھ ہے اور جو نجات کے لئے ہمیشہ دشوار گزار گھاٹی کی طرح رہے ہیں۔ (ظلال)

فَكُّ رَقَبَةٍ: (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا، الفَكُّ کا معنی ہے: طوق اور بیڑیوں کو کاٹ دینا اور یہاں اس سے مراد ہے، کسی انسان کے گلے سے غلامی یا قرض کا طوق اتار دینا۔

حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ (بخاری، مسلم) جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے حَتَّى يَعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ (ترمذی) حتیٰ کہ اِس کی شرم گاہ کو اُس کی شرم گاہ کے بدلہ میں جہنم سے آزاد کرے گا۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

أَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ، أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، كَانَ فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِي كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ، أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ، كَانَتَا فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِي كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ، أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً، كَانَتْ فَكَاكَهَا مِنَ النَّارِ، يُجْزِي كُلُّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهَا (ترمذی، سنن کبریٰ للبیہقی) جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہو گا، اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہو گا اور جس مسلمان مرد نے دو مسلمان عورتوں کو آزاد کیا تو ان دونوں عورتوں کی آزادی اس کے لیے دوزخ سے چھڑانا ہو گا، ان دونوں کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہو گا، اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے گی تو اس کا یہ آزاد کرنا دوزخ سے چھڑانا ہو گا اور اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہو گا۔

غلام کو آزاد کرنا اور صدقہ کرنا دونوں افضل عمل ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک أَنَّ الْعِتْقَ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ غلام کو آزاد کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک الصَّدَقَةُ أَفْضَلُ صدقہ کرنا، غلام آزاد کرنے سے افضل ہے، اور اس آیت

میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام کو آزاد کرنے کا ذکر صدقہ دینے سے پہلے کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ فَكَّ رَقَبَةً فَكَّ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِّنَ النَّارِ جس نے غلام کی گردن چھڑائی، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (ابو داؤد، تفسیر قرطبی)

أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ: یا بھوک کے دن کھانا کھلایا، یہاں مَسْغَبَة کا لفظ ہے، یہ اسم مصدر ہے، اس کا معنی ہے، بھوک، بھوکا ہونا، سغب کا معنی ہے، ایسی بھوک یا پیاس جس میں تھکان سی محسوس ہو۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَاعْلَمْ أَنَّ إِخْرَاجَ الْمَالِ فِي وَقْتِ الْقَحْطِ وَالضَّرُورَةِ أَثْقَلُ عَلَى النَّفْسِ وَأَوْجَبُ لِلْأَجْرِ قحط، تنگ دستی اور شدید ضرورت کے وقت مال نکالنا انسان کے نفس پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (البقرہ : ۱۷۷) اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ درواروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور گردن چھڑانے کے لیے مال دے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (الدھر : ۸) اور وہ کھانے کی ضرورت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے مِن مُوجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ إِطْعَامُ الْمُسْلِمِ السَّغْبَانَ (حاکم، بیہقی، در منثور) بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا باعث مغفرت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (بخاری) تم جس شخص کو پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے ہو، اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔

قرآن وسنت کی واضح اور روشن تعلیمات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلانا کس قدر فضیلت کی بات ہے، مگر جب انسان کا اپنا پیٹ بھوک کی وجہ سے کھانے کا طلب گار ہو تو ایسے میں دوسروں کو کھلانا اور زیادہ فضیلت کی بات ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔ (کنز العمال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب، شعب الایمان)

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھلائی حتی کہ وہ سیر ہو گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کر دے گا، ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ (شعب الایمان، کنز العمال، تفسیر تبیان القرآن)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اس کو رحیق (شراب طہور) سے پلائے گا۔ (شعب الایمان)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے سے داخل کرے گا، جس میں سے صرف اس جیسے مسلمان داخل ہوں گے۔ (معجم الکبیر للطبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے گناہ زیادہ ہوں تو پانی کے گھاٹ پر لوگوں کو پانی پلاؤ، تمہارے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح تیز آندھی سے درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (تاریخ بغداد، کنز العمال)

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی پیاسے کو پانی پلا کر اس کو سیر کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دے گا اور اس سے کہا جائے گا اس دروازے سے داخل ہو اور جس نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر اس کو سیر کر دیا، اس کے لیے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔ (معجم الکبیر للطبرانی،)

يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ: ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو، انسانوں میں یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بچپن میں باپ فوت ہو گیا ہو اور حیوانات میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی بچپن میں ماں فوت ہو گئی ہو اور بعض اہل لغت یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ دونوں فوت ہو گئے ہوں۔ (تفسیر قرطبی)

جو یتیم ہو اس پر صدقہ کرنے میں فضلیت ہے لیکن جو یتیم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو، اس پر صدقہ کرنے میں دوہری فضلیت ہے، جس یتیم کی کفالت کرنے والا کوئی ہو تو اس پر صدقہ کرنے میں فضلیت ہے لیکن جس یتیم کا کوئی کفیل نہ ہو، اس پر صدقہ کرنے میں دوہری فضلیت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، **مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ إِلاَّ أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لاَ يُغْفَرُ لَهُ** (ترمذی) جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو رکھا اور اس کو اپنے کھانے پینے میں شامل کیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، سوائے اس کے کہ اس کا کوئی ایسا گناہ ہو جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ، وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ يَعْنِي: السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى** میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے، آپ نے اُنگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اِشارہ فرمایا۔ (ترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اس کی اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکا ہو اور وہ اس کے ساتھ نیک

سلوک کرے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہو گا اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔ (مسند احمد، حلیۃ الاولیاء، معجم الکبیر، معجم الاوسط)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کس کو صدقہ دینا سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قرابت دار کو جو پہلو تہی کرتا ہو۔ (سنن دارمی، مسند احمد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنا دو صدقے ہیں، ایک صدقہ ہے اور ایک صلہ رحم ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کے لیے یہ صدقہ کافی ہو گا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنی گود کے بچوں کو صدقہ دے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر صدقہ کا ہو گا اور ایک اجر قرابت داری کا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ: خاک نشین مسکین کو، خاک نشین سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، حتی کہ فقر کی وجہ سے وہ مٹی سے آلودہ ہے اور سوائے خاک اور مٹی کے اس کا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو راستہ (فٹ پاتھ) پر پڑا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا، یہ وہ شخص ہے جو اپنے جسم اور لباس کو مٹی سے نہ بچا سکے، قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عیال دار ہو، عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ مقروض ہو، ابو سنان رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ اپاہج ہو، ابن جبیر رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد ہے جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ: پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی، یعنی جو لوگ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھیں گے اور نفس کے ناجائز تقاضوں سے جنگ اور جہاد کریں،

ان کا یہ جہاد اس وقت قابل تحسین اور لائق اجر ہو گا، جب وہ مومن ہوں اور اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کا یہ سارا جہاد رائیگاں جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ

يَارَسُولَ اللهِ، إِنَّ ابْنَ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَيُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَيَفُكُّ الْعَانِي، وَيُعْتِقُ الرِّقَابَ، وَيَحْمِلُ عَلَى إِبِلِهِ لِلّٰهِ، فِعلٌ يَنْفَعُهُ ذٰلِكَ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ

یارسول اللہ ﷺ! زمانہ جاہلت میں ابن جُدعان رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا اور اللہ کی راہ میں لوگوں کو اونٹوں پر سوار کرتا تھا، کیا ان اعمال سے اس کو نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (مسلم، تفسیر قرطبی)

انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی، یعنی وہ ایک دوسرے کو ایمان کی راہ میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ہر امتحان میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ مظلوم اور فقیر پر رحم کریں یا جو شخص برے کام کر رہا ہو، اس کو برائی سے روکیں کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں رحم کرنا ہے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو نیکی کا راستہ دکھائے اور اس کو بدی کے راستہ پر چلنے سے روکے۔

اور جو مؤمنین اس دشوار گھاٹی پر چڑھے اور جنہوں نے ہر آزمائش میں صبر کیا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کی، اس گروہ کے سرخیل اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے موافقین اور بعد کے اخیار تابعین ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبر کی وصیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور رحم کی وصیت سے مراد مخلوق پر شفقت ہے اور اسلام کے تمام احکام کا مدار اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق کی شفقت پر ہے۔(تفسیر تبیان القرآن)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ: وہی لوگ دائیں طرف والے ہیں یعنی برکت والے ہیں، یہی وہ لوگ ہوں گے جن کو ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے، یہ خوشی اور مسرت کے عالم میں لہرالہرا کر اپنے اعمال نامے دوسروں کو دکھاتے پھریں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس)، یہ وہی لوگ ہیں جن کو ان کے اعمالنامے بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے سے پکڑائے جائیں گے، یہ اپنے اعمالناموں سے بہت شرمندہ اور نادم ہوں گے کسی کو نہیں دکھائیں گے، یہ بدبخت لوگ ہیں۔

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ: ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی۔ یہاں لفظ مُؤْصَدَةٌ استعمال فرمایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور کسی دروازے کو کھولا نہیں جائے گا، نہ دوزخ سے ان کا کوئی غم باہر نکلے گا اور نہ باہر سے کوئی خوشی دوزخ کے اندر داخل ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کا مکمل احاطہ کرلے گی۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں {مُؤْصَدَةٌ} مُطْبِقَةٌ فَلَا ضَوْءَ فِيهَا وَلَا فُرَجَ، وَلَا خُرُوجَ مِنْهَا آخِرَ الْأَبَدِ اس طرح بند کی ہوئی کہ اس میں روشنی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی شگاف ہے اور نہ ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کوئی چیز باہر نکلنے والی ہے۔

حضرت ابو عمران جونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَمَرَ اللهُ بِكُلِّ جَبَّارٍ وَكُلِّ شَيْطَانٍ وَكُلِّ مَنْ كَانَ يَخَافُ النَّاسُ فِي الدُّنْيَا شَرَّهُ، فَأُوثِقُوا فِي الْحَدِيدِ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ، ثُمَّ أَوْصَدُوهَا عَلَيْهِمْ، أَيْ:

أَطْبَقُوهَا قَالَ: فَلَا وَاللّٰهِ لَا تَسْتَقِرُّ أَقْدَامُهُمْ عَلَى قَرَارٍ أَبَدًا، وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَنْظُرُونَ فِيهَا إِلَى أَدِيمِ سَمَاءٍ أَبَدًا، وَلَا وَاللّٰهِ لَا تَلْتَقِي جُفُونُ أَعْيُنِهِمْ عَلَى غَمْضِ نَوْمٍ أَبَدًا.. وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَارِدَ شَرَابٍ أَبَدًا (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

جب روز محشر ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہر سرکش، ہر شیطان اور اس شخص کو جس کے شر سے دنیا میں لوگ خوف زدہ تھے کے بارے میں حکم دے گا چنانچہ انہیں لوہے میں باندھ دیا جائے گا، پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا پھر جہنم بند کر دی جائے گی خدا کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں، خدا کی قسم کبھی صورت ہی دکھائی نہ دے گی خدا کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں، خدا کی قسم انہیں کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال کرنے کی توفیق دے جن کی برکت سے ہمیں جنت کی پر عیش و آرام زندگی مل جائے اور دوزخ کی ہولناکی اور تباہی سے ہماری ہر لحاظ سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

ہمیں کثرت سے آخرت کو یاد رکھنا چاہیے، آخرت کی تیاری میں مصروف و مشغول رہنا چاہیے، اللہ کے احکامات اور نبوی اعمال کے مطابق اپنی شبانہ روز زندگی بسر کرنا چاہیے، جب ہم اللہ کے احکامات اور نبوی اعمال کی پیروی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے، جب اللہ کے محبوب بن جائیں گے تو وہ اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے گا کہ انہیں بروز محشر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی یہ لوگ غم گین ہوں گے، پھر اللہ ان سب کو اپنے فضل و کرم اور احسان سے دوزخ کی دھکتی آگ سے بچا کر ابد الآباد نعمتوں والی جنت کا مکین بنا دے گا، یہ لوگ پھر اس رب العالمین کے مہمان ہوں گے، اللہ ہم سب کو ایسا بنا دے۔ آمین

حودہلہشنحودہلل آج سورۃ البلد کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ جل شانہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس عظیم الشان کام کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر ہماری نجات و فلاح کا سامان بنائے، اس کار خیر کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

۱۳ اپریل ۲۰۲۰ء بروز پیر، رات سوا دو بجے

حروف بینی: ۲۸ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر، بوقت بعد نماز ظہر، سوا ۲ بجے

الشوس

تزکیہ نفس باعثِ فلاح

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کس چیز کی قسم کھائی اور جواب قسم کیا ہے؟

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۙ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۖ﴿۳﴾ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۖ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۚ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ الشمس.

جواب ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اس کی پھیلی ہوئی دھوپ کی۔ اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھا دے۔ اور رات کی جب وہ اس پر چھا کر اسے چھپالے۔ اور قسم ہے آسمان کی، اور اس کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ اور انسانی جان کی، اور اس کی جس نے اسے سنوارا۔ پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لیے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اس کے لیے پرہیز گاری کی ہے۔ فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے۔ اور نامراد وہ ہو گا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ① سورج، سورج کی دھوپ، سورج کی روشنی، ② چاند، چاندنی، ③ دن کے اجالے، ④ رات کی تاریکی، ⑤ آسمان کی بلندی اور اس کے خالق، ⑥ زمین کی پستی اور اس کے خالق، ⑦ انسانی جان اور اس کے خالق اور انسانی نفس میں نیکی اور بدی ڈالنے والے کی قسم کھانے کے بعد جواب قسم میں فرمایا کہ کامیاب و کامران اور فائز المرام وہ ہو گا جو نفس انسانی کو پاکیزگی اور طہارت سے سنوارے گا، جب کہ وہ ناکام، نامراد اور ٹوٹے میں چلا جائے گا جو نفس انسانی کو گناہوں، آلودگیوں اور غلاظتوں میں دھنسائے گا۔

جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ قسمیں کھاتا ہے اسے وہاں کسی بھی طرح قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر چونکہ وہ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق اور پالنہار ہے وہ بڑی حکمت سے انسان کو طاعت وفرمانبرداری کی ترغیب دیتا ہے تاکہ انسان معاصی، گناہ اور نافرمانی سے بچ جائے، اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے بندوں کو خبردار کرتا چلا جاتا ہے، وہ ان قسموں میں ایسی ایسی چیزوں کو شامل کرتا چلا جاتا ہے جن میں انسان کے لیے بے شمار منافع پوشیدہ ہوتے ہیں، وہ ان چیزوں کی قسمیں کھا کر ان کی شان کو چار چاند لگاتا ہے تاکہ انسان جسے اطاعت وفرمانبرداری کا مکلف بنایا گیا ہے وہ غور وفکر کرے اور ان چیزوں میں اس کے لیے رکھے گئے انواع واقسام کے منافعوں پر شکر گزاری کرے، اللہ ان چیزوں کی قسمیں اس لیے کھاتا ہے تاکہ انسانی قلب ودماغ میں ان چیزوں کی وقعت پیدا ہو اور یہ چیزیں اس کے غور وفکر کی صلاحیتوں کو مزید تقویت دیں اور مضبوطی بخشیں۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی، یہاں سورج کے بعد ضحیٰ کا لفظ ہے جس کا معنیٰ سورج کی روشنی اور اس کی گرمی ہے، علمائے فلکیات کے علم کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج میں ایسے اثرات رکھے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی باریک حکمتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں۔

ماہرین فلکیات کا کہنا ہے کہ سورج نور کے سائے کو ختم کر دیتا ہے، اور چاند کے نور سے چھپ جاتا ہے اور ستارے دکھائی نہیں دیتے، ہوا میں سورج کے نور کے چمکیلے ذرات غبار کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ سورج کی گرمی وتمازت سے کھیتوں میں سبزیاں تیار ہوتی ہیں اور غلے کے دانے پکتے ہیں، باغات میں پھل تیار ہوتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، انسانی اور حیوانی صالح غذائیں تیار ہوتی ہیں۔

پھر سورج کی حدت، تمازت اور گرمی بہت زیادہ ہے، اللہ نے سورج اور زمین کے درمیان ایک مناسب فاصلہ قائم رکھا ہوا ہے، اگر یہ فاصلہ نہ ہو تو سب کھیت اور کھلیان، باغ اور غالیچے، پھول اور پھل، میوے اور ثمرات تباہ وبرباد ہو جائیں۔

سورج کئی ہزار میل کی مسافت طے کرتا ہے اور پوری زمین کے گرد ایک چکر کاٹتا ہے، پھر سورج

سے رب تعالیٰ اپنے جود و کرم کا اظہار کرتا ہے، اس لیے کہ سورج کی روشنی اور تمازت ہر روح والی چیز کو پہنچ رہی ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، مطیع و فرمانبردار ہو یا عاصی و نافرمان، عبادت گزار ہو، یا عبادت گزاری سے کوسوں دور، شکر گزار ہو یا ناشکرا۔

وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا: اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے، یہاں تَلَاهَا کا لفظ آیا ہے، یہ تَلَا یَتلُوا تِلوًا سے ہے، اس کا معنیٰ ہے پیچھے پیچھے آنا، ایک چیز کا دوسری کے پیچھے چلنا، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، مہینے کے نصف اول میں سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی میں سورج کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو پہلی رات کا چاند سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد نظر آتا ہے، چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے، چودھویں رات کو جب چاند پورا نظر آتا ہے تو اس وقت وہ روشن ہونے میں سورج کے قائم مقام ہوتا ہے۔

سورج کی طرح اللہ نے چاند میں بھی بڑی خصوصیات رکھی ہیں، اگر غذائیں سورج سے تیار ہوتی ہیں تو ان میں ذائقے چاند کی چاندنی کے باعث آتے ہیں، سورج کے فوائد کی طرح چاند کے فوائد بھی تمام مخلوقات کو پہنچتے ہیں۔

وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا: اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھا دے۔ جَلَّاهَا کی ضمیر زمین یا دنیا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اگرچہ اس سے پہلے زمین اور دنیا کا ذکر نہیں آیا مگر محاورات عرب میں ایسی چند چیزیں جو عموماً انسانوں کے سامنے رہتی ہیں ان کی طرف بغیر ذکر ماسبق کے بھی ضمیر راجع کر دینا مشہور و معروف ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں۔

اس اعتبار سے معنیٰ یہ ہوئے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا ہے اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ دن کی قسم اس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ پوری طرح روشن ہو جائے اور عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے، یہ اسناد مجازی ہو گی اور مطلب

یہ ہو گا کہ جب دن نکل آنے کے سبب آفتاب روشن نظر آنے لگے۔(معارف القرآن)

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا: اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے۔ رات دنیا کو چھپالیتی ہے، یا روئے زمین کو چھپالیتی ہے یا سورج کو چھپالیتی ہے یا اپنی ظلمت سے مخلوق کو آنکھوں سے چھپالیتی ہے، سورج اور چاند کی بہ نسبت رات اور دن کے توارد میں زیادہ سلطنت اور زیادہ تصرف ہے، کیونکہ رات اور دن کے تعاقب اور آنے جانے سے مدتیں پوری ہوتی ہیں اور عمریں تمام ہوتی ہیں اور کوئی شخص اپنے آپ کو ان کی زد سے بچا نہیں سکتا، سورج کی حدت اور تیز روشنی کی زد سے انسان خود کو بچا سکتا ہے کہ وہ ایسے حجاب میں چلا جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے، اسی طرح اگر کسی انسان کو چاند کی روشنی اچھی نہ لگے تو وہ کسی اوٹ میں رہ کر چاند سے چھپ سکتا ہے لیکن دن اور رات کی گردش کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دن کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں جب خوب روشنی پھیل جاتی ہے تو انسان اور حیوان سب اپنے معاش اور روزی کے حصول کے لیے نکلتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اور رات کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں کی ہوئی جدوجہد سے اعصاب تھک جاتے ہیں تو رات کی نیند اس تھکاوٹ کو اتارتی ہے۔(تبیان)

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا: اور آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا، زجاج نے کہا: اس آیت میں لفظ مَا، الذی" کے معنی میں ہے، ہر چند کہ مَا کی وضع غیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن کبھی اس کا مجازاً استعمال ذوی العقول کے لیے بھی ہوتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں مَا" من" کے معنی میں ہے اور دونوں تاویلوں کے اعتبار سے یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، پہلی تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے، سورج، چاند، دن، رات اور آسمان بنانے والے کی قسم! اور دوسری تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے اور آسمان کی قسم اور جس نے اس کو بنایا۔(تاویلات اہل السنۃ)

یہ آسمان اور زمین کی ساخت، ان کی عظمت اور ان کی فیض بخشی کی طرف توجہ دلائی کہ یہ بھی اپنے بنانے والے کی عظیم قدرت، بے نہایت حکمت اور غیر محدود ربوبیت کی شہادت دیتے ہیں، کوئی بڑے سے بڑا کام بھی اس کے لئے ناممکن نہیں ہے، اس کی حکمت اور اس کی رحمت و ربوبیت ہمہ گیر

ہے، اس کی اس قدرت، حکمت اور ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ لوگوں کو اس میں شتر بے مہار بنا کے نہ چھوڑے بلکہ دیکھے کہ جن کے لیے اس نے یہ سب کچھ بنایا وہ اس میں کیا بنا رہے ہیں اور پھر ان کے رویہ کے مطابق ان کو جزا یا سزا دے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی یہ تمام قدرت و حکمت اور یہ ساری ربوبیت و رحمت بے معنی اور یہ سارا کارخانہ ایک کارِ عبث بن کے رہ جائے گا۔ (تدبر قرآن)

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا: اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا۔ **وَمَا طَحَاهَا** میں بمعنیٰ مصدر لے کر ترجمہ یہ ہوا کہ قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے پھیلانے کی، کیونکہ **طَحْوٌ** مصدر کے معنیٰ بچھانے پھیلانے کے آتے ہیں، اس میں آسمان کے ساتھ بنانے کا اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا ذکر بھی اسی حالت کمال کو بتلانے کے لئے ہے کہ قسم ہے آسمان کی اس حالت میں جبکہ اس کی تخلیق و تکوین مکمل ہو گئی، اور قسم ہے زمین کی جبکہ اس کو پھیلا کر اس کی تخلیق مکمل کر دی گئی، حضرت قتادہ وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ کشاف اور بیضاوی و قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ صرف ما کو بمعنیٰ من لے کر اس کی مراد حق تعالیٰ کی ذات لی ہے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی، اسی طرح **وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا**، کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ قسم ہے زمین اور اس کے پھیلانے والے کی، مگر یہاں جتنی قسمیں اب تک مذکور ہوئیں اور جو آگے آ رہی ہیں وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں، درمیان میں ذات حق کی قسم آجانا نسق اور ترتیب سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اشکال بھی نہیں لازم آتا کہ مخلوقات کی قسم کو ذات خالق پر مقدم کیوں بیان کیا گیا۔ (معارف القرآن)

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا: اور انسانی جان کی اور اس کی جس نے اسے سنوارا۔ اس میں ما کو مصدریہ لیا جائے تو معنیٰ یہ ہیں کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و متناسب کرنے کی اور اگر ما کو بمعنیٰ من لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر و درست کرنیوالے کی (معارف

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا: ابن ابی نجیح رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے یہی روایت کیا ہے یعنی اسے فجور اور تقوی کے راستہ کی پہچان کرا دی، مجاہد رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا اسے اطاعت اور معصیت کی پہچان کرا دی۔

محمد بن کعب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں سے کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھلائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے اور جب اس کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو برائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے۔

فراء نے کہا، فَاَلْهَمَهَا کا معنی ہے اسے خیر اور شر کے راستہ کی پہچان کرادی جس طرح فرمایا، وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے اسے دونوں راستوں کی پہچان کرادی۔

ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے مومن متقی کو تقوی کا الہام کیا اور فاجر کو فجور کا الہام کیا۔ سعید رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے لیے فجور اور تقوی کو واضح کر دیا۔ تمام معانی قریب قریب ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے اس آیت کی تلاوت کی تو یوں دعا کی، اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔ اے اللہ، میرے نفس کو اس کا تقوی عطا فرما اسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا ولی اور آقا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

صحیح مسلم میں ابوالاسود دؤلی سے مروی ہے کہ مجھے عمران بن حصین نے کہا، مجھے بتایئے کہ جو لوگ آج عمل کر رہے ہیں اور تگ و دو کر رہے ہیں کیا یہ ایسی شے ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے یا جو ان کا نبی ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہوئی ہے اس پر زمانہ آئندہ میں عمل کرنے والے ہیں؟ میں نے کہا بلکہ یہ ایسی شے ہے جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے اس نے کہا کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ کہا میں اس بات سے خوف زدہ ہوں اور میں نے کہا، ہر شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی بلکہ لوگوں سے باز پرس کی جائے گی انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے جو میں نے تجھ سے سوال کیا ہے اس سے میں نے کسی چیز کا سوال نہیں کیا تھا مگر اس چیز کا کہ تیرا امتحان لوں۔

مزینہ کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی

یارسول اللہ! بتایئے جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور جس کے بارے میں تگ ودو کرتے ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تقدیر ان پر سبقت لے جاچکی ہے یا ان کا نبی جو ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے اس بارے میں وہ زمانہ آئندہ میں جمع کرنے والے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان میں نافذ ہو چکا ہے اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے، **وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا. فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا**، فجور اور تقوی دونوں مصدر ہیں مفعول بہ کے قائم مقام ہیں۔ (قرطبی)

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا: یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ اس کے لیے قرآن کریم نے تزکیہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صورتحال کے لیے اس سے بہتر لفظ ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ تزکیہ کا معنی ہوتا ہے پاک کرنا، ابھارنا اور نشو ونما دینا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو شخص فلاح کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے افکار کو فکری گمراہیوں سے پاک کرے، اپنے اعمال کو نافرمانیوں کی آلودگی سے بچائے اور اپنے اخلاق کو ہر طرح کی ناپاک خواہشات سے بچا کے رکھے، اس طرح سے اس کے اندر بھلائی نشو ونما پائے گی اور آہستہ آہستہ وہ تقویٰ کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جائے گا، اس کی فطرتِ سلیمہ نشو ونما کے مراحل طے کرے گی اور اس کی قوت وتوانائی میں اضافہ ہو جائے گا۔ نتیجتاً ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرے گا کہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو جائے گا، اس کے اندر ایثار وقربانی کی مشعلیں جلیں گی، اس کی روحانی قوتیں بیدار ہوتی چلی جائیں گی، آخر وہ ایسی منزل پر جا پہنچے گا کہ شریعت کے تقاضے اس کے طبعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عشق اور دین کی وارفتگی اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔ (روح القرآن)

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا: اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔ وہ شخص ناکام ونامراد ہو گا جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشو ونما دینے کی بجائے اس کو فسق و فجور کے ڈھیر کے نیچے دبا دے گا، نفس کے غلط میلانات کو بڑھا کر ناشکری کی انتہا تک پہنچ جائے گا،

ایسے شخص کی ناکامی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ دَسَّاھا اصل میں دَسَّسَھَا ہے، یہ تدسیس سے مشتق ہے، اس کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا، اس کے آخری سین کو یا سے بدل دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ بندہ صرف تقویٰ اور تزکیہ کی خواہش ہی کر سکتا ہے اور اس کے لیے محنت کرتا ہے، لیکن اس کا نصیب بن جانا یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ زبردستی کسی نفس کو آلودہ نہیں کرتا، مگر بندہ جب اس کا تہیہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے تقویٰ اور تزکیہ کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے اور وہ اسے شیطانوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس کو اپنی سواری بنائے پھریں۔ (روح القرآن)

قوم صالح کی تباہی کا سبب

سوال حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے اونٹنی کے بارے میں کیا کہا تھا اور ان لوگوں نے کیا سلوک کیا؟

جواب لوگوں کی طلب پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے پتھر کے اندر سے اونٹنی نکال دی تو پھر حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے برے طریقے سے تم نے ہاتھ تک نہیں لگانا، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجی ہے، اس اونٹنی کی آمد تمہارے نبی کی صداقت وسچائی پر دلالت کرتی ہے، اس کے کھانے پینے کے اوقات کا تمہیں خاص خیال کرنا ہو گا، ایک دن اسے پانی پینا ہے اور ایک دن تمہارے جانوروں کو پانی پینا ہو گا، یہ بات لوگوں کو دشوار وناگوار گزری۔

چنانچہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان چیزوں میں جھٹلایا جن سے وہ انہیں ڈراتے تھے، چنانچہ قبیلے کے ایک بدبخت قدار نامی شخص نے آگے بڑھ کر اونٹنی کے اگلے پاؤں کاٹ ڈالے، پھر اسے ذبح کر دیا، اس پر اللہ نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، پھر انہیں نشان عبرت بنا دیا، قرآن کریم میں ہے

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ {۱۱} اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا {۱۲} فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا {۱۳} فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا {۱۴} وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا {۱۵} الشمس

قوم ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان کا سب سے سنگدل شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اللہ کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ: خبردار! اللہ کی اونٹنی کا اور اس کے پانی پینے کا پورا خیال رکھنا۔ پھر بھی انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، اور اس اونٹنی کو مار ڈالا نتیجہ یہ کہ ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر سب کو برابر کر دیا، اور اللہ کو اس کے کسی برے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔ (سورۃ الشمس)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا: اس آیت میں **طَغْوٰی** کا لفظ ہے **طَغْوٰی** کا معنی ہے معصیت میں حد سے تجاوز کرنا، یعنی انہوں نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے رسول کی سرکشی کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **طَغْوٰی** سے مراد ہے: ان کا عذاب یعنی ان کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا، انہوں نے اس عذاب کی تکذیب کی۔

إِذِ انْۢبَعَثَ أَشْقَاهَا: اس شخص کا نام قدار بن سالف تھا، اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تھیں، قرآن کریم نے اسے بڑا بدبخت قرار دیا ہے۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا: سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو، ایک دن اس اونٹنی نے پینا ہے اور ایک دن تمہارے جانوروں نے پینا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا: قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نبوت کا معجزہ پیش کرنے کے لیے چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے اونٹنی نکال دی۔

معجزہ ظاہر ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے تمام لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے، اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو، ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن

ساری قوم اوراس کے جانوروں کا، اس کو کسی قسم کی تکلیف اوراذیت نہیں پہنچنی چاہیے، اگر اس کو کسی قسم کا گزند، تکلیف اوراذیت پہنچی تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔

صالح علیہ السلام کے لوگوں نے اس حیرت زا معجزہ کو دیکھنے کے باوجود ایمان قبول نہیں کیا، لیکن اس اونٹنی کو ازارو تکلیف پہنچانے سے باز رہے اور جس طرح صالح علیہ السلام نے انہیں پانی پینے کی باری سے متعلق فرمایا تھا اسی طرح طے کر لیا، لوگ اس اونٹنی کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے تھے، دوسرے روز لوگوں اوران کے جانوروں کی باری ہوتی تھی، معجزاتی اونٹنی اور اس کا بچہ بے خوف، بے روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اورآسودہ رہتے، مگر آہستہ آہستہ یہ بات بھی ان لوگوں کو کھٹکنے اور چبھنے لگی۔

اب آپس میں صلاح ومشورے کرنے لگے کہ اس اونٹنی کا کام کس طرح تمام کیا جائے، تواس باری والے قصہ سے جان چھوٹ جائے، کیونکہ ہمارے جانوروں اور خود ہمارے لیے یہ باری والی صورت حال ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔

یہ باتیں رفتہ رفتہ ان کے دل ودماغ میں رچنے بسنے اور کچھ کر گزرنے پر انہیں آمادہ کرنے لگیں، مگر اس اونٹنی کوراستے سے ہٹانے کی ہمت نہ کرسکتے تھے، اسی دوران ایک خوبصورت حسین وجمیل، تونگرومالدار عورت صدوق نے اپنے کو ایک شخص مصدع کے سامنے پیش کر دیا، اسی طرح ایک دوسری مالدارو تونگر عورت عنیزہ نے اپنی حسین وجمیل بیٹی کو قیدار کے سامنے یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ یہ دونوں لوگ اس اونٹنی کو ہلاک کر دیں تو یہ دونوں تمہاری ملک ہیں، تم انہیں اپنی بیوی بنا کر عیش وعشرت کرو، آخر قیدار بن سالف اور مصدع کو اس بھیانک کام کے لیے تیار کر لیا گیا اور یہ طے پا گیا کہ وہ چھپ کر، گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اوراونٹنی جب چراگاہ کی طرف چرنے کو جانے لگے گی تو وہ اس پر حملہ کر دیں گے اور چند دوسرے لوگوں نے بھی ان سے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

مالدارو تونگر حسیناؤں کے ورغلانے اوراکسانے پر تیار کی جانے والی سازش کو پروان چڑھایا گیا، دو یہی لوگ تھے اور سات لوگ ان کے ساتھ اور مل گئے تھے، مصدع نے اونٹنی کو تیر مارا تھا اور اس اونٹنی کی کونچوں کو قیدار بن سالف نے کاٹا تھا لیکن پوری قوم اس کے فعل پر راضی تھی۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس قول کی تکذیب کی تھی کہ اگر تم نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو تم پر عذاب آئے گا، قیدار اس وقت تک اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر راضی نہیں ہوا، جب تک کہ اس قوم کے تمام مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے اس کے تابع نہیں ہوئے۔

ان سازشی لوگوں نے باہم عہد وپیمان کیا کہ وہ رات کو صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو بھی قتل کر ڈالیں گے اور پھر ان کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے یہ ظلم انہوں نے نہیں کیا۔

اونٹنی کا بچہ یہ دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا اور بولتا ہوا پہاڑی میں غائب ہو گیا، صالح علیہ السلام کو جب اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ملی تو قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا، اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، جو تین دن کے بعد تمہیں تباہ کر دے گا۔

اس آیت میں **دَمْدَمَ** کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے، اس نے تباہ کر دیا اور اس نے ہلاک کر دیا **دَمْدَمَ** کا حقیقی معنی ہے، عذاب کو دگنا اور چوگنا کرنا اور اس کو بار بار لوٹانا، اور کسی چیز کو دوسری چیز پر منطبق کرنا یعنی عذاب کو ان پر منطبق کر دیا اور اس کا معنی ہے، کسی بستی کو ہلاک کر کے اس کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔

فَسَوّٰهَا: اس کو ہموار کر دیا، یعنی ان کو پیوندِ زمین کر کے زمین کو ان پر ہموار کر دیا، ان پر ایک خوف ناک چنگھاڑ آئی تھی، جس سے ان کے چھوٹے اور بڑے سب ہلاک ہو گئے، اس کا معنی یہ بھی ہے کہ نزول عذاب میں اس پوری امت کو برابر رکھا، چھوٹوں اور بڑوں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں سب پر عذاب آیا۔

صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی نوعیت کیا تھی؟ اس کے لیے قرآن کریم میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس ہیبت ناک آواز نے ان لوگوں کو ہلاک کیا اس کے لیے کہیں لفظ صاعقہ، کہیں لفظ رجفہ (زلزلہ ڈال دینے والی شے) کہیں طاغیہ (دہشت ناک) کہیں صیحہ (چیخ) کا لفظ آیا ہے، یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔

حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے جو مسلمان ان کے ساتھ عذاب سے محفوظ اور نجات یافتہ رہے ان کی تعداد ایک سو بیس تھی اور ہلاک شدہ قریباً ڈیڑھ ہزار گھرانے تھے۔(تفسیر روح المعانی، قصص القرآن سیوہاروی)

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا: اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا، انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں، اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے، اس کو انجامِ بد کا خوف ہوا کرتا ہے، سو وہاں یہ بھی نہیں، اس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتداء جانتا ہے۔

دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ لگا کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے، سو وہاں یہ بھی نہیں، کس لیے کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خاردار درخت اگ آویں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو۔

سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو، اس وقت خوف انتقام ہوا کرتا ہے، سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے، اس میں مشرکین کے خیال باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر وقت کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کر دے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا، بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے **لَا يَخَافُ** کا فاعل **عَاقِر** یعنی کونچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے، یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹیں کہ اس فعلِ بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا، جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا

تھا اور حقیقت میں ایسا بڑا فعل جو کوئی بد بخت کرتا ہے وہ انجام کار سے نہیں ڈرتا، اگر ڈرے تو کرے کیوں۔ تفسیر حقانی)

حودہ لہ ان حودہ لہ سورۃ الشمس کی تفسیر آج پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے، اس کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

خادم اسلام حودالرشیدحودٹی

۱۴ اپریل ۲۰۲۰ء بروز منگل ۶ بجے علی الصباح بعد نماز الفجر

حروف بینی: ۲۸ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر، ۳ بجے سہ پہر

اللیل

انسانی مساعی میں اختلاف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی قسمیں کھائی ہیں اور جواب قسم کیا ہے؟

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ اللیل.

جواب ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔ اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ کہ حقیقت میں تم لوگوں کی کوششیں الگ الگ قسم کی ہیں۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”یہاں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی، جس میں ہر جاندار اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کرتا ہے اور اپنی تھکاوٹ اتارتا ہے، پھر نیند اس کو ڈھانپ لیتی ہے، جس سے اس کے بدن کو راحت پہنچتی ہے اور روح کو غذا ملتی ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى: یہاں اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی ہے، اس لیے کہ جب دن طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی سے ہر چیز واضح طور پر دکھائی دینے لگتی ہے، جو رات کے اندھیرے کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی تھی، رات چھائی تو انسان اپنی آرام گاہوں میں پہنچ گئے تھے، جانور اپنی اپنی کھرلیوں میں باندھ دیے گئے تھے، حشرات الارض اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو گئے تھے، اب دن کا اجالا ہوا تو انسان اپنی خواب گاہوں سے بیدار ہوئے، جانور اپنی کھرلیوں سے کھول کر باہر لائے گئے، حشرات الارض دن کے اجالے میں اپنے اپنے بلوں سے باہر نکلنا شروع ہوئے۔

اگر رات کی تاریکی چھائی رہتی تو آرام گاہوں میں آرام کرنے والے آرام کر کر کے تھک جاتے تھے، حصول معاش کی سبیل کیسے کرتے؟ اسی طرح اگر دن کا اجالا ہمیشہ رہتا تو لوگ آرام وراحت کا سامان کیسے اور کیونکر کرتے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ رات

کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا سلسلہ لگاتار جاری رکھا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الْفُرْقَانِ: ٦٢) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کیا۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (إبراهيم: ٣٣) اللہ وہ ذات ہے جس نے رات اور دن کو تمہارے تابع کیا ہے۔

ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا بھی کہ اگر وہ ذات ہنگامہ یوم النشور تک تمہارے لیے رات کو طویل کر دے تو اللہ کے علاوہ کون ہے جو تمہارے پاس روشنی کا سامان لائے، اگر وہ ذات ہنگامہ قیامت تک دن کو طویل کر دے تو اللہ کے سوا تمہارا کون ہے جو تمہارے لیے رات کا سناٹا لائے تاکہ تم لوگ راحت و آرام کر سکو۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى فرمایا ہے، اور رات کی قسم جب وہ چھپائے اس کا مفعول نہیں ذکر کیا کہ وہ کس کو چھپائے؟ یا تو اس کا مفعول الشمس ہے جیسے دوسری آیت میں ہے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا کہ وہ سورج کو چھپائے، یا پھر النہار (دن) ہے جیسے دوسری آیت میں ہے يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ (الرعد ٣) کہ وہ دن کو چھپائے، یا ہر وہ چیز ہے جو اپنے اندھیروں سے چھپالے جیسے فرمایا إِذَا وَقَبَ وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو چھپالے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

جَعَلَ اللهُ تَعَالَىٰ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ ظَاهِرَتَيْنِ مُكَرَّرَتَيْنِ عَلَى الخَلَائِقِ مَا يَعْرِفُ كُلُّ كَافِرٍ وَّمُؤْمِنٍ، وَّجَمِيعُ أَهْلُ التَّنَازُعِ الَّذِينَ يُنَازِعُونَ أَهْلَ الإِيمَانِ وَالتَّوْحِيدِ مِنَ الجَبَابِرَةِ وَالفَرَاعِنَةِ (تفسیر الماتریدی ۵۴۸، ۱۰) اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر دن اور رات دو عظیم، ظاہری اور بار بار آنے والی نشانیاں بنائی ہیں جنہیں ہر کافر اور مسلمان پہچانتا ہے، اور جبابرہ و فراعنہ میں سے ہر اہل تنازع جو اہل ایمان اور اہل توحید سے جھگڑا کرتے ہیں وہ جانتے ہیں۔

اہل تفسیر دن اور رات کو اللہ کی توحید و الوہیت پر بڑی واضح دلیل مانتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ دن

اور رات کی اللہ کی الوہیت اور توحید پر اس طرح دلالت ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے کا سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رات نہ آئے یا کبھی دن نہ آئے، اور ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی ہوتی ہیں اور دن چھوٹے ہوتے ہیں، عموماً گرمیوں میں چودہ گھنٹے کا دن اور دس گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور سردیوں میں چودہ گھنٹوں کی رات اور دس گھنٹوں کا دن ہوتا ہے، پھر ایسا نہیں ہوتا کہ چودہ گھنٹوں کی رات کے بعد فوراً دن دس گھنٹے کا ہو جائے بلکہ دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بتدریج ایک ایک منٹ سے ہوتا رہتا ہے، جس طرح سردی کے بعد گرمی فوراً نہیں آتی بتدریج آتی ہے، اسی طرح دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بھی تدریجاً ہوتا ہے اور یہ نظام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے کیونکہ اگر گرمی کے بعد فوراً سردی آجاتی تو لوگ برداشت نہ کرسکتے، اسی لیے درجہ حرارت درجہ بہ درجہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور رات اور دن اور موسموں کے تغیر کا یہ نظام ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے۔ (تبیان القرآن)

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى: اور اس ذات کی قسم جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، اس میں تمام مخلوق کی قسم ہے، کیونکہ کوئی مخلوق نر اور مادہ سے خارج نہیں ہے، یہاں تک کہ خنثیٰ میں بھی نر یا مادہ میں سے ایک کی نشانی پائی جاتی ہے۔

نر اور مادہ کی تخلیق اس قادر و قدیر اور مقتدر ذات کی وحدانیت پر عظیم دلیل ہے جس نے ایک خاص پانی مادہ منویہ سے انہیں وجود عطا فرمایا، بلکہ اگر انسان غور کرے تو اسے ان کو وجود دینے میں اس کی بھی ضرورت نہیں ہے، جیسے حضرت آدم کو بغیر مادہ منویہ کے مٹی سے پیدا کیا، حضرت اماں حوا کو آدم کی بائیں پسلی سے بغیر مادہ منویہ کے پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح پھونکنے سے پیدا کیا۔

پھر اس کی کاریگری اور صناعی کا کیا کہنا کہ نسل آدم میں توالد و تناسل کا ایک سلسلہ چل رہا ہے جو ہمیشہ سے اسی مادہ منویہ سے پیدا ہو رہے ہیں، وحدہ لاشریک ذات نے جو طریقہ توالد و تناسل کا جاری کیا اسی کے مطابق یہ چل رہا ہے۔

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى: بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے، رات، دن، نر اور مادہ کی قسمیں کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری مساعی اور کوششیں مختلف ہیں یہ جواب قسم ہے۔ شتی، شتیت کی جمع ہے، جس طرح مرضیٰ مریض کی جمع ہے، اسی سے لفظ شتات ہے جس کا معنیٰ تباعد اور افتراق ہے، مطلب یہ کہ تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بعید اور مختلف ہیں، بعض لوگوں کے اعمال گم راہی ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ہدایت ہیں، بعض لوگوں کے اعمال ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ان کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں، جیسے ارشاد ربانی ہے لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ (الْحَشْرِ: ۲۰) جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔

اسی طرح سورۃ السجدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوُونَ (السَّجْدَةِ: ۱۸) کیا جو شخص ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو فاسق ہے یہ دونوں برابر نہیں۔

سورۃ الجاثیہ میں ارشاد فرمایا

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الْجَاثِيَةِ: ۲۱) کیا جو لوگ بدکاری کرتے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ ہم انہیں مومنوں اور نیکوکاروں کی طرح کر دیں گے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

اہل تفسیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر مفاتیح الغیب للرازی)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا نام اللیل اس لیے رکھا گیا ہے کہ لغت عرب میں لیل رات کو کہتے ہیں اور اس سورۃ میں لوگوں کے اعمال کا نیکی اور بدی میں اختلاف بیان کرنا مقصود ہے اور رات اس اختلاف کے قابل ذکر اوقات میں سے ہے، عابدوں کی

رات، چوروں کی رات، عیاشوں کی رات، فراق اور جدائی میں دردمندوں کی رات اوراحباب کے وصال کی رات کا آپس میں کس قدر فرق ہے اور ہر دن میں اگرچہ اسی قسم کا اختلاف اور رنگارنگی ہے لیکن چونکہ وقت اسرار کے کھلنے اور واضح ہونے کا ہے، سب لوگ بناوٹ اور تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو متفق کرتے ہیں، چور عابد کے رنگ میں باہر آتا ہے اور فاسق اپنے آپ کو نیکوں کے لباس میں ظاہر کرتا ہے، بخلاف رات کے کہ تاریکی کے پردے کی وجہ سے حیا کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور ہر شخص اپنے نفس اور دل میں پوشیدہ خواہش کے مطابق بے تکلف اور بے حجاب ایک کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور بناوٹی اتفاق زائل ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

انفاق مال کا فائدہ اور بخل کا نقصان

سوال وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ خیر وصلاح کے کاموں میں آسانیاں عطا کرتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جن کے لیے بد بختی کے اسباب مہیا ہوتے ہیں؟

جواب جو شخص اپنے مال میں سے خرچ کرتا ہے، تقویٰ اختیار کرتا ہے، لا الہ الا اللہ کی تصدیق کرتا ہے، اس کلمہ پڑھنے کے بعد اس پر جو جزا ملنے والی ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکی اور بھلائی کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں اور اس کے کاموں میں آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں اور جو شخص اپنے مال میں بخیلی سے کام لیتا ہے، کلمہ اور اس پر ملنے والی جزا کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، کلمہ کو جھٹلاتا ہے، اس پر ملنے والی جزا کو جھٹلاتا ہے تو اس کے لیے بد بختی کے اسباب و وسائل اکٹھے ہو جاتے ہیں، وہ دو راندھیروں میں نکل جاتا ہے، جہاں سے اسے کوئی روشنی دکھائی نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ نے اسی طرف یہاں راہنمائی فرمائی ہے

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی {۵} وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی {۶} فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی {۷} وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی {۸} وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی {۹} فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی {۹} اللیل

اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقوی اختیار کیا۔ اور سب سے اچھی بات کو دل سے

مانا۔ تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔ رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی۔ اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا۔ تو ہم اس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔

راہِ خدا میں مال لٹانے کی قرآن وسنت میں جابجا ترغیب موجود ہے، خیر و بھلائی کے تمام کاموں میں ایک مسلمان اپنا مال لٹانے کو سعادت خیال کرتا ہے، خواہ وہ غلامی کی زنجیروں سے دوسروں کو رہائی دلانے کا موقع ہو، پابند سلاسل اسیروں کی رہائی کا معاملہ ہو، دشمنان اسلام کے مقابلے میں مسلمانوں کی مالی مدد و نصرت ہو، جیسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان تھی کہ وہ نفلی واجبی تمام نفقات میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مال کی ضرورت پیش آتی یا کسی بے بس و بے کس مسلمان کو غلامی کی زنجیروں سے آزادی کا پروانہ دلانا ہوتا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش پیش ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان اہل ایمان کی شان بیان فرمائی ہے کہ وہ ہمارے عطا کیے ہوئے مال میں سے میرے راستے میں خرچ کرتے ہیں، خواہ یہ خرچ نفلی ہو یا واجبی ہو، اسی طرح مسلمان کی شان ہے کہ وہ مسکینوں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

پھر مال خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت کا بھی خیال رکھتا ہو، اللہ کا ڈر اور خوف ہمہ وقت سامنے رہے، اللہ کے احکامات کی بجا آوری کرے اور جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے ان سے رک جائے، چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، اگر کہیں کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کرے، اللہ سے معافی مانگ کر سچی توبہ کرے۔

پھر توحید ورسالت کی تصدیق کرے، کلمہ طیبہ کی تصدیق کرے، اس کے معنیٰ اور مفہوم کی تصدیق کرے تو اسے بھلائی حاصل ہوگی، یہ ساری بھلائیاں، نیکیاں اور اعمال اسی وقت کارآمد اور مفید ہوں گے جب انسان ایمان والا ہوگا، ایمان کے بغیر نہ مال خرچ کرنا مفید ہے، نہ محارم سے بچنا مفید ہے اور نہ ہی صغائر و کبائر سے اجتناب کسی کام کا ہے، ان سب منفعتوں اور فائدوں کے حصول کے لیے

ایمان شرط اولین ہے، کلمہ طیبہ پر غیر متزلزل ایمان ضروری ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسنیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو عبادات انسانی ابدان پر لاگو کی ہیں، جو اموال اسے خرچ کرنے کا کہا ہے انہیں بجالائے، محارم سے بچے اور شریعت اسلامیہ کی تصدیق کرے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان پر اللہ نے کوئی ایسی چیز لاگو نہیں کی جس میں کوئی حسن اور بھلائی نہ ہو۔

اور حسنیٰ کا ایک مفہوم امام رازی رحمہ اللہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ جو کچھ تم لوگ خرچ کروگے وہ تمہیں واپس کردے گا، یہ جو واپس کرنا ہے یہ حسنیٰ ہے اور اللہ کی اطاعت میں مال خرچ کرنا یہ اس وعدہ کی تصدیق کرنا ہے جس میں فرمایا گیا کہ تم جو مال خرچ کروگے وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے فرمایا تم خرچ کروگے تو میں تمہیں واپس کردوں گا اس بندے نے اس بات کو سچا نہیں جانا، وہ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ بدگمانی کرتے ہوئے اپنے مال میں بخل سے کام لیتا رہا، حالانکہ ہر موقع پر بتایا جاتا رہا کہ جو بھی اللہ کے لیے خرچ کروگے اللہ تمہیں واپس کردے گا، پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ قَطُّ إِلَّا بُعِثَ بِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ، يُسْمِعَانِ أَهْلَ الْأَرْضِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوا إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنَّ مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهَى، وَلَا آبَتْ شَمْسٌ قَطُّ إِلَّا بُعِثَ بِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ أَهْلَ الْأَرْضِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَأَعْطِ مُمْسِكًا مَالًا تَلَفًا (مسند احمد)

جب بھی سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے پہلو میں دو فرشتے آواز دیتے ہوئے بھیجے جاتے ہیں جن کی آواز جنات اور انسانوں کے علاوہ سب زمین والے سنتے ہیں، وہ کہتے ہیں اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ، بے شک جو تھوڑا ہے اور کفایت کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو کر غفلت میں ڈال دے، اور سورج جب واپس ہوتا ہے تو اس کے پہلو میں دو فرشتے آواز دیتے ہوئے بھیجے جاتے ہیں جن

کو جنات اور انسانوں کے علاوہ سب زمین والے سنتے ہیں وہ کہتے ہیں اے اللہ! خرچ کرنے والے کو جو خرچ کرے اس کا بدلہ عطا فرما اور مال روکنے والے کا مال تباہ و برباد کر دے۔

بخاری و مسلم کی روایت میں مال خرچ کرنے والے کو دعا دینے والا الگ فرشتہ اور مال نہ خرچ کرنے والے کے لیے بد دعا دینے والا الگ فرشتہ بتایا گیا ہے، اسی طرح بخاری و مسلم کی روایت میں صبح کا ذکر ہے سورج کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ مَلَكًا بِبَابٍ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يَقُولُ: مَنْ يُقْرِضِ الْيَوْمَ، يُجْزَى غَدًا، وَمَلَكًا بِبَابٍ آخَرَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ لِمُنْفِقٍ خَلَفًا، وَعَجِّلْ لِمُمْسِكٍ تَلَفًا

آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر فرشتہ کہتا ہے کہ جو آج قرض دیتا ہے وہ کل اس کا بدلہ دیا جائے گا اور دوسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور مال روکنے والے کے مال کو جلد تباہ کر (مسند احمد)

حسنیٰ کا ایک معنیٰ ثواب بھی ہے، حسنیٰ کا ایک معنیٰ جنت بھی ہے، حضرت قفال فرماتے ہیں کہ حسنیٰ کا لفظ اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ ہر نیک خصلت اور عادت کو اپنے اندر سمو لیتا ہے، قرآن کریم کی سورۃ التوبہ کی آیت ۵۲ میں حسنیٰ تثنیہ استعمال ہوا ہے جس سے مراد اللہ کی مدد اور شہادت دونوں ہیں، سورۃ شوریٰ کی آیت ۲۳ میں حسنیٰ کا لفظ ہے جس کا معنیٰ دگنا اجر ہے، سورۃ فصلت ۵۰ میں حسنیٰ کا لفظ ہے۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى: یسریٰ کا معنیٰ آسانی اور سہولت ہے، مطلب یہ ہے کہ جو اپنا مال راہ حق میں لوٹائے گا، تقویٰ والی زندگی اختیار کرے گا اور شرعی احکام کی تصدیق کرے گا ہم اس کو نیک اعمال کا طریقہ اور عمدہ اوصاف سے متصف ہونا آسان بنا دیں گے۔

شیطان انسان کا دشمن ہے وہ اس کے لیے نیکی کے کام مشکل بنا کر دکھاتا ہے اور بدی و برائی کے کاموں میں بہت ہی سہل اور آسان طریقے دکھاتا ہے، جب کہ اللہ ایسے لوگوں کے لیے اپنی عبادت کی

انجام دہی اس وقت آسان بنادیتے ہیں جب انہیں پتا چلتا ہے کہ اس تھوڑی سی مشقت اور تکلیف کے بدلے میں اللہ کی رضا ملے گی اور اللہ تعالیٰ کی جنت ملے گی، جیسے جنت کی نظارگی کرتے ہی فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے لیے فرعونی مظالم کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔

سودی کاروبار کی لذت، رشوت ستانی کی لذت، غصب وچوری شدہ مال کی لذت کے مقابلے میں روکھی سوکھی کھالینے اور گزربسر کو ترجیح دینا بظاہر مشکل دکھائی دیتا ہے مگر رب تعالیٰ اپنے ان نیکوکار بندوں کے لیے ایسی آسانیاں پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ سودی کاروبار، روزگار، رشوت ستانی سب کچھ کو پائے استحقار سے ٹھکرادیتا ہے، پھر اس پر تسلی اور اطمینان رکھتا ہے۔

شیطان انسان کو بے حیائی، برائی، بدنظری اور غیر فطری امور کی طرف متوجہ کرتا ہے، ان کاموں میں آسانیاں دکھاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے ان سارے شیطانی، بے حیائی اور برائی کے کاموں کے مقابلے میں حیاداری، نیک نظری اور فطری امور سرانجام دینے کو سہل و آسان کردیتا ہے۔

میدان کارزار میں دشمنان اسلام کے مقابلے میں اترنا اور کافروں کو محض اللہ کی خاطر ٹھکانے لگانا اللہ ان لوگوں کے لیے آسان بنادیتا ہے۔

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ: وہ شخص جو اپنے نفس اور مال میں بخل اختیار کرتا ہے اور اللہ کریم سے بے نیازی اختیار کرتا ہے اور اس کی ہدایات سے غافل ہوتا ہے اور اللہ کے دین اور اس کی دعوت کی تکذیب کرتا ہے۔

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ: تو وہ اپنے نفس کو انتہائی شر وفساد کے لئے تیار کرتا ہے اور پرلے درجے کے بگاڑ سے اس کو دوچار کرتا ہے، تو وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اللہ اس کے لئے ہر چیز مشکل کردے اور اسے سخت راستوں کی سہولیات فراہم کی جائیں اور اسے توفیق دی جائے کہ وہ ہر قدم پر مشکلات سے دوچار ہو، اس پر آسانیوں کا دروازہ بند کردیا جائے اور اسے قدم قدم پر مشکلات درپیش ہوں، جو اسے راہ راست اور صراط مستقیم سے دور ہی لے جائیں اور یہ شخص بدبختی کے راستے پر ہی آگے بڑھے۔

اگرچہ وہ بظاہر یہ محسوس کرے کہ وہ کامیابی کی راہ پر جارہا ہے حالانکہ وہ تو ٹھوکر کھاتا جاتا ہے اور وہ اپنی ایک ٹھوکر سے بچنے کے لئے دوسری ٹھوکر کھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سیدھی راہ سے اور دور ہو جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کی رضا سے محروم ہو جائے اور جب وہ ٹھوکروں سے بھرے ہوئے اس منحرف راہ پر آگے بڑھتا ہے اور آخر کار ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے تو اس وقت پھر اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

نار جہنم اور بد بختوں کا داخلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى{۱۱}اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى{۱۲}وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى {۱۳}فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى{۱۴}لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى{۱۵}الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى{۱۵} اللیل

جواب ترجمہ: اور جب ایسا شخص تباہی کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آئے گا۔ یہ سچ ہے کہ راستہ بتلا دینا ہمارے ذمے ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ آخرت اور دنیا دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ لہذا میں نے تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے خبر دار کر دیا ہے۔ اس آگ میں کوئی اور نہیں، وہی بد بخت داخل ہو گا۔ جس نے حق کو جھٹلایا، اور منہ موڑا۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ إِذَا تَرَدّٰى: اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ تردّی کا معنی ہے پہاڑ سے نیچے گرا، یا گڑھے میں گرا اور خود کو ہلاکت کے لیے پیش کیا، مطلب یہ ہے کہ جب ہم اس کے لیے دوزخ کی راہیں آسان کرتے ہیں تو وہ جہنم میں جا گرتا ہے، پھر اس کا وہ مال اسے کام نہیں آتا جسے بخل کے باعث خرچ نہیں کرتا تھا، جسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ کر مرنے کی خواہشیں لیے پھرتا تھا، اس کا یہ مال آخرت کے سفر میں اس کا ساتھی اور ہمراہی نہیں بنتا، اسے اللہ کی بارگاہ میں اکیلے ہی پیش ہونا پڑے گا، جس طرح وہ اکیلے ہی دنیا میں آیا تھا آج اکیلے ہی اسے واپس بھی جانا ہے، جو کچھ کیا کرایا سب ادھر ہی رہ جائے گا، جگہ جگہ قرآن کہتا ہے

کہ ہماری بارگاہ میں اکیلا ہی پیش ہو گا، تن تنہا ہی ہمارے پاس آئے گا، انسان کو اگر عالم وحشت و تنہائی میں کوئی چیز کام آئے گی تو اس کا وہ مال ہو گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے دنیا میں راہ خدا میں خرچ کیا ہو گا، نیک اعمال ہوں گے جو کام آئیں گے، تردی کا ایک معنٰی موت بھی ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى: اس مقام پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس مالک الملک نے انسان کو نر اور مادہ کی شکل میں پیدا کیا، وہ اسے راہ ہدایت پر کیوں نہیں لگا دیتا تاکہ کوئی بھی انسان گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرتا، یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی خیال کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى** بیشک ہمارے ذمے ہے البتہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا، مگر ہم کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ ضروری ہی سیدھا راستہ اختیار کرے، یہ بات حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے، اگر ایسا ہو جائے، تو انسان کی آزمائش نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ مجبور محض بن کر رہ جائے۔

اس طرح نہ تو انسان کی فضیلت واضح ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے دوسری مخلوق پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو ہے **لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا** اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت پر مجبور کر دیتا، مگر یہ بات حکمت کے خلاف ہے وہ کسی چیز پر جبر نہیں کرتا بلکہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ جو شخص چاہے ہدایت کو اختیار کرے اور جو چاہے کفر کے راستہ پر چل نکلے اسی لئے فرمایا کہ ہمارے ذمہ البتہ ہدایت کا راستہ واضح کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے ہدایت کا راستہ واضح کرتا ہے، جب وہ انسان کی تخلیق کرتا ہے، تو ہدایت کے سارے ذرائع اس کے اندر پیدا کر دیتا ہے مثلاً حواس ظاہرہ، قوت بینائی، قوت شنوائی، قوت گویائی، وغیرہ یہ سب ہدایتوں کے حصول کے ذرائع ہیں، انہی ذرائع سے کوئی انسان معلومات حاصل کر کے اپنے لئے ہدایت کا راستہ متعین کر سکتا ہے۔

وہ آنکھوں کے ذریعے دیکھ سکتا ہے، کانوں کے ساتھ سن سکتا ہے، ناک کے ذریعے سونگھ سکتا ہے، ہاتھوں کے ذریعے ٹٹول سکتا ہے، یہ تمام حواس ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ذرائع عمل پیدا کئے ہیں تاکہ انسان ان کو بروئے کار لا کر ہدایت کا راستہ تلاش کرے اور پھر اس پر گامزن ہو جائے

حواس ظاہرہ کے علاوہ حواس باطنہ ہیں مثلاً (قوت وہم) وہم، خیال، حس مشترک، قوت عاملہ، قوت مفکرہ یہ سب انسان کے اندرونی ذرائع ہیں، جو اسے غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں تاکہ خوب سوچ سمجھ کر بہتر نتیجے پر پہنچ جائے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی بیشمار نشانیاں جگہ جگہ قائم کی ہیں، تاکہ انسان ان کو دیکھ کر ہی عبرت حاصل کرلے فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ اللہ کی قدرت کی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں، مگر لوگ ان کے پاس سے بالکل غفلت کی حالت میں گذر جاتے ہیں ان سے کوئی عبرت نہیں پکڑتے، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات کی معرفت ان نشانیوں سے بخوبی حاصل ہوسکتی ہے، مگر انسان ان سے مستفید نہیں ہوتا۔ (یوسف ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے رسول بھی دنیا میں بھیجے ہیں فرمایا، وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ اور پھر ان کو کتابیں دیں مختلف نبیوں کو شریعت بھی عطا کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعظ و نصیحت کرنے والے لوگوں کو کھڑا کیا، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں، جہاں اللہ کا پیغام پہنچانے والے لوگ موجود نہ ہوں، اللہ نے یہ تمام ذرائع پیدا کئے، تاکہ لوگ ہدایت حاصل کرسکیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی شخص کہے کہ اسے ہدایت نہیں پہنچی، تو پھر وہ تباہ و برباد ہوگا، ایک مقام پر اللہ نے فرمایا لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوئی حجت بازی نہیں کرسکے گا کہ اس کے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ یعنی مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ اللہ تعالیٰ نے جواب میں واضح کردیا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ تمہارے پاس بشیر اور نذیر آچکے ہیں، اب تمہارا کوئی بہانہ قابل قبول نہ ہوگا، لہٰذا تمہیں اللہ کی طرف ہی آنا ہوگا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو ہماری طرف آنا چاہتے ہیں وہ تھوڑی سی کوشش بھی کریں تو ہم ان کے لئے راستہ واضح کردیتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ

اٰتٰىهُمْ تَقْوٰهُمْ اور جو لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اللہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ زیادہ واضح کرتا ہے اور انہیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔

الغرض اللہ نے فرمایا کہ ہدایت کا سامان پیدا کرنا ہماری ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے بیشمار سامان پیدا کئے ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی کفر، شرک یا گمراہی کی طرف جاتا ہے، تو وہ خود ذمہ دار ہے، اللہ نے حجت تمام کر دی ہے، اب اس کا مؤاخذہ ہو گا، البتہ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا، کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی حد تک اختیار دے دیا ہے، تاکہ وہ اپنی پسند کا راستہ اختیار کر سکے۔

اس سے انسان کی فضیلت ظاہر کرنا بھی مقصود ہے، لہٰذا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ جو چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کے راستے پر چل نکلے، اب یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عذاب سے ڈرانے کے ذرائع بھی پیدا کر دیئے ہیں، بزرگان دین یا کسی نبی کا قول ہے كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یعنی موت سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں، اگر کوئی شخص ہدایت کا راستہ اختیار کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تمام راستے واضح کر دیئے ہیں۔ (معالم العرفان للسواتی رحمہ اللہ)

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى: اس ارشاد کے کئی مفہوم ہیں اور وہ سب صحیح ہیں، ایک یہ کہ دنیا سے آخرت تک تم کہیں بھی ہماری گرفت سے باہر نہیں ہو، کیونکہ دونوں جہانوں کے ہم ہی مالک ہیں، دوسرے یہ کہ ہماری ملکیت دنیا اور آخرت دونوں پر بہر حال قائم ہے خواہ تم ہماری بتائی ہوئی راہ پر چلو یا نہ چلو، گمراہی اختیار کرو گے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑو گے، اپنا ہی نقصان کر لو گے اور راہِ راست اختیار کرو گے تو ہمیں کوئی نفع نہ پہنچاؤ گے، خود ہی اس کا نفع اٹھاؤ گے، تمہاری نافرمانی سے ہماری ملک میں کوئی کمی نہیں ہو سکی اور تمہاری فرمانبرداری سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، تیسرے یہ کہ دونوں جہانوں کے مالک ہم ہی ہیں، دنیا چاہو گے تو وہ بھی ہم ہی سے تمہیں ملے گی اور آخرت کی بھلائی چاہو گے تو اس کا دینا بھی ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ (تفہیم القرآن)

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى: دوزخ کی بھڑکتی آگ سے ڈرانے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ہر ایک حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ لوگوں کو بتایا جائے کہ تمہاری سیاہ اعمالیوں کی سزا دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ملے گی، وہ دوزخ کی دھکتی اور شعلہ زن آگ ہے، جس کو دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت امیہ بن خلف اور اس جیسے ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ اوران سے پہلے والے انبیاء کرام کا انکار کیا، الاشقی کا معنیٰ ہے سب سے بڑا بدبخت، یہ بھی کہا گیا ہے جہنم میں ہر بدبخت کافر جائے گا جس نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اللہ کی اطاعت قبول کرنے سے اعراض کیا۔

الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلّٰى: کذب کا معنیٰ ہے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور تولیٰ کا معنیٰ اللہ کی اطاعت کرنے سے منہ پھیرا، روگردانی کی۔

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى {۱۷} الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى {۱۸} وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى {۱۹} إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى {۲۰} وَلَسَوْفَ يَرْضٰى {۲۱} اللیل

جواب ترجمہ: اور اس سے ایسے پرہیز گار شخص کو دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے۔ حالانکہ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ دیا جاتا۔ البتہ وہ صرف اپنے اس پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے جس کی شان سب سے اونچی ہے۔ یقین رکھو ایسا شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔

جہنم کی شعلہ زن آگ میں بدبخت ترین انسان کو ڈالا جائے گا، جس کی بدبختی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، جس نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول سے منہ موڑا اور ان دونوں کی اطاعت سے روگردانی کی تھی، جب کہ اس جہنم سے متقی ترین انسان کو دور رکھا جائے گا، جو اپنے مال کو مزید خیر و بھلائی تلاش کرنے کے لیے خرچ کرتا ہے، وہ راہِ حق میں مال لٹاتے وقت ریاکاری اور دکھلاوا

نہیں کرتا وہ اللہ کے ہاں پاکیزہ ترین انسان ہے۔

باجماع جملہ مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ آیت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان کو غلامی کی زنجیروں سے خلاصی دلوائی تھی، جو اپنے ایمان وعقیدہ کی بناء پر امیہ بن خلف کے مظالم کی چکی کے پاٹوں تلے کچلے جارہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک خطیر رقم سے بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے آزادی دلوائی، اس مال کو خرچ کرنے سے ان کا مقصود محض اللہ کی رضا چاہنا تھا، کسی اچھائی کا صلہ نہیں تھا، اس عظیم نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا فرمائیں گے، دوزخ سے دور رکھیں گے اور اللہ اس کار خیر کی بدولت ان سے راضی ہو جائیں گے۔

اس آیت کے ذیل میں روافض کہتے ہیں کہ اس کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کرتے تھے، جب کہ امام رازی رحمہ اللہ ساری باتیں اور آیتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی سب سے زیادہ افضل ہے، پس اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ الاتقی وہ ہے جس پر کسی کا دنیاوی احسان نہ ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دنیاوی احسان ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے والد سے لے کر ان کی پرورش کی، ان کو کھلایا اور پلایا اور پہنایا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دنیاوی احسان کرنے والے تھے، جس کی جزاء ان پر واجب تھی اور رہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر کوئی دنیاوی احسان نہیں تھا، بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرتے تھے، ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ہدایت دینے اور دین کی تعلیم دینے کے دینی احسانات تھے لیکن ان احسانات کا کوئی امتی بدلہ نہیں دے سکتا، نہ ان کا بدلہ دیا جاتا ہے، اسی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا کہ جس نے مجھ

پر احسان کیا اس کا بدلہ میں نے اتار دیا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ عطا فرمائیں گے۔(ال دہلال حودہل، تمت سورۃ اللیل)

خادم اسلام حوودال رشی دحودٹی

۱۵اپریل ۲۰۲۰ء بروز بدھ بوقت آٹھ بجے رات قبیل صلاۃ العشاء

حروف بینی:۲۹ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز منگل، بوقت ڈیڑھ بجے شب

الضحیٰ

فضائل مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور سورۃ الضحیٰ

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالضُّحٰى ۙ{۱}وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ{۲}مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ{۳}وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ{۴}وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ{۵}اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى {۶}وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۫{۷}وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى {۸}فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ{۹}وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ {۱۰}وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ{۱۱} الضحیٰ

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔ کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا ہے۔ اور یقیناً آگے آنے والے حالات آپ کے لیے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔ اور یقین جانیں کہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا، پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا؟ اور آپ کو راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا۔ اور آپ کو نادار پایا تو غنی کر دیا۔ اب جو یتیم ہے آپ اس پر سختی مت کرنا۔ اور جو سوال کرنے والا ہو، اسے جھڑکنا نہیں۔ اور جو آپ کے پروردگار کی نعمت ہے اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔

وَالضُّحٰى، وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى: چڑھتے دن کی روشنی اور رات کی قسم جب وہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ نے یہاں نماز چاشت کی قسم کھائی ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دن کی اس گھڑی کی قسم کھائی گئی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ہمکلام ہونے کا شرف پایا تھا اور ساحران مصر سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ (روح المعانی)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس رات کی قسم کھائی گئی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج فرمائی تھی، اللہ کے دیدار سے سرفراز ہوئے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں دن کی قسم کھانے سے مراد آپ ﷺ کے کثرت اِستغفار کی وجہ سے تجلیات ربانیہ کا آپ کے دل پر پڑنا ہے اور رات چھاجانے کی قسم سے مراد وہ کثرتِ مشاغل ہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ کثرت سے اللہ کا ذکر نہیں کرپاتے تھے، جس کا ذکر آپ ﷺ نے ایک ارشاد میں فرمایا بھی کہ میرے قلب اطہر پر ایک بادل سا چھاجاتا ہے۔(ابوداؤد)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رات کی قسم سے مراد رات کا وہ حصہ ہے جس کے گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول اِجلال فرماتے ہیں اور ندا دیتے ہیں کہ ہے کوئی سوالی جس کا سوال پورا کروں، ہے کوئی رزق کا متلاشی جس کو رزق عطا کروں، ہے کوئی بخشش کا طلب گار جسے معاف کردوں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دن سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی چاہت پر آپ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کو آپ ﷺ کا قبلہ بنادیا۔

بعض حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے مراد آپ ﷺ کا روشن چہرہ ہے اور اللیل سے مراد آپ ﷺ کی سیاہ زلفیں ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کے نورانی مکھڑے اور سیاہ زلفوں کی قسم کھائی۔

بعض فرماتے ہیں والضحیٰ میں اہلِ بیت عظام کے مردوں کی قسم کھائی گئی ہے جب کہ واللیل میں اہل بیت کی عورتوں کی قسم کھائی گئی ہے۔(روح المعانی) بعض فرماتے ہیں کہ والضحیٰ میں ان دنوں کی قسم کھائی گئی ہے جن میں آسمان سے آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا اور واللیل سے اس زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے جس میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول رکا رہا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وَيُحْتَمَلُ وَالضُّحَى نُورُ عِلْمِهِ الَّذِي بِهِ يُعْرَفُ الْمَسْتُورُ مِنَ الْغُيُوبِ: وَاللَّيْلِ عَفْوُهُ الَّذِي بِهِ يُسْتَرُ جَمِيعُ الْغُيُوب والضحیٰ سے مراد آپ ﷺ کے نور علم کی قسم ہے جس سے پوشیدہ غیب منکشف ہو جاتے ہیں اور واللیل سے مراد آپ ﷺ کا وہ عفو وکرم ہے جس سے سارے غیب پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وَيُحْتَمَلُ أَنَّ الضُّحَى إِقْبَالُ الْإِسْلَامِ بَعْدَ أَنْ كَانَ غَرِيبًا وَاللَّيْلِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ سَيَعُودُ غَرِيبًا والضحیٰ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد اسلام کے اقبال اور سربلندی کا زمانہ ہو اور واللیل سے مراد اسلام کا وہ زمانہ ہو جس میں وہ سربلندی اور اقبال نہ ہو بلکہ اس فرمان کا مصداق ہو جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسلام جب شروع ہوا تو ایسا تھا جس طرح پردیسی ہوتا ہے اور جب لوٹے گا تو وہ دور بھی اسلام کا ایسا ہوگا جیسا کہ پردیسی اجنبی۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وَيُحْتَمَلُ وَالضُّحَى كَمَالُ الْعَقْلِ، وَاللَّيْلِ حَالُ الْمَوْتِ، یہ بھی احتمال ہے کہ والضحیٰ سے مراد ہے کمال عقل کی قسم اور واللیل سے مراد حالت موت کی قسم۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وَيُحْتَمَلُ أُقْسِمُ بِعَلَانِيَتِكَ الَّتِي لَا يَرَى عَلَيْهَا الْخَلْقُ عَيْبًا، وَبِسِرِّكَ الَّذِي لَا يَعْلَمُ عَلَيْهِ عَالَمُ الغَيْبِ عَيْبًا یہ بھی احتمال ہے کہ والضحیٰ سے مراد آپ ﷺ کی ظاہری حیات کی قسم ہو جس میں مخلوق نے آپ ﷺ میں کوئی عیب و نقص نہیں دیکھا اور واللیل سے مراد آپ ﷺ کی حیات باطنی کی قسم ہو جس میں عالم الغیب نے آپ ﷺ کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔ (تفسیر کبیر للرازی)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے آپ ﷺ کے یوم ولادت کی قسم مراد ہے اور واللیل سے آپ ﷺ کی شب معراج کی قسم مراد ہے، یا جس شب آپ ﷺ نے رحلت فرمائی اس کی قسم مراد ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے آپ ﷺ کی امت کی ظاہری خوبیوں کی قسم مراد ہے اور واللیل سے آپ ﷺ کے امت کے عیبوں کو چھپانے کی قسم مراد ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والضحیٰ میں آپ ﷺ کی ظاہری صفات کی قسم مراد ہے جو ساری مخلوق کے علم میں ہیں، جب کہ واللیل میں آپ ﷺ کی باطنی صفات کی قسم مراد ہے جن کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دن اور رات

کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، دن کی نماز بارے آپ ﷺ نے فرمایا وَأُمِرْتُ بِصَلَاةِ الضُّحٰى وَلَمْ تُؤْمَرُوْا بِهَا مجھے نماز چاشت کا پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تمہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا، جب کہ رات کی نماز کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الإسراء: ۷۹) اور آپ رات کو تہجد کی نماز پڑھیے یہ خصوصیت آپ کے لیے زائد ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں رات کا وقت غم و وحشت کا وقت ہے اور دن کا وقت سرور اور خوشی کا وقت ہے، یہاں والضحیٰ میں جو قسم کھائی گئی ہے وہ آپ ﷺ کی مسرت، خوشی اور سرور کی قسم ہے، جب کہ واللیل میں جو رات کی قسم کھائی گئی ہے وہ آپ ﷺ کے غم کی قسم ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دن کا وقت لوگوں کے ہجوم اور مشغولیت کا وقت ہے اور رات کا وقت محب و محبوب کی ملاقات کا وقت ہے، والضحیٰ میں دن کے اوقات میں آپ ﷺ کی لوگوں کے ساتھ مشغولیت کی قسم ہے اور واللیل میں اپنے رب کے ساتھ تنہائی اور راز و نیاز کی قسم ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ والضحیٰ سے مراد جنت کا نور ہے اور واللیل سے رات کی تاریکی مراد ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ والضحیٰ سے مراد عارفین کے دلوں کا وہ نور ہے جو دن کے اجالے کی طرح ہوتا ہے اور واللیل سے مراد وہ ظلمت و تاریکی ہے جو کافروں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد مقامِ شہود ہے جب کہ لیل سے مراد مقام غین ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لیغان علی قلبی۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے والضحیٰ کی مراد واضح کرتے ہوئے چار اقوال بیان فرمائے

① حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الضحیٰ سے دن کی روشنی مراد ہے۔

② حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الضحیٰ سے دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے

③ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کی پہلی گھڑی جب سورج سفر شروع کرتا ہے

④ حضرت فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضحیٰ سے پورا دن مراد ہے۔

اور واللیل اذا سجیٰ کے معانی ابن جوزی رحمہ اللہ نے یوں نقل فرمائے

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سجی کا معنیٰ جب اندھیرا چھا جائے۔

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سجی کا معنیٰ وہ چلا گیا۔

③ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سجی کا معنیٰ وہ آیا۔

④ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجی کا معنیٰ وہ ٹھہر گیا۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى: آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ ﷺ سے بے زار ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام چالیس روز تک آپ ﷺ پر وحی لے کر نازل نہیں ہوئے اور ایک قول ہے کہ تین روز تک آپ پر نازل نہیں ہوئے تو مشرکین مکہ نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تو ان پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی، جیسے ان سے پہلے نبیوں پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا ہے، اس لئے ان پر وحی نازل نہیں ہو رہی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا۔

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ ﷺ سے بے زار ہو گیا، اب ان پر لازم تا کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتے کوئی دلیل پیش کرتے اور جب وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکے تو قاعدہ کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے، پس قسم آپ پر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو نہ چھوڑا ہے، نہ وہ آپ ﷺ سے بے زار ہوا ہے، اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور آپ کا معاملہ اس طرح کا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، آپ ﷺ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ ﷺ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے، اسی طرح جو قسم آپ پر لازم آتی ہے، وہ اللہ پر قسم ہے، اسی لئے فرمایا: دن کی قسم اور

رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ پر جو چند دن وحی نہیں نازل کی گئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدا میں نزول وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے چند دن کے لئے آپ ﷺ سے سلسلہ نزول وحی کو موقوف کر دیا، تاکہ آپ وحی کا انتظار کریں اور آپ کے دل میں اس کا اشتیاق پیدا ہو، حتیٰ کہ جب حضرت جبریل آپ ﷺ پر سورۃ الضحیٰ لے کر نازل ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم اب تک نہیں آئے حتیٰ کہ میں تمہارا مشتاق ہو گیا تھا، حضرت جبریل نے کہا: میں آپ ﷺ سے زیادہ آپ ﷺ کا مشتاق تھا کیونکہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت مکرم ہیں لیکن میں وحی لانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔ (تفسیر مقاتل)

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ: آپ ﷺ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے، پچھلی آیت کے مفہوم میں یہ بات سمجھی گئی کہ مخالفین و معاندین اس بات پر بہت خوشیاں مناتے تھے کہ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا، جبریل کی آمد رک گئی تو اب نبوت و رسالت کی ساری باتیں اختتام پذیر ہو جائیں گی، اگر سلسلہ وحی رک جاتا تو اس کا لازمی نتیجہ دنیا سے کوچ کرنا تھا، اس زندگی کے خاتمہ کے بعد موت کا آنا لازمی تھا، جسے اللہ تعالیٰ حیات دنیوی سے بہتر فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ بات اپنے نبی کریم ﷺ کو بتانا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ اگر دنیا سے رحلت فرما جائیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے وہ رحلت اس دنیا میں قیام سے آپ کے لیے بہتر ہے، روز بروز آپ کی عزت، تکریم، بزرگی، وجاہت میں ترقی ہوتی جائے گی، وقت کے فرعونوں، منکروں، معاندوں، ستمگروں پر آپ ﷺ کو غلبہ ملتا رہے گا۔

آپ ﷺ کی زندگی کا آنے والا ایک ایک لمحہ آپ کی گزشتہ زندگی کے لمحات سے بہترین ہو گا، اگر آپ پہلے دبے ہوئے تھے تو اب غلبہ ملے گا، پہلے فتوحات کے دروازے بند تھے تو اب فتوحات کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے، پہلے آپ کے پیروکار، اطاعت شعار، فرمانبردار، حب دار تھوڑے تھے تو اب ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا، پہلے قلیل تھے تو اب کثیر ہوتے جائیں گے۔

علوم ومعارف میں بتدریج اضافہ ہوتا چلاجائے گا، ہر بعد والا دن گزرے دن سے بہترین ہوگا، پہلے والے زمانے سے آنے والا زمانہ بہترین ہوگا، پہلے والی ساعات سے آنے والی ساعات قابل رشک ہوں گی، ماضی کی بہ نسبت حال اور استقبال قابل رشک ہوگا۔

جب اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی کہ مشرکین و معاندین، مخالفین و مخاصمین کی یاوہ گوئیوں، ہرزہ سرائیوں پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں ہے، ہم نے آپ ﷺ کو نہیں چھوڑا ہے، اس اعلان پر رحمت کائنات کی مسرت اور شادمانی کا عالم دیدنی تھا، آپ خوش ہوگئے، یہ مسرت بھی اگرچہ بڑی چیز تھی مگر اللہ نے فرمایا کہ آنے والے وقت میں اس سے زیادہ مسرت ملے گی، اس سے زیادہ تسلی ملے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں اس سے بڑھ کر ملے گی۔

مفسر قرآن امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں یہاں اٹھنے والے ایک سوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے کس وجہ سے افضل ہوگی اور کس اعتبار سے بہتر ہوگی؟ اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے۔

① گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے یہ فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ دنیا میں بھی خیر و بھلائی پر ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ دنیا میں وہ کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں جو آپ ﷺ چاہ رہے ہیں اور آخرت آپ ﷺ کے لیے اس لیے بہتر ہوگی کہ وہاں ہم وہ کریں گے جو ہم چاہیں گے۔

② آخرت آپ ﷺ کے لیے اس لیے بہتر ہوگی کہ آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی امت جمع ہوگی اور آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے لیے اولاد کی مانند ہے، اس لیے کہ اللہ نے جب آپ ﷺ کی بیویوں کو امت کی مائیں قرار دیا ہے تو آپ ﷺ امت کے والد ہوئے، تو آپ ﷺ کی امت جنت میں آپ ﷺ کے پاس ہوگی تو گویا آپ ﷺ کی اولاد آپ ﷺ کے پاس ہو گی، ان کی جنت میں آپ ﷺ کے پاس موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی۔

③ آخرت آپ ﷺ کے لیے افضل و بہتر اس لیے ہے کہ جنت آپ ﷺ کی خریدی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے جنت کو اللہ سے خریدا ہے، جیسے قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے، جب کہ دنیا آپ

ﷺ کی خریدی ہوئی نہیں، پھر دنیا آپ ﷺ کی مملوک نہیں جب کہ آخرت آپ ﷺ کی مملوک ہے، مملوک اور غیر مملوک میں بڑا فرق ہے، اس لیے آخرت آپ ﷺ کے لیے دنیا سے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

④ آخرت آپ ﷺ کے لیے دنیا سے افضل و بہتر اس لیے ہے کہ دنیا میں کافر آپ ﷺ کو ستاتے اور تنگ کرتے ہیں، طعن و تشنیع کرتے ہیں، جب کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو یہ شان، مقام اور مرتبہ عطا فرمائیں گے کہ وہ دوسری امتوں پر گواہی دے گی، نبی کریم ﷺ دوسرے انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے، پھر سب سے بڑھ کر یہ بات کہ اللہ آخرت میں خود اپنے حبیب پر گواہی دے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں واضح موجود ہے کہ اللہ کی گواہی کافی ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

⑤ آخرت آپ ﷺ کے لیے اس لیے بہتر ہے کہ دنیا کی بھلائیاں تھوڑی ہیں، ان میں آمیزش ہے، یہ فانی اور زوال پذیر ہیں، جب کہ آخرت کی بھلائیاں کثیر ہیں، ملاوٹ و آمیزش سے پاک ہیں اور دائمی اور لازوال ہیں۔ (تفسیر کبیر للرازی)

دوسرا سوال یہاں یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مخاطب کرتے ہوئے واحد حاضر کی ضمیر استعمال کی ہے، جمع حاضر کی ضمیر لا کر خَيْرٌ لَّكُمْ فرما دیتے، ایسا کیوں نہیں فرمایا؟

جمع مخاطب کی ضمیر اس لیے نہیں لائی گئی کہ ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہونے تھے جن کے لیے آخرت بہتر نہیں ہو گی، بلکہ بری ہو گی، اگر اللہ تعالیٰ یہ بات عموم میں کہہ دیتے کہ آخرت تم سب کے لیے بہتر ہے تو پھر اس میں یہ بات غلط ہو جاتی اور اگر یہاں اللہ تعالیٰ نیکوکاروں، اطاعت شعاروں اور کامیاب و کامران ہونے والے لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے تو پھر گناہ گار اور منافقین کی رسوائی لازم آتی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات پر یقین تھا اس لیے فرمایا تھا کہ ان اللہ معی بے شک اللہ میرے ساتھ ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کو اپنے ہمراہی صدیق اکبر پر بھی یقین تھا اس لیے وہاں معنا جمع کی ضمیر ذکر فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا کلام حکمت سے بھرپور ہوتا ہے، یہاں لک فرمایا لکم نہیں فرمایا اس کی بھی بڑی حکمت ہے، ایک بار موسیٰ علیہ السلام استسقاء کے لیے نکلے، آپ کے ساتھ تین دن تک ہزاروں لوگ تھے، دعائے استسقاء مانگتے رہے مگر قبول نہیں ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اس کی وجہ پوچھی تو اللہ نے فرمایا جب تک تمہارے ساتھ ایک چغل خور آدمی چلتا رہے گا میں تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے اللہ! وہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ جب ایک شخص کا ایک عمل میں پسند نہیں کرتا، جس عمل کی وجہ سے میں اس کو پسند نہیں کرتا تو وہ کام میں خود کیسے کروں؟

تھوڑی مدت گزری تو وحی اتری کہ چغل خور مر گیا ہے، اور یہ جناز گاہ میں اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے، موسیٰ علیہ السلام اس جناز گاہ میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ستر جنازے رکھے ہوئے ہیں، دیکھا جائے کہ رب تعالیٰ اگر اپنے دشمنوں کی یوں پردہ پوشی اور ستاری فرماتا ہے تو اپنے ولیوں اور دوستوں کی کس طرح پردہ دری کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ہزاروں لوگوں کی دعا اس لیے قبول نہیں کی کہ ان میں ایک گناہ گار انسان تھا، اور یہاں اللہ سب گناہگاروں پر ایک اطاعت شعار، ایک فرمانبردار اور ایک نیکوکار کی وجہ سے گناہگاروں پر رحم و کرم فرمارہے ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى: اور عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت جنت میں داخل ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے راضی نہیں ہوں گے جب تک ان کی امت میں سے ایک آدمی بھی دوزخ میں ہو گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو تلاوت فرمایا جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے **فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي** (ابراہیم ۳۶) سو جس نے میری تابعداری کی بے شک وہ مجھ سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد تلاوت فرمایا **إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ**

عِبَادُكَ (المائدہ۱۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے گا تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، پس آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا، اے اللہ! میری امت، میری امت اور رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے جبریل! محمد ﷺ کے پاس جایئے اور ان سے فرمایئے کہ ہم عن قریب آپ ﷺ کو راضی کر دیں گے تیری امت کے بارے میں اور ہم تجھ کو نہیں بھولیں گے۔

امت کے لیے شفعت: بروز محشر آپ ﷺ کو کیا عظیم الشان مقام و مرتبہ نصیب ہو گا کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ مجھے میرا رب آواز دے گا، اے محمد کیا آپ راضی ہیں؟ میں کہوں گا ہاں میرے رب میں راضی ہوں، گویا آپ ﷺ کو مقام شفاعت دے کر اللہ تعالیٰ راضی کریں گے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور وہ چکی کے ذریعہ آٹا پیس رہی تھیں اور وہ اونٹ کی اُون کی چادر پہنے ہوئے تھیں، جب آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا اے فاطمہ! جلدی کرو اور دنیا کی مشقت اور تکلیف کو آخرت کی نعمتوں کے لیے برداشت کرو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى نازل فرمائی۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو اللہ نے فرمایا کہ عنقریب ہم آپ ﷺ کو اتنا دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے یہ قیامت کے دن ہو گا، آپ کا رب آپ ﷺ کو اتنا دے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے اور وہ جنت ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کو مقام شفاعت ملنے کو ہی ترجیحاً ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے حبیب ﷺ سے مومنین و مومنات کے لیے بخشش مانگنے کی فرمائش کی، آپ ﷺ کو اہل ایمان کے لیے بخشش مانگنے کا حکم دیا، تو بخشش مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا مطالبہ کرے تو وہ رد نہ کی جائے، وہ اس کی قبولیت کے ساتھ ہی راضی ہو۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول کریم ﷺ قبولیت کے ساتھ ہی راضی ہوں گے تو پھر یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہر وہ چیز دے دیں گے جس سے آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے تو ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ آیت مبارکہ گناہگاروں کی شفاعت پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آیت کا مقدمہ بھی اسی کے مناسب ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ نہ تو میں آپ ﷺ کو چھوڑوں گا اور نہ ہی میں آپ ﷺ پر غصہ ہوں گا بلکہ آپ ﷺ کے اصحاب، آپ ﷺ کے پیروکاروں اوراور تابعداروں میں سے بھی ان لوگوں کو چھوڑیں گے نہیں اور غصہ نہیں ہوں گے جنہوں نے آپ ﷺ کی رضاجوئی اورآپ ﷺ کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رِضَاءُ جَدِّی أَنْ لَا یَدْخُلَ النَّارَ مُوَحِّدٌ (تفسیر کبیر) میرے نانا کی رضاتو اس میں ہے کہ کوئی توحید والا دوزخ میں نہ جائے۔

حضرت امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل قرآن کے نزدیک سب سے امید افزا یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَا عِبَادِیَ الَّذِینَ أَسْرَفُوا عَلَی أَنْفُسِهِمْ (الزُّمَر: ۵۳) جب کہ ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت مبارکہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں کہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیكَ رَبُّكَ فَتَرْضَی قسم بخدا! آپ ﷺ کو لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں کے لیے شفاعت کرنے کا حق عطا کیا جائے گا یہاں تک کہ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ میں راضی ہو گیا۔ (تفسیر کبیر)

اگر اس آیت کریمہ کو ہم آخرت سے متعلق تسلیم کریں تو پھر اس کا مصداق یہ ہے جو بیان کیا گیا، لیکن اگر اس آیت کو دنیا کے بارے میں تسلیم کریں کہ آپ کو وہ کچھ دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے تو اس میں اس طرف اشارہ ہوگا جب آپ ﷺ کو میدان بدر میں آپ ﷺ کے دشمنوں پر کامیابی اور کامرانی ملی تھی۔

پھر وہ مراد ہوگا جب فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کو مسرت وشادمانی ملی تھی، لوگ فوج در فوج اللہ

کے دین میں داخل ہونے کے لیے آرہے تھے، بنو قریظہ اور بنو نضیر پر آپ ﷺ کا غلبہ پانا، پھر انہیں جلاوطن کیا جانا، پھر آپ ﷺ کے لشکروں اور سرایا کو جزیرہ عرب میں پھیل جانا، پھر ارض مدائن تک آپ ﷺ کے خلفاء کی فتوحات کا پھیل جانا، جابروں اور ستمگروں کی سلطنتوں کو اپنے ہاتھوں منہدم کرنا، قیصر وکسریٰ کے ایوانوں تک جا پہنچنا، شرق وغرب میں دین اسلام کے رعب کا پھیلنا، اسلام کی ہیبت قائم ہونا، دعوت وتبلیغ کا عام ہونا، یہ سب آپ ﷺ کی مسرت کا باعث تھا لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی چیزوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کے لیے آخرت کو بہترین قرار دیا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ **يُعْطِيكَ** فرماتے تاکہ یہ سعادت تمام اہل ایمان کو بھی حاصل ہو جاتی۔ اس سوال کا جواب بھی امام رازی رحمہ اللہ نے کئی وجوہ سے دیا ہے، ایک تو یہ ہے کہ یہاں مقصود آپ ﷺ کے پیروکار ہیں، دوسرا یہ کہ جب میں آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اکرام کروں تو درحقیقت یہ آپ ﷺ ہی کا اکرام ہے، اس لیے کہ میرے علم میں ہے کہ آپ ﷺ ان پر شفیق ہیں اور ان کے اکرام واعزاز پر آپ ﷺ کو خوشی ہوتی ہے، آپ ﷺ کے ذکر سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر سے آپ ﷺ کو خوشی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باقی انبیاء کرام بروز محشر اپنے آپ سے ابتدا کرتے ہوئے نفسی نفسی کہیں گے، یعنی جزا اور ثواب کا آغاز میری امت سے بھی پہلے مجھ سے کیجیے، اس لیے کہ میں اپنی امت سے پہلے مطیع اور تابعدار ہوا ہوں، جب کہ آپ ﷺ ایسا نہیں کہیں گے اور کریں گے بلکہ آپ ﷺ کی ابتدا بروز محشر امتی امتی کے الفاظ اور صدا سے ہوگی، کہ جزا اور ثواب کا آغاز میری امت سے کیا جائے، کیونکہ میری خوشی اسی میں ہے کہ میں انہیں بہترین جزا ملتے دیکھوں۔

تیسری بات یہ کہ آپ نے میرے ساتھ تو اچھا معاملہ کیا ہے، جب آپ ﷺ کے مخالفین نے آپ ﷺ کا چہرہ زخمی کیا تو آپ ﷺ نے ان کی ہدایت کی دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ **اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** اور جب انہوں نے آپ کو جنگ خندق کے موقع پر نماز سے غافل کر دیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے کہا تھا

اللّٰھُمَّ امْلَأْ بُطُوْنَھُمْ نَارًا اے اللہ! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دیجیے، آپ ﷺ نے چہرے کا زخم جو آپ ﷺ کے اپنے جسم میں لگا تھا وہ برداشت کر لیا تھا، مگر آپ ﷺ نے اپنے دین کے جسم میں لگنے والے زخم کو برداشت نہیں کیا تھا، نماز دین کا حصہ ہے، اس سے غفلت کو آپ ﷺ نے برداشت نہیں کیا تھا، آپ ﷺ نے میرے حق کو اپنے حق پر ترجیح دی تھی، اس لیے میں نے یقیناً آپ ﷺ کو فضیلت دی، کہ جو شخص دو سال تک نماز ترک کر دے یا دوسروں کو دو سال تک نمازوں سے روکے رکھے اسے کافر نہیں کروں گا، جب کہ آپ ﷺ کے بالوں میں سے کسی ایک بال کو تکلیف پہنچانے والے یا آپ ﷺ کی جوتی کے کسی حصہ کو تکلیف پہنچانے والے کو میں کافر قرار دوں گا۔

دوسرا سوال یہاں یہ ہے کہ اللہ نے وَلَسَوْفَ فرمایا ہے وَسَيُعْطِيكَ کیوں نہیں فرمایا؟ اس سوال کا بھی کئی طرح سے امام رازی نے جواب دیا ہے، ایک یہ کہ یہ جملہ آپ ﷺ کی اجل (وفات) کے قریب ہونے پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اس کے بعد بھی ایک زمانہ تک زندہ رہیں گے۔

دوسرا یہ کہ جب مشرکین مکہ نے کہا کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے چھوڑ دیا ہے، تو جو الفاظ ان مشرکین نے استعمال کیے تھے اللہ نے بھی انہی لفظوں کے ساتھ ان کو جواب دیا اور فرمایا مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى پھر مشرکوں نے یہ ہرزہ سرائی کی کہ سَوْفَ يَمُوتُ مُحَمَّدٌ محمد عنقریب فوت ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی انداز اور انہی الفاظ کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى

یہاں ایک سوال اور ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى؟ اس کا جواب امام رازی رحمہ اللہ یوں دیتے ہیں کہ اس سورت کی ابتدا سے انتہاء تک یہ سارا وہ کلام ہے جو حضرت جبریل امین نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا، کیونکہ آپ ﷺ کو جبریل سے ملاقات اور ان سے کلام سننے کا بہت ہی اشتیاق تھا، تو اللہ نے بھی یہ چاہا کہ جبریل آپ ﷺ کے ساتھ ان بشارتوں کے ساتھ کلام کریں۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوى: اے حبیب! کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو معزز و مکرّم) ٹھکانا دیا۔ جب اللہ نے اپنے حبیب ﷺ سے یہ پوچھا کیا اس نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اے میرے رب! ہاں، اللہ فرماتے ہیں جب آپ کمزور بچے تھے ہم نے آپ ﷺ کو اس وقت بھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑا بلکہ ہم نے آپ ﷺ کی تربیت کی، آپ ﷺ کو پروان چڑھایا، یہاں تک کہ آپ بلندیوں کو چھونے لگے، عرش بریں تک جا پہنچے، ہم ہی نے آپ ﷺ کے لیے فرمایا تھا کہ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْنَا الْأَفْلَاكَ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصد نہ ہوتا تو آسمانوں کی تخلیق نہ ہوتی، تو آپ ﷺ کا کیا خیال تھا کہ ہم داغ ہجر و فراق دے دیں گے؟

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جو الم یجدک فرمایا گیا وجود بمعنیٰ علم ہے، یہاں یتیم منصوب ہے وَجَدَ کا، مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ کے علم میں آپ کی یتیمی نہیں تھی؟ پھر اس نے آپ ﷺ کو ٹھکانہ مہیا کیا، یتیم اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کی چھوٹی عمر میں ہی والد فوت ہو جائے، حضرت نبی کریم ﷺ ابھی شکم مادر میں تھے کہ والد بزرگوار حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رحلت فرما گئے، پھر رسول کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی، آپ کی تربیت و پرورش آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبد المطلب نے فرمائی، جب رسول کریم ﷺ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر ابواء نامی جگہ پر انتقال فرما گئیں، جب آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو آپ کے دادا کا انتقال ہو گیا۔

آپ کے دادا نے اپنے بیٹے ابو طالب جو کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے کو وصیت فرمائی ہوئی تھی کہ وہ اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش کریں گے، چنانچہ چچا ابو طالب نے آٹھ سال کی عمر سے لے کر اس وقت تک آپ ﷺ کی کفالت کی جب آپ ﷺ کے سر مبارک پر تاج رسالت سجایا گیا، اس کے بعد بھی ایک طویل مدت تک آپ ﷺ کا خیال فرماتے رہے، پھر ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے یہاں اس نعمت کا ذکر فرمایا۔

ایک دن کی بات ہے کہ ابو طالب نے اپنے دوسرے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا میں

آپ کو بھتیجے محمد کے بارے میں وہ بات نہ بتاؤں جو میں نے اس میں دیکھی؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بتایئے، کہنے لگے جب سے میں نے اپنے بھتیجے کو اپنی پرورش میں لیا تب سے میں اسے دن رات میں کسی گھڑی جدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کے سپرد کرنے میں اطمینان پاتا ہوں، یہاں تک کہ میں اپنے بھتیجے کو سلاتا بھی اپنے بستر پر ہوں، ایک دن میں نے اس سے کہا کہ سونے کا لباس پہن کر میرے ساتھ سو جائیں، تو میں نے محسوس کیا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی، لیکن اس نے میری مخالفت کرنے کی بجائے مجھے یہ کہا کہ چچا جان آپ اپنا چہرہ دوسری طرف کیجیے تاکہ میں اپنے کپڑے اتار سکوں، کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ میرے جسم کی طرف دیکھے۔

مجھے یہ بات سن کر حیرانی ہوئی، میں نے دوسری طرف توجہ کی تو وہ بستر میں چلا گیا، جب میں بستر میں آیا تو میں اور اس کے درمیان کپڑے کا فاصلہ تھا، قسم بخدا! وہ بہت نرم و نازک بچہ ہے، اس کے جسم سے خوشبو کے یوں ہلے اٹھتے ہیں جیسے مشک و عنبر میں غوطہ دیا گیا ہو، اس کے بعد میں نے اس کے جسم کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ بھی نہیں دیکھ سکا، بہت دفعہ میں نے اسے بستر سے گم پایا، جب میں اسے تلاش کرنے کے لیے اٹھا تو اسے آواز دی، تو وہ میری آواز سن کر کہتا کہ چچا جان میں یہاں ہوں آپ لوٹ جایئے۔

بہت دفعہ میں اس سے چاندنی رات میں ایسا کلام سنتا جس پر مجھے حیرانی ہوتی، کھانے اور پینے کے دوران ہم کبھی کھانے پینے کے شروع میں بسم اللہ اور کھانے پینے کے بعد کبھی الحمدللہ نہیں کہتے تھے، جب کہ ہمارا بھتیجا کھانے کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الْأَحَدِ کہتا ہے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتا ہے تو الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتا ہے، پھر میں نے اسے کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، کوئی جاہلانہ باتیں کرتے نہیں دیکھا اور نہ ہی بچوں کے ساتھ اسے کھیلتے ہوئے دیکھا۔ (تفسیر کبیر)

آپ ﷺ کو یتیم رکھا اور آپ کے والدین کو اٹھا لیا تاکہ آپ ﷺ پر کسی کی تعظیم کرنے کا حق نہ ہو، دودھ پلانے والی حلیمہ کا بھی آپ ﷺ پر کوئی احسان نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ کی برکت سے اس پر خوش حالی آگئی۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کو یتیم اس طرح فرمایا ہے، جس طرح در یتیم اس موتی کو کہا جاتا ہے جو اپنی سیپی میں تنہا اور منفرد ہوتا ہے، آپ ﷺ بھی اپنی پاکیزہ صفات اور حیرت انگیز کمالات میں متفرد تھے اور اس آیت کا معنی ہے، أَلَمْ يَجِدْكَ وَاحِدًا فِي قُرَيْشٍ عَدِيمَ النَّظِيرِ فَآوَاكَ؟ کیا اللہ نے آپ کو قریش میں منفرد صفات کا حامل نہیں پایا، پھر آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا یا ہم نے آپ کو در یتیم کی طرح بے نظیر صفات کا حامل پایا تو آپ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ کو برگزیدہ بنا دیا۔ (تفسیر کبیر للرازی، تبیان القرآن)

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى: اور آپ ﷺ کو تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو اس نے راہنمائی فرمائی ،امام رازی نے یہاں لفظ ضال پر مختلف لوگوں کے اقوال پیش کرنے کے بعد جمہور کی رائے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک نبی ﷺ نے ایک لحظہ کے لئے بھی کفر نہیں کیا، قرآن مجید میں ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى (النَّجْمِ:۲) تمہارے پیغمبر نے راہ حق کو گم کیا نہ وہ ٹیڑھے راستہ پر چلے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں لفظ ضالاً کی بہت سی توجیہات بیان فرمائی ہیں ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن بصری رحمہ اللہ، ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضال کا معنی غافل ہے اور شہر بن حوشب نے کہا، آپ کو احکام شریعت (کی تفصیل) سے غافل پایا تو آپ کو ان کی ہدایت دی اور اس کی تائید ان آیات میں ہے مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (الشُّورَى: ۵۲) اے نبی ﷺ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے؟

② ضال کا معنی ہے، گم شدہ۔ آپ ﷺ کی دائی حلیمہ آپ کو آپ کے دادا کی طرف واپس لے جانے لگیں تو انہوں نے آپ کو گم پایا حتیٰ کہ وہ ہبل نامی بت کے پاس گئیں اور اس سے شکایت کی تو وہ سب بت گر پڑے اور یہ آواز سنائی دی: إِنَّمَا هَلَاكُنَا بِيَدِ هَذَا الصَّبِيِّ اس بچے کے ہاتھوں ہماری ہلاکت ہو گی۔

③ آپ اپنے دادا عبد المطلب سے گم ہو گئے تھے تو ابو جہل آپ کو یہ کہتے ہوئے ان کے پاس لایا

لَا نَدْرِی مَاذَا نَرَی مِنِ ابْنِكَ، ہمیں معلوم نہیں کہ ہم آپ کے بیٹے میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ عبد المطلب نے ابو جہل سے پوچھا وہ کیا؟ ابو جہل نے کہا کہ جب میں نے اسے سوار کرنے کے لیے اونٹنی بٹھائی اور اسے اپنے پیچھے سوار کیا تو اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا، جب میں نے اسے اپنے آگے بٹھایا تو اونٹنی اٹھ گئی، گویا کہ اونٹنی کہہ رہی تھی يَا أَحْمَقُ هُوَ الْإِمَامُ فَكَيْفَ يَقُومُ خَلْفَ الْمُقْتَدِي اے بے وقوف! وہ امام ہے مقتدی کے پیچھے کیسے کھڑا ہو سکتا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کے دشمن کے ہاتھ سے دادا تک پہنچایا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کہ ان کے دشمن کے ہاتھ سے ان کی حفاظت کروائی تھی۔

④ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ جا رہے تھے، ایک کافر نے آپ ﷺ کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آپ ﷺ سے راستہ گم ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو انسانی شکل میں بھیجا جبریل نے آپ ﷺ کی قافلہ کی طرف راہنمائی کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابو طالب جب ملک شام کی طرف جا رہے تھے اس وقت راستہ بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی راہنمائی فرمائی تھی۔

⑤ جب دودھ پانی میں محلول ہو جائے تو عرب اس وقت یہ جملہ بولتے ہیں ضل الماء فی اللبن پانی دودھ میں گم ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کفر کے معاشرے میں مخلوط پایا تو آپ ﷺ کو مضبوط کر کے آپ کے دین کو تقویت دی۔

⑥ عرب میں وہ درخت جو جنگل میں تنہا ہو اسے الشجرۃ الضالہ کہتے ہیں، جس کا معنیٰ ہے منفرد اور یکتا، اس لحاظ سے اس آیت میں آپ ﷺ کو ضال فرمایا گیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرمانا چاہتے ہیں كَانَتْ تِلْكَ الْبِلَادُ كَالْمَفَازَةِ لَيْسَ فِيهَا شَجَرَةٌ تَحْمِلُ ثَمَرَ الْإِيمَانِ بِاللهِ وَمَعْرِفَتَهُ إِلَّا أَنْتَ، فَأَنْتَ، شَجَرَةٌ فَرِيدَةٌ فِي مَفَازَةِ الْجَهْلِ فَوَجَدْتُكَ ضَالًّا فَهَدَيْتُ بِكَ الْخَلْقَ

یہ شہر جنگلوں کی طرح تھے، جن میں کوئی درخت ایسا نہیں تھا جو ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کے پھل کو اٹھا سکتا، سوائے آپ کے، پس آپ ہی جہل کے جنگل میں وہ یکتا و یگانہ درخت ہیں، میں نے آپ کو یگانہ و منفرد پایا تو آپ کو ہی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنا دیا۔ اس کی نظیر حدیث شریف میں ہے

جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِلحِکمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِن (ترمذی) حکمت مومن کا منفرد ثمر بار درخت ہے۔

⑦ ضالاً کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ کی معرفت سے عاری پایا جب آپ بچے تھے، جیسے اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئاً (النَّحل: ۷۸) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ پھر آپ میں عقل ودانش پیدا فرمائی، آپ کو ہدایت اور معرفت عطا کی، تو یہاں ضال کا معنٰی ہے خالی عن العلم ہے، خطاء اعتقادی کے ساتھ موصوف ہونے والا معنٰی یہاں مراد نہیں ہے۔

⑧ ضالاً کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ نبوت کی کوئی طمع نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کے دل پر نبوت ورسالت کا کوئی خیال گزرتا تھا، جب کہ یہود ونصاری کا خیال یہی تھا کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے اندر ہی ہے، پھر ہم نے آپ ﷺ کی راہنمائی نبوت ورسالت کی طرف کی، حالانکہ آپ ﷺ کو یقیناً نبوت ورسالت میں کوئی لالچ وطمع نہیں تھا۔

⑨ کبھی کبھار قوم کے سردار کو مخاطب کیا جاتا ہے لیکن اس تخاطب سے خطاب قوم کو کرنا مقصود ہوتا ہے، تو یہاں خطاب وَوَجَدَكَ ضَالًّا سے آپ ﷺ کو ہے لیکن مراد آپ ﷺ کی قوم ہے یعنی آپ ﷺ کی قوم کو گمراہ پایا پھر آپ ﷺ کے ذریعے انہیں ہدایت دی۔

⑩ یہاں ضالاً کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کو گمراہوں سے بالکل الگ تھلگ اور ایک طرف ہٹا ہوا پایا، ان کے دین سے پہلو تہی کرتے ہوئے پایا، جس قدر آپ ﷺ ان سے زیادہ دور رہتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر وہ گمراہی میں آگے بڑھتے تھے، اس لیے ہم نے آپ ﷺ کی راہنمائی کی کہ آپ ﷺ ان سے گھل مل کر رہیں اور دین مبین کی طرف انہیں دعوت دیں۔

⑪ ضالاً کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کرنے کے معاملے میں حیران تھے، آپ ﷺ قریش مکہ سے فراق وجدائی اختیار کرنے کی تمنا رکھتے تھے مگر اِذنِ الٰہی کے بغیر آپ ﷺ کے لیے ایسا کرنا ناممکن تھا، جب اللہ تعالیٰ نے اِذنِ فرمایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے ہمراہ

کیا، اُمّ معبد کے خیمہ کی سمت راہنمائی کی، سراقہ کے قصہ میں جو منظر دکھائی دیا، دین میں قوت ظاہر ہوئی یہ سب ہی کچھ اس سے مراد ہے اسی کو یہاں فھدیٰ سے تعبیر فرمایا کہ اس نے رہنمائی کی۔

⑫ آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، جی چاہتا تھا کہ قبلہ کو سمت نماز بنا دیا جائے، مگر اس میں آپ ﷺ کو حیرانی اور تحیر کا سامنا تھا، کہ پتا نہیں خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے گا یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس تحیر و حیرانی کو ختم کرتے ہوئے راہنمائی فرمائی کہ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (الْبَقَرَةِ: ۱۴۴) ہم آپ ﷺ کا قبلہ وہ بنا دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ تو یہاں اس تحیر و حیرانی کو ضلال کہا گیا ہے۔

⑬ جب شروع شروع میں جبریل امین وحی لے کر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کو معلوم نہ ہو رہا تھا کہ وہ جبریل ہیں یا نہیں، آپ ﷺ سخت خوف زدہ تھے، بعض اوقات تو اپنے کو اس خوف کے باعث پہاڑ سے گرا دینے کا خیال کرتے تھے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی راہنمائی فرمائی کہ یہی جبریل امین ہیں، پھر آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو جبریل کو نہ پہچان سکنے کو ضالاً سے تعبیر کیا گیا۔

⑭ یہاں ضلال محبت کے معنیٰ میں ہے، جیسے سورۃ یوسف میں فرمان ہے إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ (يُوسُفَ: ۹۵) بے شک آپ تو پرانی محبت میں ہیں۔ تو یہاں ووجدک ضالاً کا معنیٰ ہے آپ ﷺ کو محبت کرنے والا پایا تو شرائع اور احکام کی طرف آپ کی راہنمائی کر دی تاکہ اپنے محبوب کی خدمت سے قرب حاصل کریں۔

⑮ ضالاً کا معنیٰ ہے دنیوی کاموں سے واقفیت نہ ہونا، آپ ﷺ تجارت وغیرہ نہیں جانتے تھے، پھر اللہ نے آپ ﷺ کی راہنمائی کی تو آپ ﷺ ایک کامیاب تاجر قرار پائے، تجارت میں نفع کمایا اور بڑا نفع ملا، یہاں تک کہ خدیجہ جیسی تاجرہ خاتون کو آپ ﷺ میں رغبت پیدا ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تو دین کے سوا کسی چیز کو نہیں جانتے تھے تو آپ ﷺ کی مصالح دنیا کی طرف راہنمائی کی۔

⑯ ووجدک ضالاً کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم میں ضائع ہورہے تھے، وہ لوگ آپ ﷺ کو تکلیف اوراذیت پہنچاتے تھے،وہ بطوررعایا آپ ﷺ سے خوش نہیں ہورہے تھے، پھر آپ ﷺ کی سلطنت کو مضبوط کیا، آپ ﷺ کی راہنمائی بطور حکمران کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے والی اور حکمران قرار پائے۔

⑰ یہاں ضالاً کا معنٰی یہ ہے کہ آپ ﷺ آسمانوں کے راستوں سے آگاہ نہیں تھے، پھر اللہ نے آپ ﷺ کی راہنمائی کی توشب معراج میں سارے آسمانوں سے گزرتے ہوئے عرش بریں تک جا پہنچے۔

⑱ ضالاً بھولنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے، جیسے گواہی کے بیان میں سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ عورتیں دوبطور گواہ پیش ہوں اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے، تو یہاں تضل کا لفظ استعمال ہوا ہے، توشب معراج نبی کریم ﷺ جلال الٰہی کے باعث یہ بات بھول گئے تھے کہ اللہ کے سامنے کیا عرض کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی راہنمائی کی تو آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! میں تیری ثناء اس طرح نہیں کرسکتا جس طرح تو نے اپنی ثناء کی ہے۔

⑲ اگرچہ نبی کریم ﷺ اپنے قلب اطہر سے اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے، آپ ﷺ کو اللہ کی معرفت حاصل تھی مگر آپ ﷺ لوگوں کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے تو اس کو ضالاً سے یہاں تعبیر فرمایا گیا ہے۔

⑳ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، زمانہ جاہلیت میں لوگ جو کام کرتے تھے ان میں سے دو کام ایسے تھے جن کا میں نے کرنے کا ارادہ کیا تھا، ہر دوبار اللہ نے میرے اور اس کام کے درمیان ایسا پردہ حائل کیا کہ میں وہ کام نہ کرسکا، اس کے بعد میں نے کبھی برائی کا ارادہ نہیں کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت و نبوت کے ساتھ عزت بخشی۔

ایک وہ موقع تھا جب میں نے ایک رات کو قریش کے ایک لڑکے سے کہا جو مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اگر آپ میری بکریوں کا خیال کریں تو میں مکہ میں چلا جاؤں؟ اور وہاں جاکر جوانوں کی طرح قصہ گوئی میں حصہ لوں، میں اسی ارادے سے وہاں سے نکلا

یہاں تک کہ مکہ والوں کے گھروں میں سے پہلے ہی گھر میں پہنچا تو میں نے دفوں اور باجوں گاجوں کی گونج میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں جو فلاں کا بیٹا ہے اس کی فلاں لڑکی سے شادی کروائی جائے، میں نے وہاں بیٹھ کر ان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، اتنے میں اللہ نے مجھ پر نیند مسلط کر دی، اب میری آنکھ اس وقت کھلی جب سورج نکل چکا تھا، پھر میں اپنے ساتھی کے پاس آیا، اس نے مجھ سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ میں نے اسے بتایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا، پھر اسے میں نے واقعہ کہہ سنایا۔

فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دوسری رات بھی اسے اسی طرح کی بات کہی، اس رات بھی اللہ نے میرے اوپر نیند مسلط کر دی یہاں تک کہ میں سو گیا اور اس وقت اٹھا جب سورج چڑھ چکا تھا، ان دو مواقع کے بعد میں نے کبھی بھی کسی برے کام کا ارادہ نہیں کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت عطا فرما دی۔ (کبیر للرازی)

لفظ ضال کی وجہ سے ہر شخص نے اپنا سا معنیٰ بیان کرنے کی کوشش کی، بعض نے ایسے معانی بیان کیے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شایان شان نہیں تھے، اس لیے حضرات مفسرین کرام کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے امت مسلمہ کو سوء ادبی سے بچانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا کر اس لفظ کا مفہوم درست طریقہ سے واضح کیا، اللہ تعالیٰ امام رازی کو بھی ہماری طرف سے جزائے خیر دے جنہوں نے بہت خوب توجیہات پیش فرمائی ہیں۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى: اور اللہ نے آپ ﷺ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا، دوسرے الفاظ میں اس آیت کا ترجمہ اور مفہوم یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے، اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا، عائل کا لفظ فقیر کے لیے بولا جاتا ہے، اگرچہ وہ عیال والا نہ بھی ہو، عائل کے اور بھی لغت میں معانی ہیں مگر مشہور معنیٰ فقیر کا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کس طرح غنی کیا، اس کے بارے میں ارباب تفسیر نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی تربیت کے باعث مالدار کیا، پھر جب ان کے حالات بھی ایسے نہ رہے تو اللہ نے آپ ﷺ

کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے باعث مالدار کیا، جب ان کے حالات بھی ایسے نہ رہے تو اللہ نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کیا، جب یہاں مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ٹھیک نہ رہے تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، پھر اللہ نے انصار کی مدد اور نصرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالدار کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا گیا، جہاد کی برکت سے مال غنیمت اور مال فئے سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالدار کیا، اگرچہ یہ سب کچھ اس سورت کے نزول کے بعد ہوا مگر عالم الغیب والشہادہ اللہ کی ذات ہے، اس کا علم اکمل اور اتم ہے، اللہ کے علم میں ایسا ہی تھا، گویا کہ معلوم ایسا ہی تھا جیسا کہ واقع ہو چکا ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ

أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ وَهُوَ مَغْمُومٌ، فَقَالَتْ لَهُ مَالَكَ، فَقَالَ: الزَّمَانُ زَمَانُ قَحْطٍ فَإِنْ أَنَا بَذَلْتُ الْمَالَ يَنْفَدْ مَالُكِ فَأَسْتَحِي مِنْكِ، وَإِنْ لَمْ أَبْذُلْ أَخَافُ اللهَ، فَدَعَتْ قُرَيْشًا وَفِيهِمُ الصِّدِّيقُ، قَالَ الصِّدِّيقُ: فَأَخْرَجَتْ دَنَانِيرَ وَصَبَّتْهَا حَتَّى بَلَغَتْ مَبْلَغًا لَمْ يَقَعْ بَصَرِي عَلَى مَنْ كَانَ جَالِسًا قُدَّامِي لِكَثْرَةِ الْمَالِ، ثُمَّ قَالَتْ: اشْهَدُوا أَنَّ هَذَا الْمَالَ مَالُهُ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهُ (تفسیر کبیر للرازی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس غم گین حالت میں تشریف لائے، اس حال میں انہوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قحط کا زمانہ ہے، اگر میں آپ کا مال خرچ کرتا ہوں تو آپ کا مال ختم ہو جائے گا، اور مجھے آپ سے حیا آتی ہے، اگر میں یہ مال خرچ نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کا خوف آتا ہے، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے قریش کو دعوت دی، ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیناروں کی تھیلی نکالی اور اسے انڈیلا، تو یہ مال اس قدر زیادہ تھا کہ وہاں پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس مال کی کثرت کی وجہ سے میری نگاہ نہیں پڑ رہی تھی، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ لوگو! گواہ رہو یہ مال اِن (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے، اگر چاہیں تو اسے تقسیم کر دیں اور چاہیں تو اسے اپنے پاس رکھ لیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے مالدار کیا، یہ سارے لوگ چھپ چھپا کر عبادت وبندگی بجالایا کرتے تھے، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو فرمانے لگے کہ ظاہر ہو جایئے، کیا لات کی پوجا علی الاعلان کی جائے اور ہم چھپ کر بندگی بجالائیں؟ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ ہو گئے تو فرمانے لگے یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے اور میں آپ کے لیے کافی ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الْأَنْفَالِ: ٦٤) اے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے اور اہل ایمان میں سے وہ لوگ کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی کی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مالدار کیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جلال اور ہیبت سے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قناعت کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا، دولت قناعت کی وجہ سے آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ کے نزدیک پتھر اور سونے کی حیثیت ایک جیسی ہو گئی تھی، آپ ﷺ کے قلب اطہر میں اپنے رب کی عظمت، بڑائی اور کبریائی کے سوا کچھ نہیں تھا، رب تعالیٰ کائنات کی تمام اشیاء سے بے نیاز ہے اور نبی کریم ﷺ قناعت کے باعث کائنات کی تمام اشیاء سے بے نیاز ہیں، اعلیٰ درجے کا غنا اور مالداری یہ ہے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ کی جائے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو غنا اور فقر دو چیزوں کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے دونوں میں سے فقر کو اختیار کیا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فقر دلائل، براہین اور حجج کے لحاظ سے تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وہ عظیم الشان ذخیرہ علمی قرآن کریم کی شکل میں اتار دیا اور آپ ﷺ کو وہ کچھ سکھا اور بتا دیا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے، یوں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مالدار اور غنی کر دیا تھا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى أَي: فَقِيرًا فَأَغْنَاكَ بِمَا أَرَاكَ مِن أَمرِ الآخِرَةِ، وَمَا يَسُوقُ إِلَيكَ

مِن نَعِيمِهَا، أَي: بِمَا أُعِدَّ لَهُ فِي الآخِرَةِ، وَمَا وُعِدَ لَهُ مِنَ النَّعِيمِ وَالكَرَامَاتِ هَانَت عَلَيهِ الدُّنيَا، حَتَّى ذُكِرَ أَنَّ الدُّنيَا لَم تَكُن تَعدِلُ عِندَهُ عَلَيهِ السَّلَامُ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، وَلِذٰلِكَ رُوِيَ أَنَّ الغِنٰى غِنَى القَلب

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے لحاظ سے فقیر پایا تو آپ کو آخرت کی نعمتیں دکھا کر دنیا سے غنی کر دیا اور جب آپ نے وہ نعمتیں دیکھیں جن کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے اور آخرت کی عزتیں اور وجاہتیں دیکھیں تو پھر آپ کی نظر میں دنیا حقیر ہو گئی، حتیٰ کہ آپ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ تھی اور اسی لیے نقل کیا گیا کہ مالداری دل کی مالداری ہے۔

مفسر قرآن شیخ عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ معالم العرفان میں فرماتے ہیں، اغنیٰ کا عام فہم معنیٰ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ جیسی بے مثال شخصیت کو وسیع قلب عطا فرمایا اور آپ ﷺ کو وہ اخلاقِ حسنہ عطا کیا کہ جس کی تعریف اس نے خود فرمائی آپ ﷺ عظیم اخلاق کے حامل ہیں، دنیا کے سارے خزانے بھی آپ ﷺ کی قلبی کیفیت اور آپ ﷺ کے اخلاق سے مطابقت نہیں رکھتے تھے تو غنیٰ کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا خاندانِ بنو ہاشم کا مال آپ ﷺ کے حسب منشا خرچ ہو بلکہ حقیقی غناء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غنائے قلب عطا کر دیا۔

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ یعنی حقیقی غناء اس ظاہری مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اصل غناء تو دل کا غناء ہے، خواہ ظاہری اسباب کم ہی کیوں نہ ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دل میں بے حد استغناء پیدا کیا تھا، آپ ﷺ حقیر چیزوں کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

سَأَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ مَسْأَلَةً وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهُ، قُلْتُ: أَيْ رَبِّ قَدْ كَانَتْ قَبْلِي أَنْبِيَاءُ، مِنْهُمْ مَنْ سَخَّرْتَ لَهُ الرِّيحَ، ثُمَّ ذَكَرَ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يُحْيِي الْمَوْتَى، ثُمَّ ذَكَرَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

وَمِنْهُمْ يَذْكُرُ مَا أُعْطُوا، قَالَ: أَلَمْ أَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَيْتُ؟ قُلْتُ: بَلَى، أَيْ رَبِّ، قَالَ: أَلَمْ أَجِدْكَ ضَالًّا فَهَدَيْتُ؟ قُلْتُ: بَلَى، أَيْ رَبِّ، قَالَ: أَلَمْ أَجِدْكَ عَائِلًا فَأَغْنَيْتُ؟ قُلْتُ: بَلَى، أَيْ رَبِّ، قَالَ أَلَمْ أَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْتُ عَنْكَ وِزْرَكَ؟ قُلْتُ: بَلَى، أَيْ رَبِّ

میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک سوال کیا، میرا جی یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ سے یہ سوال نہ کرتا، میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ سے پہلے انبیاء کرام تھے جن میں سے کچھ کے لیے آپ نے ہوا تابع کر دی تھی، پھر سلیمان بن داؤد کا ذکر کیا، بعض ان میں سے وہ ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے تھے، پھر آپ نے عیسیٰ بن مریم کا ذکر کیا، بعض وہ جن کو آپ نے وہ کچھ دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانہ نہیں دیا؟ میں نے کہا کہ ہاں اے میرے رب! کیا میں نے آپ کو راستہ گم کیے ہوئے دیکھ کر راستہ پر نہیں ڈال دیا؟ میں نے کہا کہ ہاں اے میرے رب! فرمایا کیا میں نے آپ کو تنگ دست پا کر مالدار نہیں کیا؟ میں نے کہا ہاں اے میرے رب! فرمایا کیا میں نے آپ کا شرح صدر نہیں کیا؟ کیا میں نے آپ کی پیٹھ سے بوجھ ہلکا نہیں کیا؟ میں نے کہا ہاں اے میرے رب! (ابن ابی حاتم، طبرانی، مشکل الآثار)

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ: تو آپ ﷺ یتیم پر سختی نہ کیجئے، یہ آیت یتیم پر مہربانی کرنے، اس کے ساتھ نیکی کرنے اور اس پر احسان کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا كُنْ لِلْيَتِيمِ كَالْأَبِ الرَّحِيمِ یتیم کے لیے رحیم باپ کی طرح ہو جا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم کی بارگاہ میں دل کی سختی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، إِنْ أَرَدْتُ أَنْ يَلِينَ، فَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ، وَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ اگر تو نرمی کا ارادہ رکھتا ہے تو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر مسکین کو کھانا کھلایا کر۔

صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ كَهَاتَيْنِ (قرطبی) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو کی طرح ہیں۔ اور سبابہ (انگشت شہادت) اور وُسطیٰ کے ساتھ اشارہ کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

إِنَّ الْيَتِيمَ إِذَا بَكَى اهْتَزَّ لِبُكَائِهِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ: يَا مَلَائِكَتِي، مَنْ ذَا الَّذِي أَبْكَى هٰذَا الْيَتِيمَ الَّذِي غَيَّبْتُ أَبَاهُ فِي التُّرَابِ، فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا أَنْتَ أَعْلَمُ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ: يَا مَلَائِكَتِي، اشْهَدُوا أَنِّي مَنْ أَسْكَتَهُ وَأَرْضَاهُ؟ أَنْ أُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

یتیم جب روتا ہے تو اس کے رونے کی وجہ سے رحمن کا عرش لرز جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں، اے میرے فرشتو! کس نے اِس یتیم کو رلایا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں دبادیا تھا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں، اے میرے فرشتو! جس نے اسے خاموش کر دیا اور اسے راضی کیا اس پر گواہ ہو جاؤ میں اسے قیامت کے روز راضی کروں گا۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل یہ تھا کہ جب وہ کسی یتیم کو دیکھتے تو اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے اسے کوئی نہ کوئی چیز دیا کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاف فرمایا،

مَنْ ضَمَّ يَتِيمًا فَكَانَ فِي نَفَقَتِهِ، وَكَفَاهُ مئونته، كَانَ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ مَسَحَ بِرَأْسِ يَتِيمٍ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ جس نے یتیم کو اپنے ساتھ ملایا وہ یتیم اس کے خرچہ میں شامل تھا اور وہ آدمی اس کی ضروریات پوری کرتا ہو تو وہ یتیم قیامت کے روز آگ سے حجاب ہو گا، جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے لیے ہر بال کے بدلے نیکی ہو گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا إِذَا بَكَى الْيَتِيمُ وَقَعَتْ دُمُوعُهُ فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ (تفسیر کبیر) جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو رحمان کی ہتھیلی پر گرتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ (ابن ماجہ) مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو جس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا

ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ عَالَ ثَلَاثَةً مِنَ الْأَيْتَامِ كَانَ كَمَنْ قَامَ لَيْلَهُ وَصَامَ نَهَارَهُ، وَغَدَا وَرَاحَ شَاهِرًا سَيْفَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَكُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ أَخَوَيْنِ (ابن ماجہ)

جس نے تین یتیموں کی پرورش کی وہ عابد شب بیدار اور دن کے روزہ دار کی طرح ہے اور صبح و شام اپنی بے نیام تلوار کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دو بھائیوں کی طرح ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ: الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ (مسند احمد، ابن ماجہ) اے میرے اللہ! میں دو کمزوروں پر ظلم کو حرام کرتا ہوں ایک یتیم دوسری عورت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا إِنَّ فِي الْجَنَّةِ دَارًا يُقَالُ لَهَا دَارُ الْفَرَحِ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا مَنْ فَرَّحَ يَتَامَى الْمُؤْمِنِينَ (اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ) جنت میں ایک گھر ہے، جس کا نام دار الفرح ہے، اس میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے مومنین یتیموں کو خوش کیا ہو گا۔

حضرت مالک بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، مَنْ ضَمَّ يَتِيمًا بَيْنَ أَبَوَيْنِ مُسْلِمَيْنِ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ حَتَّى يَسْتَغْنِيَ عَنْهُ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ، (مسند احمد) جس شخص نے مسلمانوں میں کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پانی کے ساتھ ملایا حتیٰ کہ اس کو سیر کر دیا، اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہو جائے گی۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا

يَا سَائِبُ انْظُرْ أَخْلَاقَكَ الَّتِي كُنْتَ تَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاجْعَلْهَا فِي الْإِسْلَامِ، أَقْرِ الضَّيْفَ، وَأَكْرِمِ الْيَتِيمَ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ (احمد) اے سائب! اپنے ان اخلاق کی طرف دیکھیے جو زمانہ جاہلیت میں آپ اختیار کرتے تھے انہیں اسلام میں بھی اختیار کیجیے، مہمان نوازی

کیجیے، یتیم کی عزت کیجیے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھیے۔

اکثم بن صیفی نے کہا، بے وقعت چار ہیں، چغل خور، جھوٹ بولنے والا، مقروض، یتیم۔ (تفسیر قرطبی) یہ ہدایات کہ یتیم کا اکرام کرو، اس پر سختی نہ کرو، اس کی دل شکنی نہ کرو، مکہ کی نہایت ہی منکر حق اور دولت پرست، سوسائٹی میں بہت ضروری تھیں، جس میں ضعیف اور قوت نہ رکھنے والا شخص اپنا حق حاصل نہ کر سکتا تھا، جہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون تھا، لیکن جب اسلامی نظام نافذ ہوا تو اسلامی شریعت نے اس سوسائٹی کو حق پرست اور عدالت گستر سوسائٹی بنا دیا، لوگ نہایت محتاط ہو گئے، اللہ کے حدود پر رکنے لگے اور وہ ایک طرف حدود اللہ کو قائم کرنے لگے اور دوسری طرف حقوق العباد کے محافظ ہو گئے، خصوصاً ایسے لوگوں کے حقوق کے محافظ ہو گئے جن کے پاس قوت نہ تھی، جو تلوار کے ذریعہ اپنا حق نہیں لے سکتے تھے۔ (فی ظلال القرآن)

رحمت دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یتیم کیوں رکھا؟ اس کی حضرات مفسرین کرام نے وجوہات بیان فرمائی ہیں، امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی یہ وجوہات ذکر فرمائی ہیں، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ یتیم کا حق نہ روکیں، یتیم کا حق اسے دیں اور اس کا مال اسے ادا کریں، اس لیے کہ آپ ﷺ خود یتیم رہ چکے ہیں، یتیم کی حالت کو آپ ﷺ بہت عمدہ اور اچھے طریقے سے جانتے ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو یتیمی میں رکھا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں

① آپ ﷺ کو یتامیٰ کے احوال معلوم ہوں تاکہ آپ ﷺ ان کے حقوق ادا کریں اور ان کی خوشحالی اور خیر کے حصول کے لیے کاوش بروئے کار لائیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جب قحط سالی ہو گئی تھی تو وہ شکم سیر ہو کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، تاکہ وہ بھوکے لوگوں کی بھوک کو بھول نہ جائیں، جب اس بارے میں ان سے کہا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا تھا أَخَافُ إِنْ أَشْبَعَ فَأَنْسَى الْجِيَاعَ مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں شکم سیر ہو کر کھاؤں اور بھوکوں کو فراموش کر دوں۔

② آپ ﷺ کو یتیم رکھا تاکہ یتیم اس وصفِ یتیمی میں آپ کا شریک ہو جائے اور یتیم کی اس لیے عزت و تکریم کی جائے کہ آپ ﷺ بھی یتیم تھے، آپ ﷺ نے اپنے نام والے بندے کی عزت

وتکریم ان الفاظ میں بڑھائی، حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا إِذَا سَمَّيْتُمُ الْوَلَدَ مُحَمَّدًا فَأَكْرِمُوهُ، وَوَسِّعُوا لَهُ فِي الْمَجْلِسِ وَلَا تُقَبِّحُوا لَهُ وَجْهًا فَمَا مِن قَوْمٍ كَانَتْ لَهُمْ مَشْوَرَةٌ فَحَضَرَ مَعَهُمْ مَنِ اسْمُهُ أَحْمَدُ أَوْ مُحَمَّدٌ فَأَدْخَلُوهُ فِي مَشْوَرَتِهِمْ إِلَّا خَيْرًا لَهُمْ وَمَا مِن مَّائِدَةٍ وُضِعَتْ فَحَضَرَهَا مَنِ اسْمُهُ أَحْمَدُ أَوْ مُحَمَّدٌ إِلَّا قُدِّسَ فِي كُلِّ يَوْمٍ ذَلِكَ الْمَنْزِلِ مَرَّتَيْنِ (الکشف والبیان عن تفسیر القرآن للشیخ الثعالبی)

جب تم بیٹے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت و تکریم کرو اور اس کے لیے بیٹھنے کی جگہ کشادگی پیدا کرو، اس کے لیے برا منہ نہ بناؤ، کسی قوم کو مشورہ کرنا ہو اور ان میں ایسا شخص ہو جس کا نام محمد اور احمد ہو تو انہوں نے اسے مشورہ میں شریک کر لیا تو ان کے مشورے میں خیر ہی ہو گی اور کوئی ایسا دستر خوان بچھایا جائے اور اس پر ایسا شخص بیٹھے جس کا نام احمد یا محمد ہو تو اللہ تعالیٰ اس گھر کو روزانہ دو مرتبہ پاکیزگی عطا کرتے ہیں۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہ روایت اپنی تفاسیر میں نقل فرمائی اور اس کا حوالہ مسند احمد کا دیا، بندہ نے مسند احمد میں اس روایت کو تلاش کیا تو مجھے وہاں دکھائی نہیں دی، اس لیے میں نے علامہ ثعلبی رحمہ اللہ کی تفسیر کا حوالہ ہی پیش کیا ہے، جس میں یہ روایت موجود ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے مفاتیح الغیب میں، شمس الدین شربینی رحمہ اللہ نے تفسیر السراج المنیر میں، شیخ سراج الدین حنبلی رحمہ اللہ نے اللباب فی علوم الکتاب میں، شیخ نظام الدین نیشاپوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان میں یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

③ جس شخص کے ماں اور باپ دونوں باحیات ہوتے ہیں، اس کا اعتماد اپنے والدین پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ماں باپ دونوں کو اٹھالیا تاکہ بچپن سے آپ ﷺ کا اعتماد صرف اور صرف اپنے رب کی ذات پر رہے، یوں آپ ﷺ کے عہدِ طفولیت کی مشابہت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہو گئی، جب انہوں نے فرمایا تھا کہ حَسْبِي مِنْ سُؤَالِي، عِلْمُهُ بِحَالِي اسی طرح آپ ﷺ کی مشابہت حضرت مریم کے جواب کے ساتھ ہو گئی جب ان سے بے موسم پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا کہ یہ

کہاں سے آئے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔

④ عام طور پر یتیم تعلیم وتربیت اور تادیب سے محروم رہتا ہے، اس لئے لوگ یتیم کے عیب بہت تلاش کرتے ہیں، سو لوگوں نے آپ کے احوال کو بھی بہت گہری نظر سے دیکھا، لیکن سوائے پاکیزگی اور پاک دامنی کے ان کو کوئی چیز نظر نہیں آئی حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلان نبوت کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو آپ کی ذات میں طعن کرنے کی کوئی وجہ نہیں ملی۔

⑤ باپ اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتا ہے اسے ادب سکھانے کا انتظام کرتا ہے، مگر نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس لیے والد سے تعلیم وتربیت اور تادیب کا موقع میسر نہیں آیا، اس سے یہ بات واضح کرنا مقصود تھی کہ آپ ﷺ کو ملنے والی فضیلت ابتدا سے ہی تھی کسی تعلیم وتربیت اور تادیب کی بدولت نہیں تھی، آپ ﷺ نے اپنے ارشاد میں اپنی تعلیم وتربیت اور ادب آموزی کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا ادب سکھایا۔

⑥ یتیمی اور فقر یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو مخلوق میں عیب و نقص سمجھی جاتی ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے ان دو وصفتوں کے ساتھ اپنے حبیب حضرت نبی کریم ﷺ کو موصوف فرمایا تو گویا ان صفات کو عیب و نقص سمجھنے والی عادت بدل گئی، آپ ﷺ ان دو اوصاف کے باوجود ساری کائنات میں افضل واعلیٰ، برتر وبالا سمجھے گئے۔

⑦ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو اٹھالیا، دونوں کا سایہ شفقت آپ ﷺ کے لیے نہ رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ دونوں باحیات ہوتے تو رحمت کائنات ﷺ کو اپنے والدین کی تعظیم واکرام کرنا پڑتا، جب کہ اللہ کی منشاء یہ تھی کہ میرا حبیب صرف اپنے خالق رب العالمین ہی کی تعظیم بجالائیں کسی مخلوق کی نہیں۔

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ: اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیں، اللہ تعالیٰ نے تین مواقع پر اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو تادیب فرمائی، ایک وہ موقع تھا جب قریش مکہ کے بڑے بڑے لوگ آپ ﷺ کی

خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں آپ ﷺ کے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آگے کی سمت بڑھتے چلے آئے، یہاں تک کہ رحمت دو جہاں ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گئے، پھر گویا ہوئے کہ وہ کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سوال سنتے ہی نبی کریم ﷺ کو گراں گزرا آپ ﷺ کے ماتھے پہ شکن پڑ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تادیبی کارروائی کرتے ہوئے عَبَسَ وَتَوَلّٰی (عبس:۱) نازل فرمائی۔

دوسرا موقع وہ تھا جب قریش مکہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے بیٹھنے کے لیے الگ نشست گاہ اور یہاں کے فقیروں مسکینوں کے لیے الگ نشست گاہ بنادیں، حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا ارادہ فرمالیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ (الْكَهْفِ:۲۸)

اور تیسرا موقع یہ تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں کھجوروں کا ایک خوشہ لے کر حاضر ہوئے، جسے آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، آپ ﷺ اسے کھانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر ایک سائل آگیا، سائل نے آواز لگائی رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا يَرْحَمُنَا اللہ اس بندے پر رحم کرے جو ہم پر رحم کرے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خوشہ کھجور اس سوالی کو دے آئیں، حضرت عثمان کی طبیعت پر بوجھ آیا، وہ یہ چاہتے تھے کہ میرا لایا ہوا کھجور کا خوشہ نبی کریم ﷺ تناول فرمائیں، چنانچہ حضرت عثمان نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باہر نکلے اور اس سوالی سے وہ کھجور کا خوشہ خرید لیا۔

پھر وہ سائل دوبارہ آگیا، یہاں تک کہ اس نے یہ آنے جانے والی اور آواز لگانے والی حرکت تین مرتبہ کی، تین ہی مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سے کھجور خرید کر لاتے رہے، نبی کریم ﷺ سوالی کے سوال پر اسے دیتے رہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کو بھی اب کہنا پڑا کہ آپ سوالی ہیں یا سوداگر

ہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ سوالی کو ڈانٹیں نہیں، جھڑکیں نہیں۔ (کبیر)

یہ ربانی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ سائلین کو خالی جھولی واپس نہیں لوٹاتے تھے، مگر پیشہ ور گداگروں کو گداگری سے روکتے اور انہیں کسی کام پر لگا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کی طرف سے حقوق ادا کر رہا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس سلسلہ میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے، پھر ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم دیں گے، پھر آپ نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں سوال کرنا جائز نہیں ہے،

يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ، تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتًا يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا (مسلم)

① ایک وہ شخص ہے جس نے کسی کی طرف کسی حق کو ادا کرنے کا ذمہ لیا ہو، اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے، حتیٰ کہ اس کو مطلوبہ مال مل جائے، پھر وہ سوال سے رک جائے۔

② دوسرا وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آگئی ہو اور اس کا سب مال ضائع ہو گیا ہو، اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتیٰ کہ اس کو گزراوقات کے لیے مل جائے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فاقوں میں مبتلا ہو حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقوں میں مبتلا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيهِ، فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ

النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: مِنْ جَمْرِ جَهَنَّمَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا يُغْنِيهِ؟ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ وَقَالَ النُّفَيْلِيُّ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: أَنْ يَكُونَ لَهُ شِبْعُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، أَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ (ابوداؤد)

جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنی چیزیں تھیں جو اس کو سوال سے غنی کر سکتی تھیں، وہ صرف آگ کو زیادہ کر رہا ہے، نفیلی نے پوچھا: اس چیز کی کتنی مقدار ہے جو اس کو سوال سے غنی کر دے اور اس مقدار کے ہوتے ہوئے اس کو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: اس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو یا ایک دن اور ایک رات کا کھانا ہو۔

حضرت حبشی بن جنادہ سلولی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رحمت کائنات ﷺ سے اس وقت سنا جب آپ ﷺ وقوف عرفات میں تھے، آپ ﷺ کے پاس ایک بدو آیا جس نے آکر آپ ﷺ کی چادر کا کنارہ پکڑ لیا اور آپ ﷺ سے سوال کرنے لگا، آپ ﷺ نے اسے دیا اور وہ چلا گیا، اس موقع پر سوال کرنے کو حرام قرار دیا گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا

إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ، وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ، إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ، وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ، كَانَ خُمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَرَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ (ترمذی)

غنی (مالک نصاب زکوٰۃ) کے لئے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ تندرست آدمی کے لئے، سوال کرنا صرف اس کے لئے جائز ہے جس کو فقر ہلاک کر رہا ہو یا جو قرض کے بوجھ سے گھبرا رہا ہو اور جس نے اپنے مال میں اضافے کے لئے سوال کیا، قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور وہ دوزخ کے گرم پتھر کھا رہا ہو گا، پس جو چاہے (اس عذاب کو) کم کرے اور جو چاہے زیادہ کرے۔

یہ رحمت دوعالم ﷺ کی اس تربیت کا نتیجہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فرمائی تھی، جس میں سوالی کے سوال پر اسے عطا کرنا، ضرورت مند کی ضرورت اور حاجت کو پورا کرنا، بے کسوں کا سہارا

بننا، بے بسوں کی بے بسی دور کرنا شامل تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ (بخاری) اے ابن آدم! تو (لوگوں پر) خرچ کر، میں (تجھ پر) خرچ کروں گا۔ ایک روایت میں فرمایا گیا کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى (مسلم)

اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے برا ہے اور اگر تیرے پاس بہ قدر ضرورت مال ہو تو تجھ کو ملامت نہیں کی جائے گی اور دینے کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ، الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي، فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ لَمْ تَجِدِي لَهُ شَيْئًا تُعْطِينَهُ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا، فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ یارسول اللہ! مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے مگر میرے پاس اسے دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے اسے دے دو، خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا ہو۔ (ابوداؤد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہیں کچھ گوشت ہدیہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا، انہوں نے خادمہ سے کہا، اس کو گھر میں رکھ دو شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول فرمائیں خادمہ نے اس کو گھر کے طاق میں رکھ دیا۔

اس اثناء میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا صدقہ دو، اللہ تمہارے مال میں برکت دے، گھر والوں نے کہا: اللہ تمہیں برکت دے، وہ سائل چلا گیا، بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور

فرمایا: اے ام سلمہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ اور انہوں نے خادمہ سے کہا، جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو وہ گوشت لا کر دو، وہ گئی تو اس طاق میں گوشت نہیں تھا، ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا، تب نبی ﷺ نے فرمایا: یہ وہی گوشت ہے جو اب پتھر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے، کیونکہ تم نے سائل کو یہ گوشت نہیں دیا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اگر مساکین جھوٹ نہ بولیں تو ان کو رد کرنے والا فلاح نہ پائے۔ (المعجم الکبیر) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سائل کے لئے حق ہے، خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ (مؤطا امام مالک)

نبی کریم ﷺ کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی جب مرنے لگا تو اس کے بیٹے نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی قمیص مانگی تاکہ وہ اس قمیص کو اپنے باپ کا کفن بنا دے تو آپ ﷺ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی تھی۔ (بخاری)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس حاشیہ والی ایک چادر بُن کر لائی، اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں، نبی ﷺ نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ ﷺ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی، آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یا رسول اللہ یہ بہت خوبصورت چادر ہے، آپ مجھے یہ چادر دے دیجیے، حاضرین نے کہا، تم نے یہ اچھا نہیں کیا، اس چادر کو نبی ﷺ نے پہن لیا تھا اور آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا صرف اس لئے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے، حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (بخاری)

منہال بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو نبی ﷺ کے پاس بھیجا، اس عورت نے کہا، آپ سے کہنا کہ مجھے کوئی کپڑا پہنا دیجیے آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے،

اس عورت نے کہا، آپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی ہے وہی دے دیجیے، اس کا بیٹا آپ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر اس کو دے دی۔ (در منثور)

سورۃ الضحیٰ کی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ سائل کو سختی کے ساتھ جواب نہ دیں، اگر آپ کے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کو نرمی اور رحمت کے ساتھ لوٹا دیں، ایک تفسیر یہ بھی ہے، جو آپ سے دین کا کوئی مسئلہ معلوم کر رہا ہو، اس کو نہایت نرمی اور آسانی سے مسئلہ بتائیں اور اگر دنیا کی کسی چیز کا سوال کرے تو اگر آپ کے پاس وہ چیز ہو تو دے دیں ورنہ اس کو نرمی کے ساتھ لوٹا دیں، اسی مضمون کی یہ آیت ہے اور اگر آپ کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دیں۔ (تبیان القرآن)

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ: اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں۔ امام تفسیر حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد قرآن کریم ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ پر جو انعامات کیے ان میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے اور تحدیثِ نعمت سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کریں، دوسروں کو پڑھائیں، اس کے حقائق و معارف بیان کریں۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسری نعمت نبوت و رسالت ہے، اس صورت میں تحدیثِ نعمت کا مطلب یہ ہو گا کہ جو کچھ آپ ﷺ کی طرف اپنے رب کی طرف سے اتارا جاتا ہے اس کی تبلیغ کیجیے۔

تیسری نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یتیم اور سائل کے حقوق کی رعایت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، ان کا خیال رکھنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کامل جانا یہ بھی عظیم نعمت ہے، اسے بیان کرتے رہیں تاکہ آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کی اِقتدا اور پیروی کریں۔

شہید کربلا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **إِذَا عَمِلْتَ خَيْرًا فَحَدِّثْ إِخْوَانَكَ لِيَقْتَدُوْا بِكَ** (تفسیر کبیر) جب آپ کوئی بھلائی و خیر کا کام کریں تو اسے اپنے بھائیوں کو بتا دیا کریں تاکہ لوگ آپ کی پیروی اور اقتدا کریں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اچھائی اور بھلائی کرنے کے بعد دوسروں کو بتا دینا اس

وقت اچھا ہے جب کہ دکھلاوا، ریاکاری اور واہ واہ مقصود نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ اس کار خیر کی ترغیب ہو جائے گی اور دوسرا بھی اس میں حصہ شامل کرے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بڑی فراخدلی سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب بیان کیے، جب ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے بھی فضائل بیان کیجیے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

مَهْلًا، فَقَدْ نَهَى اللهُ عَنِ التَّزْكِيَةِ فَقِيلَ لَهُ: أَلَيْسَ اللهُ تَعَالَى يَقُولُ: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ فَقَالَ: فَإِنِّي أُحَدِّثُ، كُنْتُ إِذَا سَئَلْتُ أُعْطِيتُ وَإِذَا سَكَتُّ ابْتَدَيْتُ، وَبَيْنَ الْجَوَانِحِ عِلْمٌ جَمٌّ فَاسْأَلُونِي

رک جایئے! اللہ نے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان کرنے سے منع کیا ہے، پھر انہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نعمت کو بیان کرنے کا حکم دیا ہے تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا چلو پھر میں بیان کرتا ہوں، جب میں سوال کرتا ہوں تو مجھے دیا جاتا ہے اور جب میں خاموش ہوتا ہوں، جب میں چپ رہتا ہوں تو مجھے ابتداً نعمت دی جاتی ہے میرے پہلو میں متلاطم علمی دریا رواں ہوتا ہے، مجھ سے پوچھو۔

یہاں ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یتیم کے حقوق کا پہلے ذکر کیا اور اپنے حق کا آخر میں ذکر کیا، اس کی کیا حکمت ہے؟ اس کی ایک حکمت یہ ہے گویا اللہ تعالیٰ فرمانا چاہتے ہیں میں غنی ہوں اور یتیم و سائل دونوں محتاج ہیں، اس لیے محتاج کا حق پہلے رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یتیم اور سائل کا حصہ فعل و عمل میں رکھا جب کہ اپنے حق کے لیے زبانی کلامی ہی رضا کا اظہار کر دیا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ تمام عبادات و طاعات سے مقصود یہ ہے کہ انسانی دل یادِ الٰہی میں مشغول اور مستغرق رہے اور ان اِطاعات کے خاتمہ پر دل اور زبان دونوں ہی اللہ کی نعمتوں سے سرشار ہوں، تاکہ اِطاعات کا خاتمہ بھی اللہ کے ذکر میں ہو۔ یہاں حدِّث فرمایا خَبِّر نہیں فرمایا تاکہ بھول کے دوران یاددہانی رہے اور ایک کے بعد دوسری باران نعمتوں کی یاددہانی ہوتی رہے۔

اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہیے اور یہی اس کا شکر ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: جس نے کم نعمت کا شکر ادا نہیں کیا تو اس نے زیادہ نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کیا، اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کا بیان نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے اور جماعت رحمت ہے اور اس سے علیحدہ ہونا عذاب ہے۔ (احمد)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيُجْزِ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ، وَمَنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ** (ابو داؤد) جس شخص کو کوئی عطیہ دیا جائے اگر گنجائش رکھتا ہے تو اس کا بدلہ دے دے، اگر گنجائش نہیں رکھتا تو اس عطیہ پر اس کی تعریف ہی کر دے، جس نے اس کی تعریف کر دی تو گویا اس نے اس کا شکریہ ادا کر دیا، جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے کوئی نیکی کی ہے، اس کا صلہ دینا چاہیے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کی نیکی کا ذکر کرنا چاہیے، پس جس نے اس کی نیکی کا ذکر کیا، اس نے اس کا شکریہ ادا کر دیا۔ (مسند احمد) حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی نعمت کا زیادہ ذکر کرو کیونکہ نعمت کا ذکر شکر ہے۔ (شعب الایمان) ابو حازم نے کہا: اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ (شعب الایمان)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس کو پسند فرماتا ہے کہ نعمت کا اثر اس پر نظر آئے اور اس کی خستہ حالی کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند احمد)

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر اللہ تعالیٰ نے جن بیش بہا نعمتوں کی بارش فرمائی تھی اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں بارہا ذکر ملتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین و جمیل مکان بنایا اور اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ

کی جگہ چھوڑ دی، پس جو شخص اس کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے، وہ تعجب سے یہ کہتا ہے کہ اس مکان میں اس ایک اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا؟ آپ نے فرمایا: میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم الانبیاء ہوں۔ (بخاری، مسلم، بیہقی، دلائل النبوۃ للبیہقی)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا، رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا، میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں وہ ہوں جس سے قیامت کے دن سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں یہ فخر یہ نہیں کہتا اور مجھ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور میں یہ فخر یہ نہیں کہتا اور میں ہی قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا اور میں یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ (ترمذی)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ میں جنت میں سیر کر رہا ہوں، اس وقت میں نے ایک دریا دیکھا، جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے، میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے، پھر فرشتہ نے اپنا ہاتھ لگایا تو اس کی مٹی میں مشک کی خوشبو تھی۔ (بخاری)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعاء اور ایلہ میں فاصلہ ہے اور اس میں ستاروں کے عدد کے برابر کوزے ہیں۔ (مسند احمد)

نبی کریم ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ ادا کی پھر منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دینے والا ہوں اور میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جب کہ میں اس مقام میں ہوں اور بیشک اللہ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی

گئی ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم اس میں رغبت کروگے۔(بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)

نبی ﷺ نے فرمایا، بیشک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کردے گا، ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ کا حوض کتنا وسیع ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عدن اور عمان سے زیادہ وسیع ہے، اس میں سونے اور چاندی کے دو پرنالے ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، جس نے اس کو پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔(مسند احمد)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر (یا یہ فرمایا کہ) میری امت کو تمام امتوں پر چار خصوصیات کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی ہے، مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، پوری زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا، سو میرا امتی جہاں نماز کا موقع پالے، وہی جگہ اس کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے جو کہ میرے آگے ایک ماہ کی مسافت تک قائم ہوتا ہے اور میرے دشمنوں کے دلوں میں میری دھاک بٹھاتا ہے اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔(صحیح مسلم، سنن ترمذی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ سورۃ والضحیٰ ختم کرلیتے تو اس کے بعد اللہ اکبر پڑھتے، پھر آخر قرآن تک ہر سورت کے درمیان اللہ اکبر پڑھتے اور سورت کے آخر کو تکبیر کے ساتھ نہیں ملاتے تھے بلکہ ان کے درمیان فصل کرتے تھے۔

الحمد للہ الحمد للہ تمت سورۃ الضحیٰ

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی محمدی

حال وارد حیدرآباد مری

۲۱ اپریل ۲۰۲۰ء ۲۷ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ بروز منگل بوقت پونے بارہ بجے دوپہر

حروف بینی: یکم اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعرات، ایک بجے شب

الشرح

رفعتِ مصطفےٰ ﷺ

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ الشرح.

جواب ترجمہ: (اے میرے حبیب) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا ہے۔ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تم فارغ ہو جاؤ تو (عبادت میں) اپنے آپ کو تھکاؤ۔ اور اپنے پروردگار ہی سے دل لگاؤ۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ نشرح یہ الشرح مصدر سے ہے، شرح کا معنیٰ ہے گوشت کے اجزا کو ایک دوسرے سے جدا کرنا، الشریحہ گوشت کے باریک لمبے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے، علم طب میں تشریح کا معنیٰ ہوتا ہے پوسٹ مارٹم کرنا، شرح صدر کا معنیٰ ہوتا ہے دل کو مطمئن کرنا، شرح خاطر کا معنیٰ ہے دل کو خوش کرنا۔

شرح صدر کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا، یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے، اس مرتبہ میں تمام حقائقِ ملک و ملکوت لاہوت و جبروت منکشف ہو جاتے ہیں، زبان اَسرارِ غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے، پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے، عالم غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی، رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ کہ اے رب! میرا سینہ کھول دے۔ یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور

یہ کمال ضروری تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہام تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے، کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوت کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو، اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اِظہار فرماتا ہے۔ (حقانی)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل میں نشاط، فرحت اور سرور پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، کشادہ کر دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے مخالفین جس طرح کی یاوہ گوئی، ہرزہ سرائی اور چرب زبانی کرتے تھے اس سے آپ ﷺ طبعی طور پر مغموم اور پریشان ہوتے تھے، جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے

وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ (ھود: ۱۲) آپ ﷺ کا سینہ اس لیے تنگ ہوتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں آپ ﷺ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا۔

پھر شرح صدر ان انعامات، احسانات اور اَفضالِ الٰہی سے کنایہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فرمائے ہیں، کہ میرے حبیب جو کچھ آپ کا مبارک دل اور پاکیزہ سینہ چاہت رکھتا ہے وہ ہم آپ ﷺ کو عطا کیے دیتے ہیں، پاکیزہ اور نفس زکیہ کی جن کمالات کے حصول کی طرف میلان ہے وہ آپ ﷺ کو عطا ہوں گے جو دین کی مدد اور نصرت کا ذریعہ بن سکیں۔

مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کا سینہ مبارک اسلام کے لیے کھول دیا تھا، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ میں علم وحکمت کے بیش بہا موتی بھر دیے تھے، حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نور رسالت کے ساتھ آپ ﷺ کا سینہ بھر دیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (الانعام: ۱۲۵) اللہ جسے ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔ (مستدرک حاکم)

اسی روایت کا اگلا حصہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، إِنَّ النُّورَ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ

انْفَسَحَ (مستدرک حاکم) جس سینہ میں نور داخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سینہ کو فراخ کر دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سینے کے کھلنے کی کوئی نشانی بھی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ نَعَمْ، اَلتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ، وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ، وَالِاسْتِعْدَادِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِهِ (مستدرک حاکم) جی ہاں! پھر انسان دھوکے کے گھر سے نکل کر دائمی راحت کے گھر میں آجاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔

ارباب تفسیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرحِ صدر ظاہری اور باطنی کے مقامات اپنی تفاسیر میں بیان فرمائے ہیں، ظاہری شرح صدر تو چار دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کر کے کیا گیا، پہلی مرتبہ شرحِ صدر جسے شق صدر بھی کہا جاتا ہے اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چار سال تھی، آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دیار بنی بکر میں تھے، قبیلے کے بچے بستی سے باہر جانوروں کو چراتے تھے یا کھیل کود میں مشغول تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے جب یہ واقعہ پیش آیا روایات میں آتا ہے کہ دو عجیب و غریب قسم کی شخصیتیں وہاں آئیں، انہوں نے حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر دیا یہ دیکھ کر حلیمہ سعدیہ کے بچے بھاگ کر گھر پہنچے اور اپنی والدہ کو بتایا کہ بعض لوگوں نے ہمارے بھائی کو مار دیا۔

حلیمہ اور خاندان کے دوسرے لوگ پریشانی کے عالم میں موقع پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے مگر آپ کے چہرہ مبارک پر تغیر کے آثار نمایاں تھے یہ آپ کی زندگی میں شرح صدر کا پہلا واقعہ تھا۔ آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا گیا اور صاف کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ بچپن میں بچوں کے خیالات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، طبیعت کھیل کود کی طرف راغب ہوتی، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مبارکہ سے بڑا کام لینا تھا، اس لئے بچپن کے اس قسم کے رجحانات کو نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک کو صاف کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو جس مقام سے چاک کیا گیا، وہاں پر زخم مندمل ہونے کا نشان نظر آتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ نشان باقی رکھا تھا۔ (معالم العرفان)

مسند احمد کی روایت کے مطابق شرح صدر کا دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال کی تھی، روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! نبوت کے سلسلے میں آپ کو کن چیزوں سے واسطہ پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنو! میری عمر اس وقت دس سال کی تھی، میں صحرا میں تھا، میں نے دیکھا کہ عجیب و غریب وضع قطع کے دو شخص آئے، یہ اجنبی شخص تھے، ان جیسا لباس اور وضع قطع پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، ایک شخص نے دوسرے سے کہا ھو ھو کیا یہ وہی ہیں دوسرے نے جواب دیا ہاں، یہ وہی ہیں، پھر انہوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا، اور میرا سینہ چاک کیا اس کو صاف کیا اور پھر اسی طریقے سے جوڑ دیا، مگر عجیب بات ہے کہ ایسا کرنے سے نہ تو خون نکلا اور نہ مجھے کوئی تکلیف محسوس ہوئی، مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دس سال کی عمر جوانی کی آمد آمد ہوتی ہے، اس عمر میں جس قسم کے انسان کے خیالات ہوتے ہیں ان کو صاف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کا یہ انتظام کیا۔

سینہ چاک ہونے کا تیسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ کو نبوت ملنے کا وقت بالکل قریب تھا، اس وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوگئی تھی اور شرح صدر اس لئے کیا گیا تاکہ آپ کے اندر نبوت کے بار اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چوتھا شرح صدر آپ کے معراج پر روانگی کے وقت پیش آیا، آپ ام ہانی کے مکان پر تشریف فرما تھے، فرشتے آئے آپ کو اٹھایا اور مکان کی چھت پھاڑ کر آپ کو حطیم میں لے گئے، وہاں آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر علم و حکمت سونے کی طشت میں رکھ کر لایا گیا اور آپ کے سینہ میں بھر دیا گیا، پھر سینہ مبارک کو سی دیا گیا اور وہ ویسے کا ویسا ہی ہو گیا، اس کے بعد آپ کو معراج پر لے جایا گیا، معراج میں چونکہ غیر معمولی واقعات پیش آنے والے تھے، اس لئے شرح صدر ضروری تھا تاکہ آپ کسی قسم کی گھبراہٹ وغیرہ محسوس نہ کریں۔

باطنی شرح صدر: ظاہری شرح نہیں ہے، اگرچہ یہ چار دفعہ شرح صدر کا واقع ہونا اور آپ کے سینہ مبارک سے غلط چیزوں کو نکال کر علم و حکمت بھر دینا بذات خود حضور ﷺ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے، تاہم اس مقام پر الم نشرح لک صدرک سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم! کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا اور اس میں علوم و معارف کے سمندر نہیں اتارے، کیا ہم نے آپ کے سینے میں فرائض رسالت کو ادا کرنے اور مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھی اور کیا ہم نے آپ کو عظیم حوصلہ عطا نہیں کیا۔ (معالم العرفان)

شق صدر پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات امام رازی نے اپنی تفسیر میں پیش کیے ہیں، معتزلہ نے شق صدر کی احادیث پر اعتراضات کئے ہیں، کہ شق صدر کی روایات کا تعلق آپ ﷺ کے بچپن سے ہے اور وہ معجزات ہیں، اس وقت تک آپ ﷺ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا تو اعلان نبوت سے پہلے معجزات کیسے صادر ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے نبی سے جو خلافِ عادت امور ظاہر ہوں، ان کو ارہاص کہتے ہیں اور یہ بہ کثرت انبیاء سے ثابت ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ قلب کو دھونے سے لازم آتا ہے کہ اس میں گناہ ہوں یا میل ہو، نیز دھویا جسم کو جاتا ہے اور گناہ اور میل از قبیل معانی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کے گناہ ہوں بلکہ زمزم کے پانی کو برکت پہنچانے کے لیے آپ کے قلب اطہر کو دھویا گیا۔

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کے قلب سے جو جما ہوا خون نکالا گیا، اس کے متعلق حدیث میں ہے یہ آپ کے قلب میں شیطان کا حصہ ہے یہ آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جمے ہوئے خون سے مراد وہ چیز ہے جو ہر انسان کے قلب میں ہوتی ہے، اسی کی وجہ سے انسان گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور عبادات کو ترک کرتا ہے اور جب آپ کے قلب سے اس چیز کو زائل کر دیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ہمیشہ اطاعت اور عبادت کرتے رہیں گے اور گناہوں سے مجتنب رہیں گے اور اس سے آپ کے قلب میں فرشتوں کے لئے یہ علامت ہو جائے گی

کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ اپنی مخلوق پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر، تبیان القرآن)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ پر کی جانے والی ان تین نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ① شرح صدر ② وضع وِزر ③ رفع ذکر، پہلی آیت میں نبی ﷺ کے شرح صدر کا ذکر ہے، یہ آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، کیونکہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ نے اپنے شرح صدر کے لیے اللہ سے دعا مانگی تھی، مگر یہاں بن مانگے اللہ نے شرح صدر فرما دیا، پتا چلا کہ جو نعمتیں دوسرے انبیاء ورسل کو طلب پر ملتی ہیں وہ آقائے دوجہاں ﷺ کو بن مانگے عطا کی جاتی ہیں۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ: اور آپ ﷺ سے پر مشقت چیزوں کا بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھا۔

مولانا مفتی عاشق الٰہی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ فتح کی آیت **لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** کے ہم معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اعمال جو آپ سے لغزش کے طور پر بلا اِرادہ یا خطاء اِجتہادی کے طور پر صادر ہوئے ان کا جو بوجھ آپ محسوس کرتے تھے اور اس بوجھ کا اس قدر اِحساس تھا کہ اس اِحساس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یعنی خوب زیادہ بوجھل بنا دیا تھا، وہ بوجھ ہم نے ہٹا دیا یعنی سب کچھ معاف کر دیا۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو سورۂ فتح کی آیت میں لینے کے بجائے یہ معنیٰ لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے عبد العزیز بن یحییٰ اور حضرت ابو عبیدہ سے نقل کیا، یعنی **خَفَّفْنَا عَنْكَ أَعْبَاءَ النُّبُوَّةِ وَالْقِيَامِ بِهَا، حَتَّى لَا تَثْقُلَ عَلَيْكَ** یعنی ہم نے نبوت سے متعلقہ ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیا تاکہ آپ کو بھاری معلوم نہ ہوں، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت بھی بہت دی اور کام بھی بہت دیا مشرکین کے درمیان توحید کی بات اٹھانا بڑا سخت مرحلہ تھا، آپ کو تکلیفیں بہت پہنچیں جن کو آپ برداشت کرتے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے صبر دیا اور استقامت بخشی پھر ایمان کے راستے کھل گئے، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کارِ دعوت میں آپ کے ساتھ

لگ گئے اور عرب و عجم میں آپ کی دعوت عام ہو گئی۔ (انوار البیان)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ابتداء میں آپ پر وحی کا نزول بہت شدید ثقیل ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے، پھر حضرت جبریل آپ کو اپنا آپ دکھا دیتے تھے، پھر آپ سے اس بوجھ کو زائل کر دیا، جس سے آپ کی عقل کے متغیر ہونے کا خطرہ تھا۔ (قرطبی)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں عام اہل تاویل نے کہا ہے کہ وِزْرٌ کا معنی گناہ ہے، وہ کہتے ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وِزْر ذنب کو ثابت کیا، پھر ذنب کو آپ سے ساقط اور زائل کر دیا، اس قوم سے ہم کو وحشت ہوتی ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: آپ کے اوپر جو نبوت کا ثقل تھا، ہم نے اس میں تخفیف کر دی، اگر ہم یہ تخفیف نہ کرتے تو نبوت کا بوجھ آپ کی کمر توڑ کر رکھ دیتا۔ (تاویلات اہل سنہ)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وِزْرٌ کے لفظی معنیٰ بوجھ کے ہیں اور نقض ظہر کے لفظی معنیٰ کمر توڑ دینے یعنی کمر کو جھکا دینے کے ہیں جیسا کوئی بڑا بوجھ انسان پر لاد دیا جائے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپ سے ہٹا دیا۔

وہ بوجھ کیا تھا اس کی ایک تفسیر وہ جائز اور مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرین حکمت و مصلحت سمجھ کر اختیار کر لیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کیخلاف یا خلافِ اَولیٰ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی علوشان اور تقریب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بناء پر ایسی چیزوں پر بھی سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا، حق تعالیٰ نے اس آیت میں بشارت سنا کر وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہ ہو گا۔

اور بعض حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے وِزْرٌ یعنی بوجھ کی مراد اس جگہ یہ لکھی ہے کہ ابتداء نبوت میں وحی کا اثر بھی آپ پر شدید ہوتا تھا اور اس میں آپ پر جو ذمہ داری ساری دنیا میں کلمہ حق پھیلانے

اور کفر و شرک کو مٹا کر خلق خدا کو توحید پر جمع کرنے کی ڈالی گئی تھی اور اس سب کام میں حکم یہ تھا کہ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یعنی آپ امر الٰہی کے مطابق استقامت پر رہیں جس میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو، اس کا بارِ عظیم رسول اللہ ﷺ محسوس فرماتے تھے اور بعض روایات حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی لحیہ مبارک (داڑھی) میں کچھ سفید بال آگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ نے بوڑھا کر دیا۔

یہ وہ بوجھ تھا جس کو آپ کے قلب سے ہٹا دینے کی بشارت اس آیت میں دی گئی ہے اور اس کے ہٹا دینے کی صورت اگلی آیات میں یہ آئی ہے کہ آپ کی ہر مشکل کے بعد آسانی ہونیوالی ہے حق تعالیٰ نے شرح صدر کے ذریعہ آپ کا حوصلہ اتنا بلند فرما دیا کہ یہ سب مشکلات آسان نظر آنے لگیں اور وہ بوجھ بوجھ نہ رہا۔ (معارف القرآن)

وِزْرٌ کے بارے میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں بعض کہتے ہیں آپ ﷺ کو مکہ شریف سے باہر آنے کا غم تھا اور اس کا ازالہ مدینہ عالیہ پہنچانے سے ہوا، بعض کہتے ہیں کہ وہ کفار کے ظلم و ستم کا غم تھا اور اس کا ازالہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور امداد سے ہوا، بعض کہتے ہیں کہ وہ ملت حنفی کے احکام اور شرائع نہ پانے کا غم تھا اور اس کا ازالہ قرآن پاک کی وحی اور شرائع کے بیان کے ساتھ ہوا، بعض کہتے ہیں کہ وہ امت کا غم تھا اور اس کا ازالہ مقام شفاعت عطا فرمانے سے ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ رسالت کی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا اور اس کا ازالہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مخلص جان نثار ساتھی مہیا کرنے کے ساتھ ہوا۔ (تفسیر عزیزی)

بعض اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی، ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور

کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورتِ حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا، اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفہ رشد و ہدایت عطا فرمایا، دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظامِ حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا، منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نورِ نبوت سے روشن ہو گیا۔ (ضیاء القرآن)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس بوجھ سے بارِ نبوت و رسالت مراد ہے، ایسے لوگ جو صدہا سال سے معبودانِ باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے، جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں، ظلم و ستم، لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاق حسنہ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا، اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں، اس فرض کی ادائیگی کا اِحساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا، ان کا تعصب و عناد باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا، طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ، صبر و عزیمت نے لے لی، اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے، آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی، قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا، وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔ (ضیاء القرآن)

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وِزر سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے خلاف جو کام کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی وجہ سے

آپ ﷺ کی طبیعت پر بوجھ آتا تھا اور آپ ﷺ خود ان لوگوں کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرائض منصبیہ کا جو بوجھ آپ ﷺ پر تھا اس بوجھ کو اتار کر آپ ﷺ کے فرائض منصبیہ میں تخفیف کر دی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امت کے گناہ بھی آپ ﷺ کی طبیعت پر بوجھ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے شفاعت کا وعدہ فرما کر اور **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ** نازل فرما کر اس بوجھ کو اتار دیا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے گناہ ہوتے تو ان کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اس بوجھ سے معصوم اور مامون کر دیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ آزمائشیں، امتحانات اور سختیاں جب خدا کے لیے جھیلی جاتی ہیں تو اس کا صلہ خدا خود عطا کرتا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے مکہ مکرمہ میں رہ کر ایک عرصہ تک آزمائشوں کی جانگسل وادیوں میں اپنے کو کوہِ استقامت بنائے رکھا، اللہ کی عظمت کا پھریرا بلند کرتے رہے، اللہ نے نبوت و رسالت کا تاج آپ ﷺ کے سر پر سجایا ہی تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ آسمانوں کی بلندیوں اور سطح زمین پر آپ ﷺ کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگا دیے تھے۔

آپ ﷺ کا اسم گرامی عرشِ بریں کے کناروں پر رقم کروادیا تھا، عرش بریں کی نمایاں جگہ پر کلمہ طیبہ لکھوایا گیا تو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام رقم کیا گیا، کلمہ شہادت میں اگر پہلے اللہ کا نام ہے تو معاً بعد مصطفےٰ کریم ﷺ کا نام ہے، تشہد میں اللہ کے لیے قولی، فعلی اور بدنی عبادات کا تذکرہ ہے معاً بعد آپ ﷺ پر سلامتی کی دعا موجود ہے۔

تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحف سماویہ میں خدا کی توحید کے بعد آپ ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے، ان کی عظمت کے ترانے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک پر مچلتے رہے اور ان کا ذکر خیر بنی اسرائیل کے آخری تاجدار نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر بھی نمایاں رقصاں رہا، جس کی گواہی اور شہادت قرآنی آیات پیش کرتی ہیں۔

اطراف واکنافِ عالم میں آپ ﷺ کے نام کی گونج سنائی دے رہی ہے، آپ ﷺ کو صرف تاج نبوت ہی سے نہیں سجایا گیا بلکہ آپ ﷺ کو خاتم النبیین کا بھی عظیم الشان اعزاز عطا کیا گیا۔

آپ ﷺ کا ذکر ایسا بلند کیا گیا کہ مؤذن کی اذان میں اللہ کے نام کے ساتھ محمد عربی ﷺ کا نام مبارک سنایا جاتا رہے گا، ایک دو دن، چار پانچ دن نہیں بلکہ رہتی دنیا تک اس نام کی گونج سنائی دی جاتی رہے گی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک مؤذن پنجگانہ اذان میں نام احمد کے ترانے گاتا رہے گا، کتابوں کے دیباچوں میں نام احمد لکھا جاتا رہے گا، کتابوں، رسالوں کے اختتام پر نام احمد جگمگاتا رہے گا۔

اللہ نے اپنے حبیب کو ایسی رفعت شان عطا فرمائی کہ قرآنی آیات میں جگہ جگہ اپنے نام پاک کے ساتھ محمد عربی ﷺ کا ذکر خیر فرمایا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (التوبۃ: ۶۲) اللہ اور اس کے رسول زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اسے راضی کریں۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (النساء: ۱۳) جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النور: ۵۴) اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی۔

پھر اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کی عظمت و رفعت کو مزید چار چاند اس وقت لگائے جب باقی عظیم الشان نبیوں کا تذکرہ قرآن کریم میں ان کا نام لے لے کر کیا اور جب اپنے حبیب ﷺ کا ذکر کیا تو نام کی بجائے آپ ﷺ کی صفات کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر فرمایا، جیسے یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا آدم مگر اپنے حبیب ﷺ کا ذِکر یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی، یا ایھا المدثر، یا ایھا المزمل، یٰس اور طٰہٰ کے ساتھ کیا۔

آپ ﷺ کی رفعت و عظمت شان ملاحظہ کیجیے کہ اللہ نے دنیا بھر کے عاشقان رسول اور اَتباع رسول ﷺ کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت ایسی ڈال دی کہ وہ آپ ﷺ کی تعریف وستائش، نعت و مدح سے سرشار رہیں گے، وہ آپ ﷺ کی خدمتِ اَقدس میں ہدیہ درود و سلام کے ذریعے اپنی محبت و مودّت کا اِظہار کرتے رہیں گے، وہ حبیب اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے رہیں گے، یوں کہہ لیجیے کہ

ہر فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ سنت کی اتباع بھی کریں گے، وہ فرض کی ادائیگی میں امر الٰہی کی پیروی کریں گے تو سنت میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کریں گے۔

اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے ذکر کو ایسا بلند کر دیا کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا، اطاعت رسول اکو اطاعت اللہ سے تعبیر کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف پانے والوں کو یہ اعزاز مل گیا کہ گویا انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سلاطین وشاہانِ عالم آپ کی پیروی میں اپنی سعادت سمجھیں گے، قرآن کریم کے قاری آپ ﷺ کے الفاظ کو یاد کریں گے، قرآن کریم کی تفسیریں لکھنے والے آپ ﷺ کی زبان سے نکلنے والے مبارک الفاظ کا سہارا لے کر قرآنِ کریم کے تراجم اور تفاسیر لکھیں گے، واعظانِ منبر آپ ﷺ کے مواعظ حسنہ کو اطراف واکناف عالم میں پہنچانے کی سعی جمیلہ بروئے کار لائیں گے، بلکہ علماء اور شاہانِ وقت آپ کی خدمتِ عالیہ تک رسائی کی کوشش کریں گے اور دروازے کے پیچھے اِیستادہ ہو کر آپ ﷺ پر ہدیہ درود شریف پیش کریں گے، روضہ مصطفےٰ ﷺ کی خاک کو اپنے چہروں پر ملیں گے، وہ مدینہ کی دھرتی پر موت کو ترجیح دیں گے، یہاں کے قبرستان میں تدفین کو اپنی خوش نصیبی خیال کریں گے، وہ آپ ﷺ کی شفاعت کے مستحق بننے کی کوشش بروئے کار لائیں گے۔

آپ ﷺ کو وہ رفعت وعظمت ملی کہ جنت والوں کے ہاں عبدالکریم، دوزخ والوں کے ہاں عبدالجبار، اہل عرش کے ہاں عبدالحمید، فرشتوں کے ہاں عبدالمجید، انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں عبدالوھاب، شیاطین کے ہاں عبدالقہار، جنات کے ہاں عبدالرحیم نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ (صلاۃ وسلام علی سید الانام، مؤلفہ حدوٹی)

کوہساروں میں آپ کا نام عبدالخالق، خشکی میں آپ ﷺ کا نام عبدالقادر، دریاؤں میں آپ کا نام عبدالھاون، مچھلیوں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالقدوس، کیڑوں مکوڑوں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالغیاث، وحشی جانوروں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالرزاق، درندوں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالسلام، چوپائیوں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالمؤمن، پرندوں کے ہاں آپ ﷺ کا نام عبدالغفار،

تورات میں آپ ﷺ کا نام ماذ، ماذ، انجیل میں آپ ﷺ کا نام طاب، طاب، دیگر صحیفوں میں آپ ﷺ کا نام عاقب، زبور میں آپ ﷺ کا نام فاروق، اللہ کے ہاں طٰہٰ، اہل ایمان کے ہاں آپ ﷺ کا نام محمد ہے۔(صلاۃ وسلام علی سید الانام ﷺ مؤلفہ حدوٹی)

حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے، خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء و درود ہوتی ہے، کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے، ہر حال میں باستثنائے مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے، وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے، عالمِ غیب میں آپ سلطان ہیں، کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہو، قبر میں بھی اور حشر میں بھی، ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔

جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے، موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت ﷺ کا ذکر نہ ہو، منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اب معمورہ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو، پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہو گی۔(تفسیر حقانی)

مولانا حقانی رحمہ اللہ نے رحمت دوعالم ﷺ کی رفعت شان بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں اول کمرہ: اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے، ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب و عجم، روم، شام، ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں، اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں، کسی گوشہ میں مامون ہیں، کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں، کہیں خلفائے مصر ہیں، پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں

سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود، الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلائق ہیں، ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذات بابرکات محمد مصطفیٰ۔

دوسرا کمرہ: پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں، بو علی سینا کھڑا ہے، کہیں ابوریحاں البیرونی کھڑا ہے، کہیں ظہیر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء ہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل ﷺ ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ: تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں، ہدایہ وغیرہ اور ایک قاضی القضاۃ (علیہ السلام) بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ ونوامیسیہ حاضر ہیں، کہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ اور امام محمد رحمۃ اللہ اور امام مالک رحمۃ اللہ و امام شافعی رحمۃ اللہ حاضر ہیں، پھر ان کے پیچھے امام الحرمین و ابن دقیق العید و تاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ: چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم و فنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا، رواں ہیں، کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب و سنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے، کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو جو اَسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں، ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں اور کہیں واقعاتِ قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور

کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔

کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائلِ فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قرأت کر رہے ہیں اور الفاظِ قرآنیہ کو انہیں لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔

مخلوق کی ابتداء اور انتہا اور صفاتِ باری اور اس کے اَفعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں، کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالاتِ جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء (علیہم السلام) کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اَسرار احکام الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں، یہ مفتی متبحر وہی سرورِ کائنات ہیں، علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ: پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکامِ الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے، کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر دُرّے پڑ رہے ہیں، کہیں ظلم وتعدّی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو ولعب، ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں، شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں، دغابازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے، مرتشی حکام سے بازپرس ہو رہی ہے، یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ﷺ ہیں۔

چھٹا کمرہ: چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزت وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے، بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں، پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں، امر ھم شوریٰ کا اشارہ کر کے کاروبار سلطنت کے لیے

مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرمارہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں وَاَعِدُّوا لَهُم مَا استَطَعتُم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرمارہے ہیں اور ملازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرمارہے ہیں، مَن اَطَاعَ اَمِیرِی فَقَد اَطَاعَنِی

پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے، اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں، کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکید شدید کررہے ہیں، کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرماکر قوم کے عزت ووقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کررہے ہیں، کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلارہے ہیں اور کہیں سرکشوں، خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں، کس لیے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔

کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیز گاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کررہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کررہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلارہے ہیں اور ھادی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرمارہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتواں کمرہ: ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا، کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں، کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اوراوراد واذکیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔

ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اکتفاء ہے اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں، ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں، لوگوں کو ان سے دلی

انس ہے، ملائکہ علوی و سفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق در جوق آکر مستفید ہوتے ہیں، پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد و اشغال کی تعلیم ہے، کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے، نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا، یہ حضرت بھی وہی سرور کائنات ہیں، صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ: آٹھویں کمرہ میں ایک عارفِ کامل تشریف رکھتے ہیں ذات وصفات کے اَسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں، حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے، فصوص الحکم و فتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جارہی ہیں، وہ بھی آپ ہی ہیں ﷺ۔

نواں کمرہ: نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جمارہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا، کسی کو ثواب عظیم واجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لارہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذاب جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرارہا ہے اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کی برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کررہا ہے۔

ہزاروں کافر وبت پرست کفر وبت پرستی سے توبہ کرکے ایمان لارہے ہیں، بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہوکر رورہے ہیں، سنگدلوں کا دل موم ہوکر پگھلا جارہا ہے، مجلس میں آہ وبکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا، جو ایک بار بھی اس مجلس میں آگیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا، خونخوار خونی ایسے رحمدل ہوگئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے، شہوت پرست پرہیز گار بن گئے، سست وغافل ہوشیار بن گئے، کنجوس سخی ہوگئے، دنیا کی کایا پلٹ گئی، یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

دسواں کمرہ: دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشدِ کامل صاحب طریقت وصاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کررہی ہے، طالبانِ خدا کا اس کے ارد گرد ہجوم ہے، وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کررہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتارہے ہیں اور ان کے مقامات و

احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں، کسی کو وجد آرہا ہے، کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے، کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے، کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقاء کا، کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ، و شبلی رحمۃ اللہ، و سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ، و شیخ احمد بدوی رحمۃ اللہ، و معین الدین چشتی رحمۃ اللہ، و نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ، و شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ، و خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ، وغیرہ اولیاءِ کرام حاضر ہیں، یہ مرشدِ کامل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گیارہواں کمرہ: گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار، وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے، ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے، اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھینچے چلے آرہے ہیں، مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ: بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام و داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام ان کے گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں، کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں، کہیں گھٹا رہے ہیں، کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاذ مان رہے ہیں، یہ بھی وہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے، حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ... مِنَ اللهِ مَشْهُودٌ يَلُوحُ وَيَشْهَدُ

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهِ ... إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهُ ... فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

چونکہ یہ رفع ذکر و شرح صدر و وضع وزر جو بڑی نعمت و سرورِ دائمی ہے، یوں ہی نہیں مل گئی ہے، اس کے لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

یہ بھی آقا مدنی کریم ﷺ کی رفعت شان ہے کہ ان کی خاطر کائنات ہست و بود کو وجود ملا، انہی کے دم قدم سے انسانیت کو جینے کا شعور ملا، ان کے سر پر لولاک لماخلقت الافلاک کا سہرا سجایا گیا، جنہیں رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی خلعت پہنائی گئی، جن کے اسم گرامی سے جنتی اشجار کے ورق ورق کو زینت و حسن ملا، جن کی بدولت توبہ آدم علیہ السلام قبول ہوئی، جن کی برکت سے ابراہیم علیہ السلام کو سیادت کا تمغہ ملا، جن کا کلمہ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری میں کندہ تھا، جن کے حسن و جمال کا پرتو حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا، جن کے صبر کا نمونہ ایوب کو نصیب ہوا، جن کے قرب کا ایک لحظہ موسیٰ کو مکالمات کی صورت میں ملا، جن کے مرتبے کا ایک حصہ ہارون علیہ السلام کو وزارت کی صورت میں ملا، جن کی نعت کا ایک مصرعہ حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ بنا، جن کی عفت کا شمہ عصمت یحیٰ کا جلوہ بنا، جن کے دفتر حکمت کی ایک سطر حضرت لقمان علیہ السلام کو ملی، جن کی رفعت و بلندی کی ایک جھلک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی، جن کا وجود مسعود دعائے خلیل علیہ السلام اور نوید مسیح علیہ السلام بنا، جن کی آمد کی برکت سے لشکر ابرہہ کو تہس نہس کر دیا گیا، جن کی ولادت باسعادت سے فارس کے آتشکدے بجھ گئے، جن کی آمد سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں بھونچال آیا، جن کو بعثت سے پہلے ہی صادق اور امین کہا گیا، جن کی انگشت کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا، جن کی انگشت سے پانی کے فوارے پھوٹے اور انسانوں کو سیرابی ملی، جن کی رسالت و نبوت کی شہادت جمادات نے بھی دی، جن کو عرش بریں پر بڑے اعزاز و اکرام سے بلوایا گیا، جن کو اللہ نے عرش بریں پر اپنا قرب عطا کیا۔

یہ بھی رفعتِ مصطفےٰ ﷺ ہے کہ نوح کا جوشِ تبلیغ، ابراہیم علیہ السلام کا ولولہ توحید، اسحاق علیہ السلام کی وراثتِ پدری، اسماعیل علیہ السلام کا ایثار، موسیٰ علیہ السلام کی سعی و کوشش، ہارون علیہ السلام کی رفاقتِ حق یعقوب علیہ السلام کی تسلیم، داؤد علیہ السلام کا غربتِ حق پر ماتم، سلیمان علیہ السلام کا سرودِ حکمت، زکریا علیہ السلام کی عبادت، یحیٰ علیہ السلام کی

عِفت، عیسیٰ علیہ السلام کا زُہد، یونس علیہ السلام کا اِعترافِ قصور، لوط علیہ السلام کی جانفشانی، ایوب علیہ السلام کا صبر، یہ سارے نقش و نگار جو ان تمام صالحین، اولیاء اللہ، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ہستیوں میں الگ الگ دکھائی دیتے ہیں یہ سارے نقوش محمد عربی کی ذات میں یکجا کر دیے گئے تھے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۷۹ میں بتایا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ مقام محمود عطا فرمائے گا، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے، مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی، حتیٰ کہ مخالفین قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے، ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہی مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت وارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے یعنی عَسیٰ اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحمُودًا حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی، کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہو گی، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہو گی، محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی ہو جائے گی۔ (رسول رحمت)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہو گا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جبکہ اللہ کی حمد و ثناء کا علم آپ بلند کریں گے اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے، جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہو گی۔ (رسول رحمت)

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً ۞ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً: چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، یعنی اللہ کی رضاجوئی میں جو سختیاں آپ ﷺ نے برداشت کیں اور رنج و تعب کھینچے، ان میں سے ہر ایک سختی کے ساتھ کئی کئی آسانیاں ہیں، مثلاً حوصلہ فراخ کر دینا جس سے ان مشکلات کا اٹھانا سہل ہو گیا اور ذکر کا بلند کرنا جس کا تصور بڑی بڑی مصیبتوں کے تحمل کو آسان کر دیتا ہے، یا یہ

مطلب ہے کہ جب ہم نے آپ ﷺ کو روحانی راحت دی اور روحانی کلفت رفع کر دی جیسا کہ الم نشرح سے معلوم ہوا تو اس سے دنیاوی راحت و محنت میں بھی ہمارے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیشک موجودہ مشکلات کے بعد آسانی ہونے والی ہے اور تاکید مزید کے لئے پھر کہتے ہیں کہ ضرور موجودہ سختی کے بعد آسانی ہو کر رہے گی۔

چنانچہ احادیث و سیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب مشکلات ایک ایک کر کے دور کر دی گئیں اور ہر ایک سختی اپنے بعد کئی کئی آسانیاں لے کر آئی، اب بھی عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے، اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، امتدادِ زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کرے گا، ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی۔ (عثمانی)

آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شروع میں آپ کو فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں، وہ عنقریب آسانی میں تبدیل ہو جائیں گی، اس کے ساتھ ایک عام قاعدے کے طور پر یہ حقیقت بتلا کر عام انسانوں کو بھی یہ سبق دیا گیا ہے کہ دنیا میں مشکلات پیش آئیں تو یہ سمجھ لیں کہ ان کے بعد آسانی کا وقت بھی آئے گا۔ (آسان ترجمہ قرآن مفتی تقی عثمانی)

یہاں لفظ العسر مکرر ہے اور یہ معرفہ ہے اور لفظ یسر بھی مکرر ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے یعنی العسر ایک ہے اور یسر دو ہیں اور العسر کا معنیٰ ہے مشکل اور یسر کا معنی ہے، آسانی، سو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں: پس جب کسی انسان کو اپنی مہم میں مشکلات درپیش ہوں تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان آیتوں میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں رکھی ہیں، حدیث میں ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکے گی۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی ﷺ ہنستے ہوئے خوش

خوش باہر آئے، آپ نے فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی، پھر آپ نے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ (مستدرک حاکم)

اس آیت میں دو آسانیوں سے مراد اسلام اور دین ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آسانی سے مراد دنیا کی فتوحات ہوں اور دوسری آسانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہوں۔

کفارِ مکہ نبی کریم ﷺ کے فقر کی وجہ سے آپ کو عار دلاتے تھے کہ آپ کا دین قبول کرنے سے ہمیں یہ چیز مانع ہے کہ آپ تنگ دست اور نادار ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ تنگ دستی کی یہ مشکل عنقریب زائل ہو جائے گی اور آپ کو فتوحات اور غنیمتوں کی آسانیاں حاصل ہوں گی۔ (الکبیر للرازی، تبیان القرآن)

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۞ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ: جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کے کام میں لگ جائیں یعنی داعیانہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں اس میں بہت سا وقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے لیکن ایسی عبادت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا ضروری ہے۔

جب آپ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں میں فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں، تاکہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر و ثواب بھی ملے جو براہ راست عبادت اور انابت میں ہے۔ اور حقیقت میں یہ جو بلاواسطہ ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لیے ان کی تخلیق ہوئی ہے جسے سورۂ والذاریات کی آیت **وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اس پر عمل کرتے تھے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول رہتے تھے، آپ

راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ (انوار البیان)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ، ضحاک رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ إِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَانصَبْ إِلَى رَبِّكَ فِي الدُّعَاءِ وَارْغَبْ إِلَيْهِ فِي الْمَسْأَلَةِ يُعْطِكَ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنے رب سے دعا مانگنے میں اپنے آپ کو تھکاؤ اور اسی کی طرف سوال کرنے میں مشغول ہو جایئے وہ آپ کو دے گا۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ إِذَا فَرَغْتَ مِنَ التَّشَهُّدِ فَادْعُ لِدُنْيَاكَ وَآخِرَتِكَ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد سے فارغ ہو جائیں تو اپنی دنیا اور اپنی آخرت کے لیے دعا کیجیے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ إِذَا فَرَغْتَ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكَ فَانْصَبْ وَصَلِّ جب آپ اپنے دنیوی معاملات سے فارغ ہو جائیں تو اپنے آپ کو نماز میں تھکایئے۔

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ إِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْفَرَائِضِ فَانْصَبْ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو جائیں تو تہجد کی نماز میں اپنے آپ کو تھکائیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ إِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْغَزْوِ فَاجْتَهِدْ فِي الْعِبَادَةِ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں کوشش کیجیے۔

حو دہ لل ال حو دہ لل تمت سورۃ الم نشرح)

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

۲۵ اپریل ۲۰۲۰ء یکم رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بوقت ۳ بجے سحری

حروف بینی: یکم اکتوبر ۲۰۲۰ء بوقت ڈھائی بجے شب

التین

انسانی تخلیق

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ{۱} وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ{۲} وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ{۳} لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۖ{۴} ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ{۵} اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۭ{۶} فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۭ{۷} اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ {۸} التین.

جواب **ترجمہ:** قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی۔ اور اس امن وامان والے شہر کی۔ کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کیے، تو ان کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ پھر (اے انسان) وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزاء و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ کیا اللہ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ یہاں انجیر، زیتون نامی دو مشہور پھلوں کی قسم کھا رہے ہیں، اور صحرائے سینا کے مشہور پہاڑ طور کی قسم کھا رہے ہیں جس پر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا کرتا تھا، اور بلد امین کی قسم کھا رہا ہے جسے مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے، جسے مہبط اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، ان قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ انسانی تخلیق اور اس کے حسن وجمال کا تذکرہ کرتے ہیں، پھر انسانوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بڑھاپے اور کمزوری کی دہلیز تک جا پہنچتے ہیں، عالم شباب ہی سے ان کے اعمال کم پڑنا شروع ہو جاتے ہیں، بعض ان کو جو اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت واتباع سے روگردانی کرتے ہیں جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں، لیکن اہل ایمان جو اپنے اِیمان واِیقان کو اعمال صالحہ کے ساتھ مزین کرتے ہیں ان کے لیے ایسا اجر ہے جو لامتناہی ہے، کم ہونے والا نہیں ہے، رحمتِ

کائنات کے ایک عالی شان فرمان کے مطابق جب بندہ مومن بڑھاپے کی دہلیز تک جا پہنچتا ہے، اعمال بجالانے سے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اس طرح عمل لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ عالمِ شباب میں عمل کیا کرتا تھا۔

بچپن، عہد طفولیت، لڑکپن پھر پچپن کی عمر تک جب انسان پہنچ جاتا ہے، دائیں بائیں نظارے کرتا ہے، قدرت کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کو اپنی چشم وا سے دیکھتا ہے، نظارگی کے دوران کئی زبانیں تو سبحان اللہ کی صدائے حق نیوش سے تربتر ہو جاتی ہیں، پھر حیرت کی بات ہے کہ اس انسان کو کون برانگیختہ کرتا ہے کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی زندگی کا انکار کرتا ہے؟

جزا و سزا کا انکار کرتا ہے، حالانکہ رب العالمین کی قدرت پر بے شمار دلائل، براہین اور حجج دکھائی اور سنائی دیتی ہیں، کیا یہ انسان غور و فکر سے کام نہیں لیتا کہ رب العالمین ہنگامہ یوم النشور کے بعد اپنی مخلوق کے درمیان بہترین فیصلہ کرے گا، اسے احکم الحاکمین کہا جاتا ہے، کیا انسان یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ مخلوق یوں ہی بے کار پیدا کی گئی ہے؟ اسے کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا، اسے کسی چیز سے روکا نہیں جاسکتا، اسے نیک اعمال کے صلے میں اجر و ثواب نہیں دیا جاسکتا، اسے اس کی کوتاہ اعمالیوں، سیاہ کاریوں، بدبختیوں اور اس کے آثام و ذنوب کی سزا نہیں دی جاسکتی؟ ایسا سوچنا ٹھیک نہیں ہے اور ایسا ہو گا بھی نہیں، نیکی بدی تلے گی، میزان قائم ہو گی، پھر سب نتارا ہو جائے گا۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ: انجیر اور زیتون کی قسم۔ انجیر اور زیتون یہ دو مشہور پھلوں کے نام ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ تمہاری انجیر اور تمہارا زیتون ہیں۔

انجیر یونان، ترکی، اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے، کتب طب میں انجیر کی خاصیات لکھی ہوئی ہیں، انجیر قبض کشا ہے، انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے، اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بخود دور ہو جاتا ہے اور مسا جھڑ جاتا ہے، بلغم کو پکا کر خارج کرتا ہے، اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے، پسینہ آور ہے، اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے، چونکہ یہ پیشاب آور ہے اس لئے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا

ہے، غور کیا جائے کہ قدرت والے نے اس میں کس قدر منافع رکھے ہیں۔

علامہ ابن القیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حجاز و مدینہ کی سرزمین پر انجیر کی پیداوار نہیں اس لیے حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں ملتا کیونکہ انجیر کی پیداوار کے کھجور اگانے والی زمین مناسب نہیں بلکہ اس کے برخلاف زمین کی ضرورت پڑتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کی قسم کھا کر اس کے منافع اور فوائد کی اہمیت بیان کر دی ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ یہی مشہور انجیر ہے جس کی قسم کھائی گئی ہے۔

اس کا مزاج حار (گرم) ہے اور رطوبت (تری) و یبوست (خشکی) کے متعلق اطباء سے دو قول منقول ہیں، عمدہ قسم کی انجیر پختہ سفید چھلکے والی ہوتی ہے، یہ مثانہ اور گردہ کی پتھری کو صاف کرتی ہے اور زہر سے محفوظ رکھتی ہے تمام پھلوں سے زیادہ اس میں غذائیت پائی جاتی ہے، سینے اور حلق اور سانس کی نالی کی خشونت میں نافع ہے جگر اور طحال (تلی) کی صفائی کرتی ہے اور معدہ سے خلط بلغم کو جلا دے کر نکالتی ہے اور بدن کو شاداب بناتی ہے البتہ اس کے کثرت استعمال سے جوئیں پڑ جاتی ہیں۔

خشک انجیر سے غذا کے ساتھ ساتھ اعصاب میں طاقت و قوت آتی ہے اور اخروٹ و بادام کے مغز کے ساتھ اس کا استعمال بہت ہی مفید ہے، حکیم جالینوس نے لکھا ہے کہ اگر زہر قاتل کے استعمال سے پہلے مغز اخروٹ اور سداب کے ساتھ اس کا استعمال کر لیں تو زہر سے نجات ہوتی ہے اور نفع بھی پہنچتا ہے، سداب ایک سبز رنگ مائل بہ نیلگوں پودا ہے، جس سے تیز خوشبو کی لپٹ نکلتی ہے اس کے پتے بیضوی شکل کے پر کی طرح نقطہ دار ہوتے ہیں، ماہ جولائی اگست میں پھول کھلتے ہیں جو ستاروں کی شکل کے ہوتے ہیں، رنگ زرد مائل بہ سبز ہوتا ہے۔

حضرت بو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَبَقٌ مِنْ تِينٍ، فَقَالَ: كُلُوا وَأَكَلَ مِنْهُ، وَقَالَ: لَوْ قُلْتُ: إِنَّ فَاكِهَةً نَزَلَتْ مِنَ الْجَنَّةِ قُلْتُ: هَذِهِ، لِأَنَّ فَاكِهَةَ الْجَنَّةِ بِلَا عَجَمٍ، فَكُلُوا

مِنْهَا فَإِنَّهَا تَقْطَعُ الْبَوَاسِيرَ، وَتَنْفَعُ مِنَ النِّقْرِسِ

آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک تھالی انجیر ہدیہ کے طور پر پیش کی گئی، آپ ﷺ نے مجلس والوں سے فرمایا کہ کھاؤ اور آپ ﷺ نے خود بھی کھائی اور فرمایا اگر یہ کہوں کہ جنت سے کوئی پھل اترا ہے تو یہی وہ پھل ہو سکتا ہے کیونکہ جنت کے پھلوں میں گندگی نہیں ہوگی اسے کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو ختم کرتی ہے نقرس کے لیے نفع بخش ہے۔ (طب نبوی لابن القیم جوزی)

اس کا گودا بہت عمدہ ہوتا ہے گرم مزاج والوں کے اندر پیاس پیدا کرتا ہے اور بلغم مالح سے پیدا ہونے والی پیاس کو بجھاتا ہے مزمن کھانسی کے لیے مفید ہے، پیشاب آور ہے، درد جگر اور طحال (تلی) کے سدوں کو کھولتا ہے، گردے اور مثانہ کے لیے مفید ہے، نہار منہ اس کے استعمال کرنے سے مجاری غذا کھل جاتے ہیں، خصوصا جب کہ اس کا استعمال مغز بادام اور اخروٹ کے ساتھ کیا جائے، ثقیل غذاؤں کے ساتھ اس کا استعمال نہایت درجہ مضر ہے، سفید شہتوت بھی اسی درجہ کا نافع ہے لیکن اس میں غذائیت اس سے کم ہوتی ہے اور معدہ کو نقصان بھی پہنچتا ہے۔

حضرت علی بن موسی رضا رحمہ اللہ فرماتے ہیں التِّينُ يُزِيلُ نَكْهَةَ الْفَمِ وَيُطَوِّلُ الشَّعْرَ وَهُوَ أَمَانٌ مِنَ الْفَالِجِ (الکبیر) انجیر منہ کی بو کو ختم کرتی ہے اور بالوں کو لمبا کرتی ہے اور انجیر کھانے کی وجہ سے فالج سے محفوظ ہوتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے انجیر کے خواص میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ باقی جتنے بھی درخت ہیں جب ان کا پھل اپنے مقام سے گر جاتا ہے تو اس سال دوبارہ نہیں آتا جب کہ انجیر کا درخت اس خاصیت والا ہے کہ اس کا بیج گرنے کے بعد دوبارہ لوٹ آتا ہے۔

کوئی شخص خواب میں اگر انجیر دیکھتا ہے اور اسے خواب میں پالیتا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس شخص کو بہت زیادہ مال ملنے والا ہے، جو شخص خواب میں انجیر کھاتے اپنے کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ اسے اولاد عطا فرمائے گا۔ (کبیر)

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے جنت میں لغزش کا صدور ہو گیا تھا تو ان کے جسم سے جنتی لباس

اتر گیا تھا، تو آدم علیہ السلام نے انجیر کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپا تھا، اور یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ جنت سے زمین پر اترے تو انجیر کے پتوں میں لپٹے ہوئے تھے، جنہیں دیکھ کو خوف آتا تھا، جب یہ منظر ہرنیوں نے دیکھا تو ان کے گرد چکر لگانے لگیں، پھر وہ مانوس ہو گئیں، آدم علیہ السلام نے انجیر کے کچھ پتے ان ہرنیوں کو کھلائے، اس کے بعد اللہ نے ان کو حسن وجمال صوری دیا اور ملاحت معنوی عطا فرمائی اور ان کے خون کو مشک میں بدل دیا۔

جب یہ ہرنیاں اپنے مسکنوں میں گئیں تو دوسری ہرنیوں نے ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر تعجب کیا، جب اگلا دن ہوا تو یہ دوسری ہرنیاں بھی پہلے والی ہرنیوں کی طرح آدم علیہ السلام کی طرف آئیں، تو انہوں نے ان کو بھی انجیر کے پتے کھلائے، جس سے اللہ نے ان کو بھی جمال عطا فرمایا، مگر مشک عطا نہیں فرمائی، اور یہ اس لیے کہ پہلے والی ہرنیوں کی ٹولی آدم علیہ السلام کی خاطر ان کے پاس آئی تھی، کوئی لالچ مد نظر نہیں تھا، جب کہ ہرنیوں کی یہ دوسری ٹولی پوشیدہ طور پر لالچ کی وجہ سے آئی تھی اور بظاہر آدم علیہ السلام کے لیے، اس لیے ان کے ظاہر کو بدل دیا گیا مگر باطن کو نہیں بدلا گیا۔ (کبیر)

زیتون مشہور پھل ہے، یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً یونان، فلسطین اور اسپین وغیرہ، اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے، اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں، روغن زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زیتون مبارک درخت ہے، ایک وجہ سے یہ میوہ ہے، ایک وجہ سے سالن ہے اور ایک وجہ سے دوا ہے، بہت سے ملکوں میں تو لوگوں کو اس کے بارے میں بتانا نہیں پڑتا، زیتون کی منفعت صرف غذائے بدن کے لیے نہیں ہے، زیتون کا تیل چراغ جلانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، زیتون ایسے پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں یقینی طور پر تیل جیسی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے خواب میں زیتون کے پتے پکڑے ہوئے اپنے آپ کو دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ مضبوط کڑے کو تھامے گا۔

قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر ہے وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ (المومنون ۲۰) اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے، جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، سالن پر صبغ کا اطلاق فرمایا ہے صبغ کا معنیٰ رنگ ہے اور روٹی سالن کے ڈبونے سے رنگین ہو جاتی ہے، طور سینا اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، زیتون کی مسواک کیا خوب ہے، وہ مبارک درخت کی ہے، وہ بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوش بودار کرتی ہے، یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔ (المعجم الاوسط)

امام رازی رحمہ اللہ ایک دوسرا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تین اور زیتون سے یہ پھل مراد نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دو مقدس پہاڑ ہیں، انہیں سریانی زبان میں طور تینا اور طور زیتا کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ دونوں پہاڑ ایسے ہیں جو تین اور زیتون کی جائے پیدائش ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جائے پیدائش کی قسم کھائی ہے، جبل تین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مختص ہے، زیتون شام میں ہے جہاں بنی اسرائیل کے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جائے بعثت ہے، اور بلد الامین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جگہ ہے، اس قول کے مطابق تین اور زیتون کی قسم حقیقت میں تعظیم انبیاء علیہم السلام ہے اور ان کے مقام اور مرتبے کو اجاگر کرنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ تین اور زیتون سے دو مسجدیں مراد ہیں، ابن زید کہتے ہیں تین دمشق کی مسجد ہے اور زیتون بیت المقدس کی مسجد ہے، بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ تین سے مراد اصحاب کہف کی مسجد ہے اور زیتون سے مراد ایلیا کی مسجد ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے جو جودی پہاڑی پر بنائی گئی تھی، زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے، یہ قول جن لوگوں نے کیا وہ اس طرف گئے ہیں کہ مسجد کی قسم کھانا بہتر ہے کیونکہ

مسجد عبادت وبندگی بجالانے کی جگہ ہے، جب یہ مسجدیں ان مقامات پر ہیں جہاں انجیر اورزیتون بکثرت ہیں تو یقیناً انجیر اورزیتون کے ذکر کو کافی سمجھا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ تین اورزیتون سے مراد دو شہر ہیں، حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین دمشق کا شہر ہے اورزیتون بیت المقدس ہے، حضرت شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین کوفہ میں ہے اورزیتون شام میں ہے، ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین اورزیتون یہ دو پہاڑ ہیں جو ہمدان اور حلوان میں ہیں، اس قول کے قائلین کہتے ہیں چونکہ یہود، نصاریٰ، مسلمان اور مشرکین قریش میں سے ہر ایک ان شہروں کی تعظیم کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب شہروں کی قسم کھائی ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ اگر دمشق اور بیت المقدس دونوں میں دنیا کی نعمتیں ہیں تو طور اور مکہ دونوں میں دین کی نعمتیں ہیں۔ (تفسیر کبیر)

وَطُورِ سِينِينَ: اور طور سینا کی قسم، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طور سے مراد پہاڑ ہے اور سینین سریانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مبارک، قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: اس کا معنی ہے: خوب صورت اور مبارک، نیز عکرمہ نے کہا، طور وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی تھی، مقاتل رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ نے کہا، سینین ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں، یہ اہلِ نبط کی لغت ہے، اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارضِ مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ برکت دی ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی)

وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ: اوراس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی قسم، اس آیت میں مکہ مکرمہ کو بلد امین فرمایا گیا ہے، عربی میں جب کوئی آدمی کسی کو امان دیتا ہے تو امان دینے والے کو امین کہا جاتا ہے، بلد امین کی امانت داری یہ ہے کہ وہ ہر اس شخص کو امان دے جو اس میں داخل ہو جائے، جیسے وہ شخص امانت کی حفاظت کرتا ہے جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے، بلد الامین کا معنیٰ ہے امن والا شہر۔

بلد الامین مکہ مکرمہ امین ہے، حفاظت کرنے والا ہے اوراس کی حفاظت بھی کی جاتی ہے، امین مامون کے معنیٰ میں بھی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے یمن سے چل کر بیت اللہ شریف پر چڑھائی کے لیے

آنے والے ابرہہ بادشاہ کے خطرناک عزائم اور بدمست ہاتھیوں کے لشکر سے اس شہر کی، شہر کے رہنے والوں کی حفاظت فرمائی، اور خطرناک منصوبہ لے کر آگے بڑھنے والوں کو نشان عبرت بناڈالا، انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح بنادیا تھا۔

مکہ مکرمہ کا شرف محتاج بیان نہیں، اس کا سنگِ بنیاد اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا، اس شہر کے پرامن ہونے کی دعا بھی آپ نے ہی مانگی، رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا، اس دعا کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارا جزیرۂ عرب غارت گری، خونریزی اور لوٹ مار کا میدان بنا ہوا تھا اس وقت بھی مکہ مکرمہ فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ تھا، کسی کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لیتا تو اس کو کچھ نہ کہا جاتا تھا، اگر جنگل میں کوئی چیتا، ہرن کو شکار کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا اور ہرن حدود حرم میں داخل ہو جاتا تو چیتا اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا جاتا تھا، یہاں کے درختوں اور گھاس وغیرہ کو بھی کوئی نہیں کاٹتا تھا۔

کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے اس شہر کو مزید شرف نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس خطہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اسے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان بھی یہیں سے کیا جس کے باعث مکہ کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ (ضیاء القرآن)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ: بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا، اتنی اشیاء کی قسمیں کھانے کے بعد یہ جواب قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ منہ کے بل جھکا ہوا ہے جب کہ انسان کو سیدھا پیدا کیا گیا ہے، اس کی زبان ہے جس میں فصاحت وبلاغت رکھی، ہاتھ کی انگلیاں ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، دلکش قد و قامت عطا کیا گیا، عقل و فہم کے لحاظ سے کامل ہے، فہم وادب، علم اور بیان کے لحاظ سے مکمل ہے۔

اللہ نے انسان کی شکل وصورت بہت ہی خوب بنائی، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی اپنی بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا ایک دن اس نے اپنی

بیوی سے کہا، اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں تجھے طلاقیں، اس کی بیوی اٹھی اور اس سے پردہ میں چلی گئی اور کہا تو نے مجھے طلاق دے دی عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات گزاری جب صبح ہوئی تو وہ منصور خلیفہ کے گھر گیا اور تمام واقعہ بتایا اور منصور کے سامنے بڑی آہ وزاری کی، منصور نے فقہاء کو بلایا اور ان سے فتوی طلب کیا جو بھی فقہاء وہاں موجود تھے سب نے کہا، اسے طلاق ہو چکی ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک شاگرد خاموش تھا منصور خلیفہ نے اس سے پوچھا تو کیوں خاموش ہے ؟ اس نے اس سورت کی تلاوت کی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ. وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ. وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ. لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ. يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَالْإِنْسَانُ أَحْسَنُ الْأَشْيَاءِ، وَلَا شَيْءَ أَحْسَنَ مِنْهُ اور کہا، اے امیر المومنین! انسان سب چیزوں سے زیادہ خوبصورت ہے کوئی چیز اس سے زیادہ خوبصورت نہیں، منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا، بات وہی ہے جو اس نے کہی اپنی بیوی کے پاس جاؤ اور ابو جعفر نے اس کی بیوی کی طرف پیغام بھیجا اپنے خاوند کی اطاعت کر اس کی نافرمانی نہ کر اس نے تجھے طلاق نہیں دی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان اللہ کی مخلوق میں ظاہری اور باطنی لحاظ سے بہت ہی خوبصورت ہے، اس کی ہیئت ترکیبی میں حسن وجمال ہے، جو کچھ انسانی سر میں رکھا گیا ہے وہ اس کی بدیع ترکیب پر دلالت کرتا ہے، اس کے سینے کو دیکھا جائے کہ اس میں کیا کچھ رکھا گیا ہے، اس کے پیٹ میں کیا کچھ رکھا گیا ہے، اس کی شرمگاہ اور اس کے متعلقات میں کیا کچھ ہے، اس کے دونوں ہاتھوں اور ان کی گرفت میں کیا کچھ ہے، اس کے دونوں پاؤں کی طاقت کو دیکھا جائے کہ انہوں نے کس قدر وزن اٹھایا ہوا ہے۔ (قرطبی)

انسانی حسن وجمال، خوبصورت، دلکشی اور دلربائی، اس کے اعضاء کی ساخت اور پرداخت ہی کی وجہ سے فلاسفہ کا قول ہے کہ انسان عالمِ اصغر ہے کیونکہ مخلوقات میں جو کچھ ہے وہ سب ایک انسان میں جمع کر دیا گیا ہے۔

ایک نیک بندہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! تونے ہمیں دنیا میں بہت اچھی شکلیں عطا فرمائی ہیں تو آخرت میں ہمارے کارنامے بھی اچھے کر دینا اور وہ گناہوں کی معافی ہے، عیبوں سے چشم پوشی ہے۔

یہاں انسان سے کیا مراد ہے؟ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ انسان سے مراد کافر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلدۃ بن اسید ہے، ان اقوال کی بناء پر یہ آیت ان لوگوں سے متعلق نازل ہوئی ہے، جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ (قرطبی)

احسن تقویم یعنی بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے، کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے، اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے، منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔ (تفسیر قرطبی)

قاضی ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَيْسَ لِلّٰهِ تَعَالٰى خَلْقٌ أَحْسَنُ مِنَ الْإِنْسَانِ، فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَهُ حَيًّا عَالِمًا، قَادِرًا مُرِيْدًا مُتَكَلِّمًا، سَمِيْعًا بَصِيْرًا، مُدَبِّرًا حَكِيْمًا وَهٰذِهِ صِفَاتُ الرَّبِّ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم، قدرت ارادہ کرنے، باتیں کرنے، سننے، دیکھنے، تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی ہے اور یہ تمام رب تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں، گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ (قرطبی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهِ (بخاری، مسلم، تفسیر قرطبی) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ: پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کر دیتے ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مومن نہ ہوں، وہ دنیا میں چاہے کتنے خوبصورت

رہے ہوں، آخرت میں وہ انتہائی نچلی حالت کو پہنچ جائیں گے، کیونکہ انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اسی لیے آگے ان انسانوں کا استثناء کیا گیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر انسان بڑھاپے میں جا کر انتہائی خستہ حالت کو پہنچ جاتا ہے، اس کی خوبصورتی بھی جاتی رہتی ہے اور طاقت بھی جواب دے جاتی ہے اور آئندہ کسی اچھی حالت کے واپس آنے کی انہیں کوئی امید نہیں ہوتی، کیونکہ وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہوتے، البتہ نیک مسلمان چاہے اس بڑھاپے کی بری حالت کو پہنچ جائیں، لیکن ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ بری حالت عارضی ہے اور آگے دوسری زندگی آنے والی ہے، جس میں انشاء اللہ انہیں بہترین نعمتیں میسر آئیں گی اور یہ عارضی تکلیفیں ختم ہو جائیں گی، اس احساس کی وجہ سے ان کی بڑھاپے کی تکلیفیں بھی ہلکی ہو جاتی ہیں۔ (آسان ترجمہ قرآن للشیخ تقی عثمانی)

حضرت ضحاک رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم نے انسان کو حقیر ترین عمر کی طرف لوٹا دیا وہ جوانی کے بعد بڑھاپا، قوت کے بعد ضعف ہے یہاں تک کہ آدمی بچے کی طرح پہلی حالت میں چلا جاتا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَى النَّارِ، يَعْنِي الْكَافِرَ پھر ہم نے کافر کو آگ کی طرف لوٹا دیا۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے ان جلیل القدر صفات سے متصف کیا جن سے انسان مرکب ہے تو اس نے سرکشی کی یہاں تک کہ اس نے کہا، اَنَا رَبُّكُمُ الاَعلیٰ۔ (النازعات) میں تمہارا بڑا رب ہوں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے ان چیزوں کو جانا اور جب کہ بندہ اپنی جانب سے فیصلہ کر رہا تھا اسے اسفل سافلین کی طرف پھیر دیا اس طرح کہ اسے گندگی سے بھرا ہوا نجاست سے لتھڑا بنا دیا یہاں تک کہ جب وہ اپنے کام دیکھے گا تو وہ اپنی حیثیت کی طرف لوٹ کر آئے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ کا معنی ہے ہم نے اسے گمراہی کی طرف لوٹا

دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اِنَّ الانْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ، انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، تو انہیں گمراہی کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا جس نے یہ کہا کہ اسفل سافلین سے مراد آگ ہے اس کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہے اور جس نے کہا، اس سے مراد بڑھاپا ہے تو اس نے کہا، اس سے مراد مستثنیٰ منقطع ہے۔ (قرطبی)

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ: سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، تو ان کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کی سعادت اور خوش نصیبی یہ ہے کہ انہیں اسفل سافلین کی طرف نہیں دھکیلا جائے گا، بلکہ ان کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور ان کی خطائیں مٹادی جائیں گی، یہ وہ لوگ ہوں گے جو عالمِ شباب میں اللہ کی بندگی بجالاتے رہے اب بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے، بہت بڑھاپے میں پہنچ جانے کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔

روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب بندہ عالمِ شباب میں بہت زیادہ نمازیں پڑھتا ہے، بہت زیادہ روزے رکھتا ہے، بہت زیادہ صدقہ وخیرات کرتا ہے، پھر وہ کمزور پڑ جاتا ہے، وہ عالمِ جوانی کی طرح عبادات بجا نہیں لا سکتا تو اللہ عزوجل اس کے لیے عالمِ شباب کی طرح کے عمل کا اجر جاری فرما دیتے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا إِذَا سَافَرَ الْعَبْدُ أَوْ مَرِضَ كَتَبَ اللهُ لَهُ مِثْلَ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا جب بندہ سفر کرتا ہے یا بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس طرح کا عمل لکھ دیتے ہیں جس طرح وہ حالت اِقامت میں اور حالت صحت میں بجالاتا تھا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال بجالائیں گے فَإِنَّهُ لَا يَخْرُفُ وَلَا يَهْرَمُ وَلَا يَذْهَبُ عَقْلُ مَنْ كَانَ عَالِمًا عَامِلًا بِهِ. وہ بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیائیں گے نہیں، مخبوط الحواس نہیں ہوں گے، اور جو شخص عالم اور دین پر عمل کرنے والا ہو گا اس کی عقل بھی

فاسد اور خراب نہیں ہو گی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ (قرطبی) جو قرآن کریم پڑھے گا وہ ارذل العمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ اس شخص کو خوشخبری ہو جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں۔

روایت میں ہے کہ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا مَاتَ أَمَرَ اللهُ مَلَكَيْهِ أَنْ يَتَعَبَّدَا عَلَى قَبْرِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيُكْتَبُ لَهُ ذَلِكَ جب بندہ مومن فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے دو فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس کی قبر پر قیامت تک عبادت کرتے رہیں، اس کا اجر اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔

حضرت مکحول رحمہ اللہ سے روایت ہے، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ يُقَالُ لِصَاحِبِ الشِّمَالِ: ارْفَعْ عَنْهُ الْقَلَمَ وَيُقَالُ لِصَاحِبِ الْيَمِينِ: اُكْتُبْ لَهُ أَحْسَنَ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَإِنِّي أَعْلَمُ بِهِ وَأَنَا قَيَّدْتُهُ (ابن عساکر، تفسیر در منثور) جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو بائیں طرف والے فرشتے سے کہا جاتا ہے اپنی قلم کو اٹھالے یعنی کوئی گناہ نہ لکھ اور دائیں طرف والے سے کہا جاتا ہے کہ تو اس کا وہ نیک عمل لکھ جو وہ کیا کرتا تھا، کیونکہ میں اس کو خوب جانتا ہوں کیونکہ میں نے اس کو قید کر رکھا ہے۔

حضرت شداد بن اوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِّن عِبَادِي مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِي عَلَى مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُومُ من مَضْجَعِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: إِنِّي أَنَا قَيَّدْتُهُ وَابْتَلَيْتُهُ فَأَجْرُوا لَهُ مَا كُنْتُم تَجْرُونَ لَهُ قَبْلَ ذَلِكَ وَهُوَ صَحِيحٌ

جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی بندے کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں، پھر وہ اس آزمائش میں جس میں میں نے اسے مبتلا کیا ہے میری حمد و ثنا بیان کرے تو وہ اپنے لیٹنے کی جگہ سے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر اٹھتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا اور رب عزوجل فرماتے ہیں بیشک میں

نے ہی اس کو روک رکھا ہے اور میں نے ہی اس کو آزمائش میں مبتلا کیا پس تم اس کے لیے وہ لکھتے رہو جو تم اس سے پہلے اس کی صحت کی حالت میں لکھا کرتے تھے۔ (طبرانی، تفسیر در منثور)

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ: تو ان کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ** کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

غَيْرُ مَمْنُون مَا يَكْتُبُ لَهُمْ صَاحِبُ الْيَمِيْنِ فَإِنْ عَمِلَ خَيْرًا كَتَبَ لَهُ صَاحِبُ الْيَمِيْنِ وَإِنْ ضَعُفَ عَنْ ذَلِكَ لَهُ صَاحِبُ الْيَمِيْنِ وَأَمْسَكَ صَاحِبُ الشِّمَال فَلَمْ يَكْتُبْ سَيِّئَةً وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ لَم يُرَدُّ إِلَى أَرْذَل الْعُمُر لِكَيْلَا يَعْلَمُ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (نوادر الاصول حکیم ترمذی)

وہ اجر منقطع نہیں ہوتا جو دائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اگر اس نے نیک عمل کیا تو اسے دائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور اگر وہ کمزوری کی وجہ سے وہ عمل نہ کر سکے، تو بھی اس کے لیے وہ نیک عمل دائیں طرف والا لکھ دیتا ہے اور بائیں طرف والا فرشتہ رک جاتا ہے اور وہ برائی نہیں لکھتا اور جس شخص نے قرآن پڑھا ہے اسے ارذل العمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانے۔

اعلیٰ علیین اور اسفل سافلین دراصل دو انتہائی مقامات ہیں اور دونوں کا آغاز مقام فطرت کے خط مستقیم سے ہوتا ہے، مقام فطرت سے انسان ایمان و عمل صالح سے اٹھتا رہتا ہے اور اٹھتے اٹھتے اپنے مقام مقرر جنت نعیم تک پہنچ جاتا ہے اور اگر انسان فطرت سے انحراف کر لے اور نیچے کی طرف گرتا رہے اور روحانیت سے اپنا رشتہ کاٹ لے تو جہنم تک پہنچ کر اس کے بھی نچلے درجے میں جا گرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں ایمان کی قدر و قیمت کیا ہے، یہ وہ نور ہے جس کی روشنی میں انسان مقام بلند تک پہنچتا ہے، ایمان وہ رسی ہے جو انسانی فطرت اور اس کے خالق کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے اور یہ وہ روشنی ہے جس کے نور میں یہ اس مقام تک قدم بقدم بڑھتا ہے

جو نہایت مکرم لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

جب یہ رابطہ ٹوٹ جاتا ہے جب یہ چراغ بجھ جاتا ہے، تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت نہایت ہی گہرے گڑھے میں گر جاتی ہے اور گرتی چلی جاتی ہے، آدمیت حیوانات سے بھی نیچے چلی جاتی ہے اور انسان مٹی کا ایک بت رہ جاتا ہے اور پھر یہ پتھر کی طرح جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے، اس فضا اور ماحول میں انسان کے نام ایک کال آتی ہے۔ (فی ظلال القرآن)

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ: پھر (اے انسان) وہ کیا چیز ہے جو تجھے جزاء و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ یہ خطاب کافر کو ہے مقصود اسے شرمندہ کرنا اور الزام حجت ہے، اے انسان! جب تو نے پہچان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے احسن تقویم میں پیدا کیا، وہ تجھے ارذل عمر کی طرف لوٹائے گا اور تجھے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرے گا تو وہ کون سی چیز ہے جو تجھے دوبارہ اٹھانے اور جزا کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ نے تجھے اس بارے میں آگاہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا تھا کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے یعنی یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین ہے یہی معنیٰ قتادہ سے بھی منقول ہے قتادہ اور فراء نے کہا، معنی ہے اے رسول! اس بیان کے بعد کون جزا کے بارے میں تجھے جھٹلاتا ہے یہ طبری کا نقطہ نظر ہے گویا فرمایا، کون اس پر قادر ہے یعنی انسان کو پیدا کرنے کی ہماری قدرت کے ظاہر ہونے کے باوجود کون ثواب، عقاب، دین اور جزا کے بارے میں تجھے جھٹلائے۔ (تفسیر قرطبی)

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ: کیا اللہ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران نہیں ہے؟ ہر احساس اور عقل رکھنے والا شخص دنیا میں چھوٹے سے چھوٹے حاکم سے بھی یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی حکومت میں عدل و انصاف سے کام لے، وہ اچھے کام کرنے والوں کو صلہ دے اور برے کام کرنے والوں کو سزا دے، جو قانون توڑے اس پر قانون شکنی کا مقدمہ قائم ہو اور اس کے جرم کی اسے سزا دی جائے اور جو قانون کا احترام اور اطاعت کرے اسے اس کی جزاء ملے، تو اگر یہ توقع اور یہ مطالبہ چھوٹے سے چھوٹے حاکم سے حق اور عقل کا مطالبہ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سب سے بڑا

حاکم نہیں، کیا اس کی مملکت سے بڑھ کر بھی کسی کی مملکت اور حکومت ہے۔

اگر چھوٹے سے چھوٹے حاکم سے بھی تم عدل کی توقع رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے تم نے کیسے امید باندھ رکھی ہے کہ وہ ظالم کو ظلم کی سزا نہ دے اور مظلوم کو کبھی اس کی مظلومیت کا صلہ نہ دے، لوگ اس کے عدل کو پکارتے رہیں اور وہ کبھی مظلوم کی دادرسی نہ کرے، تو پھر اس کی حکومت اور مملکت کا کیا فائدہ؟ اور اس کی حاکمیت سے اس کی مخلوق کو کیا فائدہ پہنچا؟ اور اگر وہ سب سے بڑا حکمران ہونے کے باوجود دنیا کو انصاف نہ دے سکا تو پھر دنیا کو انصاف کہاں سے ملے گا۔ (روح القرآن)

اگر بدترین افعال کرنے والے اور اس کی خاطر قربانیاں دینے والے بلکہ جانیں قربان کرنے والے سب برابر ہوں تو اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو گی اور کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حاکم بھی ہے جس سے اس بے انصافی کی فریاد کی جا سکے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس نے جو بھی چیز پیدا کی اس کی صنعت میں کیا وہ سب سے محکم حاکم نہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا حق کا فیصلہ کرنے اور مخلوق میں عدل کرنے کے اعتبار سے احکم الحاکمین نہیں؟ اس میں کلام مقدر ہے کہ کفار میں سے جو صانع قدیم کا اعتراف کرتے ہیں ان کی طرف روئے سخن ہے استفہام کا ہمزہ جب حرف نفی پر داخل ہو جب کہ کلام میں آگاہی کا معنی موجود ہو تو وہ کلام مثبت ہو جاتی ہے جس طرح کہا، أَلَسْتُمْ خَيْرَ مَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا، جو لوگ سواریوں پر سوار ہوئے ان میں سے تم یقیناً بہترین ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ دونوں اس سورۃ کی تلاوت فرماتے اور أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ پڑھتے تو کہتے، بلیٰ کیوں نہیں میں اس پر واہ ہوں تو یہ کہنا مستحب ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَقَرَأَ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ: بَلَى، وَأَنَا

عَلَى ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (ترمذی، قرطبی) جو شخص سورۃ والتین والزیتون کی تلاوت کرے پھر الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو یوں کہے کہ ہاں، اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حودہلیٹ الحودللہ

سورۃ التین کی تفسیر آج رمضان المبارک کی مبارک اور بابرکت ساعتوں میں پایہ تکمیل کو پہنچی ،اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول ومنظور فرمائے اوراسے ذریعہ نجات وفلاح بنادے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۲۷اپریل ۲۰۲۰ء ۳رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بوقت ۲بجے شب

حروف بینی: یکم اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب